ھذا تذکرۃ للعالمین

عقد الجواہر فی احوال البواہر

س میں بوہرہ قوم کی مکمل تاریخ تحریر کی گئی ہے۔ اور ابتدا سے لیکر
ج تک کے صحیح حالات مستند کتابوں کے حوالوں سے درج کئے
گئے ہیں۔ اردو زبان میں یہ پہلی کتاب ہے جو تاریخی طرز پر
لکھی گئی ہے

مؤلفہ
مورخ گجرات پروفیسر مولانا سید ابوظفر ندوی
فاضل ندوہ، سند یافتہ پنجاب و بمبئی یونیورسٹی، ممبر سینٹ
گجرات یونیورسٹی، سابق ممتحن الہ آباد یونیورسٹی و بہار یونیورسٹی
پوسٹ گریجویٹ ڈپارٹمنٹ، گجرات ورنکولر سوسائٹی احمد آباد

سعی و اہتمام خاکسار معز میاں بی۔ اے اجینی ایڈوکیٹ
احمد آباد

مجلد قیمت ۵۰۔۰۰ روپے

هٰذا تذکرۃ للعالمین

عقدالجواہر فی احوال البواہر

جس میں بوہرہ قوم کی مکمل تاریخ تحریر کی گئی ہے۔ اور ابتدا سے لیکر آج تک کے صحیح حالات مستند کتابوں کے حوالوں سے درج کئے گئے ہیں۔ اردو زبان میں یہ پہلی کتاب ہے جو تاریخی طرز پر لکھی گئی ہے

مؤلفہ

مورخ گجرات پروفیسر مولانا سید ابوظفر ندوی

فاضل ندوہ، سند یافتہ پنجاب و بمبئی یونیورسٹی، ممبر سینٹ گجرات یونیورسٹی، سابق ممتحن الہ آباد یونیورسٹی و بہار یونیورسٹی پوسٹ گریجویٹ ڈپارٹمنٹ، گجرات ورنکولر سوسائٹی احمد آباد

بسعی و اہتمام خاکسار معز میاں بی۔ اے اجینی ایڈوکیٹ

احمد آباد

مجلد قیمت ۵۰۔۰۰ روپے

فہرست ابواب مضامین

اغلاط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
سرورق		تواریخ	تاریخ				
۷	۷	سنے	سے	۱۰۳	۱۵	بھرہ	بوہرہ
۱۲	۵	ملک	ملک پر	۱۰۴	۱۶	صواح	صراح
۲۸	۶	ان کی نسل	ان کی نسل منتشر	۱۰۴	۱۶	قفاعت	قضاعہ
۵۱	آخری	حض	حصین	۱۰۵	۳	لیسرہ	بسیرا
۵۳	۴	″	″	۱۰۰	۷	قناعہ	قضاعہ
۵۳	۱۱	″	″	۱۱۰	۱۶	سبھرہ	بوہرہ
۵۴	۱۱	″	″	۱۱۱	۱۴	اختقار	اور بہ اختصار
۵۵	۱۵	″	″	۱۲۰	۸	برٹن	برتن
۵۶	۵	″	″	۱۳۱	۱۵	کے طرح	کی طرح
″	۹	″	″	۱۳۲	حاشیہ	سیدنلسے	سیدنا سے ملے
	۱۳	″	″	۱۳۷	۱۰	حاذق	حاذق کا دیا
۵۷	۱۰، ۱۱	″	″	۱۴۳	۸	سنہ ۱۹۰۱ء	سنہ ۹۰۱
″	آخری سطر کے اوپر	″	″	۱۴۷	۱۱	عیدالضحیٰ	عیداضحی
۶۸	۱۷	پرپاپھتا	زمین پر ٹپک	۱۶۱	۹	سیدناکہ	سیدنا کے
۱۰۲	۸	بھروں	بہروں	۱۸۰	۱۵	سنزرسائل	ستہ رسائل
۱۰۲	۹	بھرے	بہرے	۱۸۵	۱۷	اس عظیم	اس امر عظیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

ایک عرصہ سے میں تاریخ گجرات لکھنے میں مصروف ہوں۔ جس کی پہلی جلد مکمل اور نصف دوسری لکھ چکا ہوں۔ اسی ضمن میں خیال آیا کہ اس عام تاریخ کے ساتھ گجرات کی دوسری قوموں کا بھی کچھ حال علیحدہ علیحدہ لکھوں تو زیادہ مناسب ہوگا۔ چنانچہ سب سے پہلے سُنّی بوہروں پر نظر گئی۔ مگر دیکھا کہ ان کی کوئی مستقل جماعت جن کا کوئی مرکز ہو ان میں موجود نہیں ہے۔ وہ ہر جگہ منتشر ہیں۔ اور سوائے احمد آباد کے کسی دوسری جگہ صحیح معنی میں ان کا مرکز نہیں ہے اور کسی ایک حاکم کے ماتحت نہیں ہیں۔ اس لئے ان کے صرف بڑے بڑے علماء کے حالات تحریر کرنے پر اکتفا کیا۔ چنانچہ علامہ محمد بن طاہر پٹنی کے حالات تحریر کر چکا ہوں، باقی کے حالات جمع کر رہا ہوں۔ اس کے بعد آغاخانی جماعت ہے، جوبلی کے موقع پر اردو زبان میں انکی مختصر تاریخ طبع ہوگئی اس لئے اس سے بھی قطع نظر کیا۔ پھر شیعہ بوہروں کی طرف توجہ کی۔ اس کا کچھ حصہ لکھا ہی تھا کہ اس عرصہ میں مصائب کے طوفان نے میری کشتیٔ حیات کے ساتھ اس طرح کھیلنا شروع کر دیا۔ جس طرح سمندر کی موجیں ایک تباہ شدہ جہاز کے شکستہ تختوں کے ساتھ کرتی ہیں۔ میرے نخلِ زندگی کے

شیریں پھل ایک ایک کرکے مجھ سے چھین لئے گئے، میری رفیقۂ حیات، نے بھی عالم
آب وگِل سے نکل کر آخری سانسوں سے الوداع کا پیغام دیا، جناب میکائیلی نے
بھی سیم وزر کی تھیلیاں مجھ سے واپس لے لیں۔

خدا خدا کرکے جب فلک دوار نے اپنا دورہ ختم کیا، سطح سمندر پر سکون، اور
قلب مضطر مطمئن ہوا، تو پھر اس کی طرف متوجہ ہوا۔ اور الحمد للّٰہ کہ داؤدی بوہروں
کے مکمل حالات لکھنے میں کامیاب ہوگیا۔ جو ناظرین کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔

اس کتاب کے پڑھنے کے بعد داؤدی اور غیر داؤدی مسلمانوں میں شکوک
رفع ہوکر اتحاد کے جانب میلان پیدا ہو تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت سعی مشکور ہوئی۔

اس کتاب کی تیاری میں میرے بوہرے احباب نے جس قدر امداد کی اُن کا
تہ دل سے میں شکرگزار ہوں، یقین کیجئے کہ ان کے اس علمی احسان کو میں کبھی فراموش
نہ کروں گا۔ میرے مکرم دوست طیب علی عبدالرسول شاکر صاحب (جبل پور) بیحد شکریہ
کے مستحق ہیں کہ جن کے مسلسل یاد دہانیوں سے یہ کتاب صاف ہوکر پریس میں جانے
کے لائق ہوئی اور ان کی علمی امداد نے عمارت کی تکمیل میں آخری پتھر کا کام دیا۔

اس کتاب میں جو کچھ تحریر کیا گیا ہے وہ بوہروں کی مستند کتابوں سے اخذ
کئے گئے ہیں اور ان کے حوالے بھی دیدیئے گئے ہیں، جیسا کہ ناظرین کو پڑھتے وقت
خود اندازہ ہوگا۔

حصہ دوم میں جو باتیں لکھی گئی ہیں، حتی الامکان صحت کے ساتھ کتابوں سے
نقل کی ہے۔ پھر بھی میرا دعویٰ نہیں ہے، کہ یہ کتاب غلطیوں سے پاک اور مبرا ہوگی۔
اہل نظر احباب سے توقع ہے، کہ اپنے مشوروں سے مستفید ہونے کا موقع دیں گے۔

اردو زبان میں یہ پہلی کتاب ہے جو داؤدی بوہروں کے حالات میں مکمل طور پر تحریر
کی گئی ہے۔ اس سے قبل رام پور (یو پی) اور اجین سے جو رسالے اس بحث پر شائع
ہوئے ہیں۔ وہ نامکمل اور مناظرانہ طریقے پر لکھے گئے ہیں، راقم الحروف نے محض علمی طور
پر تاریخی نظر سے اس کتاب کو شائع کیا ہے تاکہ ہر شخص صحیح طور پر مستند واقعات
سے آگاہ ہوکر اس سے مستفید ہو۔ وما توفیقی الا باللہ

سید ابوظفر ندوی،
شبلی منزل، اعظم گڑھ (یو-پی)
مارچ ۳۶ء

۱؎ پہلی جلد گجراتی زبان میں شائع ہوگئی۔ دوسری بھی مکمل ہوکر اس کا گجراتی ترجمہ ہو رہا ہے۔
اور تیسری جلد مرہٹوں تک تحریر کرچکا ہوں۔

۲؎ افسوس ہے کہ آپ کا انتقال ہوگیا۔ اور اپنی آنکھوں سے اس کتاب کو شائع ہوتے ہوئے
نہ دیکھ سکے جس کی ان کو بڑی آرزو تھی۔

مقدمہ

فرقہ اسماعیلیہ کی تاریخ لکھنے سے پہلے ضروری سمجھتا ہوں کہ تاریخ اسلام کے مختصر واقعات تحریر کروں جن کا تعلق اس تاریخ کے ساتھ بہت گہرا ہے۔

بانیٔ اسلام (علیہ الف تحیہ والسلام) کی وفات ۱۱ھ کے بعد مہاجرین اور انصار میں خلافت کے بابت جو مباحثہ ہوا، اس کا نتیجہ یہہ نکلا کہ حضرت ابوبکرؓ بن ابی قحافہ کو اکثر مسلمانوں نے خلیفہ تسلیم کرلیا۔ آپ کے عہد میں زیادہ تر بغاوتوں کو فرو کیا گیا۔ اور ملک میں امن و امان قائم کرنے پر وقت صرف ہوا۔ آپ کا انتقال ۱۳ھ میں ہوا۔

اسی سال حضرت عمر ابن الخطابؓ خلیفہ بنائے گئے۔ آپ کا عہد فتوحات کے لئے بڑا مبارک ثابت ہوا۔ تمام جزیرۃ العرب کے علاوہ ایران اور مصر اسلام کے زیر سایہ آگئے ۲۳ھ میں آپکی شہادت ہوئی۔ اور آپ کے بعد حضرت عثمان بن عفانؓ خلیفہ مقرر ہوئے آپ کے عہد میں فتوحات کی تکمیل ہوئی یعنی ایران کو ترکستان کی سرحد، اور دوسری طرف آرمینیہ تک فتح کرلیا گیا۔ آپ کے آخری عہد میں آپ کے خاندان والے (بنو امیہ) ملک کے ایک بڑے حصہ پر بحیثیت اعلیٰ عہدہ دار کے قابض ہوگئے تھے۔ اور اسی سے فساد کی بنیاد پڑی۔ ان لوگوں نے رعایا پر مظالم شروع کردیئے، آخر ناراض ہوکر مصر اور

عراق کے لوگ مدینہ پر چڑھ آئے، اور آپ کو شہید کرڈالا۔ یہہ واقعہ ۳۵ھ کا ہے۔

آپ کے بعد حضرت علیؓ بن ابی طالب کو خلیفہ تسلیم کیا گیا۔ اور اسی دن سے مسلمانوں میں اختلاف اور انتشار شروع ہوا۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت زبیرؓ نے سب سے پہلے اختلاف کیا۔ اور اسی سلسلہ میں جنگ جمل واقع ہوئی۔ پھر حضرت معاویہ سے جنگ صفین کی نوبت آئی۔ ۴۰ھ میں ابن ملجم کے ہاتھوں آپ کی شہادت واقع ہوئی۔ اور حضرت امام حسنؓ آپ کے بڑے فرزند خلیفہ ہوئے، چھ ماہ کے بعد آپ نے تفریق اور انتشار محو کرکے تمام امت اسلامیہ کو ایک مرکز پر جمع کرنے کے خیال سے خلافت سے دست بردار ہوگئے۔ اور حضرت معاویہ کو خلافت سپرد کردی۔ اس وقت سے ہادیان قوم کے دو سلسلے شروع ہوئے۔ ایک سیاسی دوسرا دینی۔ پہلے کو خلافت اور دوسرے کو امامت کہتے ہیں۔

خلافت کا سلسلہ حضرت معاویہ سے لے کر خاندان بنی اُمیہ میں ۱۳۲ھ تک رہا۔ اور اس کے بعد خاندان بنی عباس سے ۶۵۶ھ تک بغداد میں خلیفہ ہوتے رہے۔ فتنہ تاتار کے بعد چند خلفائے عباسی مصر میں بھی ہوئے۔ ۹۲۳ھ میں سلطان سلیم نے عباسیوں کو خلافت سے معزول کرکے خلیفہ کا لقب خود اختیار کرلیا۔ اور اس وقت سے لے کر سلطان عبدالمجید (۱۹۲۲ء) تک خلافت ترکوں میں رہی۔ اس جنگ عظیم کے بعد ۱۹۲۴ء میں سپہ سالار مصطفےٰ کمال پاشا نے خلافت کا سلسلہ ہی ختم کرڈالا، اور جمہوری حکومت کی بنا رکھ کر خود صدر بن گیا۔ اور آج سنہ ۱۳۵۰ھ میں مسلمانوں کا کوئی خلیفہ مرکزی طور پر دنیا میں موجود نہیں ہے۔

"امامت"

امامت کا سلسلہ اس طرح شروع ہوا کہ جب امام حسنؓ نے ۴۹ھ میں وفات پائی تو حضرت حسینؓ امام ہوئے، آپ عرصہ تک مدینہ منورہ میں مقیم رہے، اور آخر ۶۰ھ میں مدینہ سے کوفہ روانہ ہوئے، اور میدانِ کربلا میں ۱۰ محرم ۶۱ھ میں شہید ہوگئے۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے علی بن حسین الملقب بہ زین العابدین امامت پہ فائز ہوئے۔

آپ پانچویں شعبان یوم یکشنبہ ۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ کا نام شہربانو تھا۔ جو یزدگرد شاہِ ایران کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کی زندگی بڑی پاک گزری۔ سیاسی معاملات سے ہمیشہ بے تعلق رہے۔ واقعہ حرہ کے وقت مدینہ میں اس کا صاف طور سے اظہار بھی کردیا تھا۔ آپ کا بڑا وقت عبادت میں صرف ہوتا ـــ صائم الیوم و قائم اللیل تھے، یوں تو ہزاروں واقعات آپ کی زندگی کے قابل ذکر ہیں، لیکن بطور نمونہ کچھ تحریر کرتا ہوں۔

ایک دفعہ حج کے دنوں میں خلیفہ ہشام بن عبدالملک اموی بھی موجود تھا۔ طواف کے بعد حجرِ اسود کے پاس بار بار جانے کی کوشش کی۔ مگر ہجوم خلائق کے سبب ناکام رہا۔ آخر ایک ممبر پہ بیٹھ کر ہجوم کا تماشا دیکھنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ ایک شخص طواف کے بعد حجر اسود کے پاس آتا ہے اور لوگ اس کو دیکھ کر راستہ دیدیتے ہیں۔ ایسا ہی چند بار ہوا، تو ایک شامی نے سوال کیا کہ یہہ کون آدمی ہے کہ وہ جب آتا ہے تو اس کے لئے لوگ راستہ صاف کردیتے ہیں۔ اور تم جب جانے لگے تو کسی نے راستہ نہ دیا۔ ہشام نے جواب دیا

کہ میں نہیں جانتا۔ مشہور شاعر فرزدق وہاں موجود تھا۔ اس نے جب یہہ گفتگو سنی، تو فوراً اس نے ایک قصیدہ پڑھا، کہ جس کے ابتدا میں اس نے بتایا ہے کہ یہہ وہ شخص ہے کہ جس کو مکّہ اور غیر مکّہ سب جگہ کے لوگ جانتے ہیں۔ پھر آپکی مدح میں ایک قصیدہ لکھا، جس میں آپ کی مدح اس قدر مؤثر طریقے سے بیان کی ہے کہ ناممکن ہے کہ عربی زبان کا صحیح ذوق رکھنے والا انسان اس کو پڑھے اور اس کے دل و دماغ میں ایک قسم کا سرور نہ پیدا ہو۔

ہشام یہہ مدح سُن کر بہت خفا ہوا۔ فرزدق کو قید خانہ بھیجدیا۔ امام زین العابدین کو جب یہہ حال معلوم ہوا، تو کئی ہزار درہم بھیجدیئے، اور کہا کہ اس سے زیادہ میرے پاس ہوتے تو وہ سب تجھ کو بخش دیتا۔

فرزدق نے یہہ رقم واپس کردی، اور جواب میں کہا کہ میں نے کسی دنیاوی غرض سے ہرگز مدح نہیں کی۔ بلکہ فقط محبتِ آلِ رسول کی وجہ سے اپنی دلی ارادت و عقیدت کا اظہار کیا۔ امام زین العابدین نے فرمایا، کہ جو کچھ تم نے کہا وہ درست، لیکن ہم اہل بیت کا قاعدہ ہے کہ جو چیز ایک دفعہ کسی کو بخش دیتے ہیں تو پھر واپس نہیں لیتے، مجبوراً فرزدق نے قبول کیا۔[1]

آپ کو انگور بہت پسند تھے، ایک دفعہ لونڈی بازار گئی، تو اچھے قسم کے انگور لیتی آئی۔ افطار کے وقت جب سامنے رکھا گیا تو آپ انگور دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ جب انگور سے افطار کرنے کا ارادہ کیا تو باہر سے کسی سائل کی آواز آئی۔ آپ نے لونڈی سے اشارہ کیا کہ سائل کو دیدو، لونڈی نے عرض کیا کہ اس کو تھوڑا بس ہوگا، مگر آپ نہ مانے اور سب دیدیا۔ دوسرے دن بھی ایسا ہی اتفاق ہوا۔ اور پھر تیسرے دن جب کسی سائل کی آواز

[1] ابن خلدون

نہ آئی تو آپ نے نوش فرمایا۔

آپ کے صاحبزادے حضرت محمد باقر راوی ہیں کہ گھر میں رات کو جو کچھ کھانا بچا ہوتا اس کو ایک زنبیل میں ڈال کر جب دنیا میٹھی نیند سوتی ہوتی، تو مدینہ کی گلیوں میں آپ محتاجوں کی تلاش میں معروف ہوتے، اور پھر سب تقسیم کرنے کے بعد گھر واپس آکر صبح تک عبادت میں مشغول رہتے، روزانہ بھاری زنبیل اٹھاتے اٹھاتے آپ کے کندھے پر نشان پڑ گیا تھا[1] جس کا علم لوگوں کو موت کے بعد غسل جنازہ کے وقت ہوا۔ آپکی شادی امام حسنؑ کی لڑکی فاطمہ سے ہوئی تھی، جس سے عبداللہ اور محمد باقر پیدا ہوئے، زید، عمر، حسین اصغر اور علی اصغر ام ولد سے تھے، آپ کا انتقال ۹۴ھ بمقام مدینہ ہوا۔ محمد باقر نے آپ کو غسل دیا، اور بقیع میں مدفون ہوئے، آپ کی عمر شریف اٹھاون (۵۸) سال کی تھی۔

ابو جعفر حضرت امام محمد باقرؑ

آپ کی ولادت ۵۷ھ میں ہوئی، مشہور ہے کہ آپکی عمر واقعہ کربلا کے وقت چار پانچ برس کی تھی۔ آپ نے اپنے والد ماجد سے تحصیل علم کیا۔ آپ علم کے دریا تھے باوجود کمسنی کے بڑے بڑے علماء آپ سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ آپ کے گرد ہمیشہ طالبان حق کا مجمع رہتا تھا۔ آپ کے متعدد بھائی تھے۔ مگر سیدنا زین العابدین نے وفات کے وقت امامت کا بار گراں آپ کے کاندھوں پر رکھا، یعنی منصوص آپ ہی کو بنایا۔ آپ ہی کے عہد میں حضرت زید نے خلافت کا دعویٰ کیا۔ اور جب آپ کو اس کی خبر ہوئی۔

[1] ریاض الجنان ص ۲۹۱ بمبئی

تو بہت سمجھایا مگر نہ مانے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہشام بن عبدالملک نے ان کو گرفتار کرکے سولی دیدی۔ آپ ہی کے عہد سے اصحاب شیعہ میں تفریق شروع ہوئی، اور مختلف فرقوں میں منقسم ہو گئے۔ چنانچہ تاریخوں میں پانچ فرقوں کے نام مشہور ہیں۔

(۱) کیسانیہ (۲) مغیریہ (۳) زیدیہ (۴) عباسیہ (۵) تناسخیہ

سیدنا امام باقرؑ کا انتقال ۱۲۴ھ میں بمقام مدینہ منورہ خلیفہ ہشام بن.. عبدالملک کے عہد میں ہوا۔ اور اپنے والد سیدنا امام زین العابدینؑ کے پاس مدفون ہوئے۔ آپکی عمر ۶۷ سال کی ہوئی۔ آپ کی اولاد میں سے جعفر، علی، عبداللہ، ابراہیم صاحبزادے اور ام سلمہ صاحبزادی تھیں، جعفر اور عبداللہ، ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر کے بطن سے پیدا ہوئے، اور ابراہیم، ام الحکم بنت اسد ثقفی سے۔ علی اور سلمہ ام ولد لیلیٰ سے انتقال کے وقت امامت کے لئے نص اپنے صاحبزادے امام جعفر صادق کے لئے فرما گئے۔[1]

حضرت امام جعفر صادقؑ

آپ کی ولادت دوشنبہ کے دن ۱۷ ربیع الاول ۸۳ھ میں ہوئی۔ آپ کا نام جعفر اور لقب الصادق تھا کیونکہ آپ ہمیشہ سچ بولا کرتے تھے، بہت بڑے عالم اور فاضل تھے، بہت ذہین اور ذکی تھے، صغر سنی ہی سے آپ کو علم کا بے حد ذوق تھا۔ اور اسی ذوق کا نتیجہ ہے، کہ آپ اکثر علوم میں ماہر تھے۔ خصوصاً علم جفر کے متعلق مشہور ہے کہ مسلمانوں میں اس کی ابتدا آپ ہی سے ہوئی۔ بڑے بڑے شاگرد آپ کے عہد میں پیدا ہو کر مشہور عالم ہوئے۔

[1] ریاض الجنان بمبئی

آپ ہی کے عہد میں یحیٰی بن زید بن علی مدعی خلافت ہوئے، آپ نے منع فرمایا، لیکن نہ مانے اور انجام یہہ ہوا کہ شہید کر دیے گئے۔ اور پھر عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر طیار نے خروج کیا لیکن وہ بھی ناکام رہے۔

آپ کا عہد سیاسی اعتبار سے بڑا پُر آشوب تھا۔ متعدد خلفائے بنی امیہ تخت پر بیٹھے اور چل بسے، یہاں تک کہ عباسیوں نے بنو امیہ کا تخت الٹ دیا۔ اور خود ملک قابض ہو کر خلیفہ بن بیٹھے۔

سیدنا امام جعفرؑ یہہ سب تماشا دیکھتے رہے، اور بڑی گہری دانشمندی سے کسی سیاسی معاملہ میں حصہ نہ لیا۔ فقط علوم وفنون کی اشاعت اور عبادت الٰہی میں مشغول رہے۔

اسماعیل، عبداللہ، موسیٰ کاظم، محمد دیباج، اسحاق، علی عریضی، آپ کی اولادیں سے ہیں۔

آپکی پہلی زوجہ فاطمہ بنت حسن مثنیٰ تھیں، اور انھیں سے اسماعیل اور عبداللہ ہوئے۔

آپ کی وفات ۱۴۸ھ میں ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر ۶۵ سال کی تھی۔ اور خلفائے عباسیہ میں سے منصور آپ کا ہم عصر تھا۔ مدینہ منورہ کے بقیع میں اپنے خاندان کے لوگوں کے ساتھ دفن کئے گئے۔

آپکی وفات پر قوم میں پھر بڑا اختلاف پیدا ہوگیا۔ اور مختلف فرقوں میں منقسم ہوگئے۔ جن میں سے دو قابلِ ذکر ہیں۔ اول کاظمی، اور دوم اسماعیلی۔

جن لوگوں نے حضرت موسیٰ کاظمؑ کو امام مانا، اور پھر حضرت علیؑ رضا، اور ان کے صاحبزادے حضرت محمد جواد تقیؑ اور ان کے بعد حضرت علی نقیؑ، اور ان کے جانشین حضرت حسن عسکریؑ اور پھر ان کے بعد حضرت امام محمد مہدیؑ کو امام مانا اُن کو اثنا عشریہ شیعہ کہتے ہیں۔ اور ہندوستان میں انھیں شیعوں کی کثیر تعداد پھیلی ہوئی ہے، اور لکھنؤ ان کا مرکز ہے۔

دوسرے وہ اصحاب ہیں، جنہوں نے حضرت موسیٰ کاظمؑ کو امام تسلیم نہیں کیا۔ بلکہ ان کے بڑے بھائی حضرت اسماعیلؑ بن حضرت جعفر صادقؑ کو امام مانا وہ اسماعیلی کہلاتے ہیں۔ یہی لوگ آگے چل کر بوہرہ کہلائے، اور انھیں کی تاریخ لکھنی مدِ نظر ہے۔

اسماعیلی

باب اوّل

(۷) حضرت امام محمدؑ

اس فرقہ کا اعتقاد یہہ ہے۔ کہ حضرت سیدنا جعفر صادقؑ نے اپنے بڑے لڑکے سیدنا اسماعیل کو منصوص بنایا۔ اور انھوں نے اپنی وفات کے وقت اپنے صاحبزادے سیدنا محمد کو امامت کے لئے منصوص کیا۔ اور چونکہ سیدنا اسماعیل اپنے والد سیدنا جعفر صادقؑ کی زندگی ہی میں وفات پا گئے، اس لئے سیدنا محمدؑ اپنے دادا سیدنا جعفر صادق کے ساتھ ان کے گھر میں تاحیات رہے۔ حضرت جعفر صادق کے بعد جب ہارون الرشید خلیفہ عباسی نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو خلیفہ کی مشہور ومعروف بیگم "زبیدہ خاتون" نے پوشیدہ طور پر ان کو مطلع کردیا۔ سیدنا محمد اپنے بھائی علی کے ساتھ خفیہ طور پر کوفہ میں مقیم ہوگئے۔ اور اسی جگہ آپ کے ایک لڑکا تولد ہوا، جس کا نام عبداللہ رکھا۔ پھر یہاں سے نقل مکان کر کے "رے[1]" چلے گئے۔ اور اسحاق بن عباس فارسی کے یہاں عرصہ تک مقیم رہے۔

---

[1] رے "عراق عجم کا قدیم دارالسلطنت تھا۔ حکیم ابوبکر رازی، اور مفسر امام عمر فخرالدین رازی اسی خاک پاک سے پیدا ہوئے"

یہاں تک کہ ہاروں الرشید کو اس کی اطلاع ہوگئی۔ اور اسحاق سے ان کو طلب کیا۔ اسحاق نے ان کو "نہاوند" کے قلعہ میں منصور بن حوشب کے پاس روانہ کر دیا[1]۔ عرصہ تک وہاں مقیم رہے، اور منصور کی لڑکی سے شادی کرلی۔ ہاروں الرشید کو اس کی بھی اطلاع ہوگئی۔ اور دو سو پچاس ترک غلاموں کو بہ سرداری محمد بن علی خراسانی گرفتاری کے لئے روانہ کر دیا۔ مگر یہ لوگ کامیاب نہ ہوسکے۔ پھر سیدنا محمد اپنے اہل و عیال کے ساتھ سابور (شاہ پور) ہوتے ہوئے، فرغانہ چلے گئے[2]۔ اور اسی جگہ مقیم ہوگئے۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ کا انتقال ہوگیا، اور اسی جگہ مدفون ہوئے۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے سیدنا عبداللہ منصوص ہوئے۔

(۸) سیدنا امام عبداللہ

سیدنا عبداللہ نے جب دیکھا کہ دشمن تلاش میں ہے تو فرغانہ سے رام ہرمز، اور پھر وہاں سے دیلم تشریف لے گئے[3]۔ اور یہاں ایک علویہ سے شادی کرلی، جس سے احمد پیدا ہوئے، فرغانہ سے روانگی کے وقت اپنا داعی اپنے بھائی حسین کو بنایا جنہوں نے مختلف مقام پر اپنے نائب بھیجے، جو اپنے کام میں کامیاب رہے، یہاں تک کہ ایک بڑی تعداد آپ کے معتقدین میں شامل ہوگئی۔ آپ نے بمقام "سلیمیہ"[4] انتقال فرمایا۔ اور وہیں مدفون ہوئے، آپ کے عہد میں مامون الرشید خلیفہ عباسی تھا۔

---

[1] "نہاوند" ایک مشہور مقام ہے، جو قلعہ بنی ہمدان اور کوہ الوند کے جنوب میں ہے، عرب اور ایرانیوں کا دوسرا زبردست معرکہ قادسیہ کے بعد اسی جگہ ہوا۔ [2] فرغانہ، ترکستان کا مشہور شہر خوقند کے قریب ہے [3] دیلم ایران کا شمالی حصہ بحیرہ کاسپین کے قریب کا نام ہے، اس صوبہ کا مشہور شہر گیلان ہے حضرت عبدالقادر جیلانی جو پیران پیر کے نام سے مشہور ہیں، اسی شہر کے باشندے تھے۔ [4] ملک شام میں شہر حمص کے پاس ایک مقام کا نام ہے۔

(۹) سیدنا امام احمد

اپنے والد کے انتقال کے بعد آپ منصوص ہوئے، آپ چونکہ اپنے وقت کے بہترین فاضل تھے، اس لئے قدرتی طور پر اشاعتِ علوم کی طرف زیادہ مائل تھے۔ فرقۂ اسماعیلیہ میں مشہور ہے کہ "رسائل اخوان الصفا" آپ ہی نے تحریر فرمائے ہیں، جس کے آخری رسالہ کا نام "الجامعہ" ہے، جس میں (۵۲) باون رسالوں کا خلاصہ درج ہے اور یہہ کل (۵۱) رسائل اگرچہ طبع ہوچکے ہیں۔ مگر قلمی اس وقت جناب داعی مطلق سیدنا ابو محمد طاہر سیف الدین صاحب کے کتبخانہ سورت میں محفوظ ہے۔

سیدنا احمد اپنے دشمنوں کے خوف سے خود کو مخفی رکھنے کی بڑی کوشش کرتے تھے، تاجروں کے لباس میں کبھی دیلم، کبھی "سُرَّ مَن رائی" (سامرہ[1]) اور کبھی سلیمیہ میں اقامت فرماتے، یہاں تک کہ آپ نے اسی مقام پر وفات پائی۔ آپنے سلیمیہ میں ہی شادی کی تھی۔ جس سے حسین پیدا ہوئے[2]

(۱۰) سیدنا امام حسین

اپنے والد کے انتقال کے بعد جب آپ منصوص ہوئے، تو سب سے پہلا کام آپ نے یہہ کیا، کہ کوفہ تشریف لے گئے، اور اپنے جد بزرگوار حضرت امیرالمومنین علی بن ابی

---

[1] "سرمن رائی" بغداد کے پاس ایک چھاؤنی معتصم باللہ عباسی نے قائم کی تھی۔ جو آخر میں ایک شہر بن گیا۔ اور اس کو سامرہ کہنے لگے۔ [2] ریاض الجنان بمبئی

طالبؓ کے مقبرہ کی زیارت کی ۔ اس جگہ ابوالقاسم حسن بن فرح بن حوشب سے ملاقات
ہوئی جو اصحاب شیعہ میں سے تھا ۔ آپ سے مل کر آپ کا عقیدتمند ہوگیا ۔

پھر علی بن فضل ہمدانی سے بھی ملاقات ہوئی ، اور ان کی آپس میں بڑی محبت ہوگئی
سیدنا حسینؒ نے علی ہمدانی سے یمن کے متعلق متعدد سیاسی سوالات کئے ۔ اور تشفی بخش
جواب ملنے پر آپ نے علی ہمدانی اور ابوالقاسم بن فرح کو اپنا داعی بنا کر یمن روانہ کیا
جس نے یمن پہنچکر بہت اچھے طریقے سے دعوت کا کام انجام دیا ۔ اسی طرح سے اب…
کے بھائی ہیثم کو ۲۷۰ھ میں داعی بنا کر سندھ روانہ کیا ۔ چنانچہ ستر امام (امام طیب
تک سندھ میں دُعاۃ آتے رہے ۔ ان کے مقابر ٹھٹھہ میں موجود ہیں[1]

جب سیدنا حسین کو یمن کے داعی کی کامیابی کی خبر ملی تو آپ نے ابوالقاسم…
مدد کے لئے ابوعبداللہ احمد بن زکریا یمن روانہ فرمایا ۔ اس نے ایک سال قیام ک…
امر دعوت کو خوب مستحکم کیا ، پھر حاجیوں کے ساتھ مکہ آیا ۔ اور حالات معلوم کر کے مغ…
(افریقیہ) کی طرف روانہ ہوگیا ۔ اس عرصہ میں سیدنا حسین سلیمیہ میں عباسیوں…
ساتھ اپنے کو عباسی کہہ کر قیام پذیر تھے ۔ یہاں تک کہ جب وفات کا وقت آیا ۔ تو ا…
بھائی محمد حبیب (الملقب بہ سعید الخیر) کو وصیت کی ، کہ میرے بعد میرا لڑکا عبداللہ منص…
ہے ، جو ابھی خرد سال ہے ۔

سیدنا حسین کی وفات کے بعد محمد حبیب کی نیت بدلی ، اور چاہا کہ ا…
لڑکے کو منصوص بنائے ، مگر اس کی اولاد میں سے کوئی زندہ نہ رہا ۔ سیدنا حسین

---

[1] نزہتہ الافکار ، قلمی مولفہ سیدنا ادریس یمنی و موسم بہار جلد سوم ص۲۷ و ص۴۳

سامرہ میں انتقال فرمایا ۔ اور کچھ عرصہ کے بعد محمد حبیب نے سلیمیہ میں وفات پائی ۔
اور سیدنا عبداللہ جانشین امام ہوئے ۔

(۱۱) سیدنا امام عبداللہ المہدی

آپ کا نام عبداللہ ہے (اور اکثر مورخین عبیداللہ لکھتے ہیں ۔ اور اسی مناسبت
سے اس سلطنت کو عُبیدین کی سلطنت کہتے ہیں) آپ کی ولادت بمقام سلیمیہ (شام)
۲۶۰ھ میں ہوئی ۔ اپنے والد کی وفات کے وقت خرد سال تھے ۔ اپنے عم بزرگوار کے
زیر نظر تعلیم پائی ۔ جب محمد حبیب کے انتقال کا وقت آیا ۔ تو آپ کو بلا کر سب حقیقت سے
آگاہ کردیا ۔ اور جہاں جہاں داعی تھے ، سب کے حالات بتائے ۔ چنانچہ اپنے چچا کی
وفات کے بعد تمام داعیوں کو اس کی اطلاع دیدی ۔ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے
سلطنت کی بنیاد رکھی ۔ آپ کی سلطنت کے بانی اصل میں دو شخص ہیں ۔ اول ابوعبداللہ
حسین بن احمد بن محمد بن زکریا ۔ دوم ابوالقاسم حسین بن فرح بن حوشب کوفی ۔
ابوالقاسم نے یمن میں امور دعوت انجام دیئے ۔ اور ابوعبداللہ نے افریقہ میں ۔

ابوعبداللہ ذکریا ۲۸۸ھ میں کتامہ (افریقہ) پہنچا ۔ اور دعوت کے کام میں
مشغول ہوگیا ۔ کچھ ہی عرصہ میں تقریباً تمام اہل کتامہ آپ کے مقلد ہوگئے ۔ اور دو تین
معرکوں کے بعد وہ بلاد افریقہ کے ایک بڑے حصہ پر قابض ہوگیا ۔ جب اس قدر کامیابی
ہوگئی تو اس نے سیدنا امام عبداللہ کو اہل کتامہ کے چند معتبر آدمیوں کے ذریعہ اس کی
اطلاع دی ، اور جلد از جلد پہنچنے کا مشورہ دیا ۔ بدقسمتی سے یہ خبر مکتفی باللہ عباسی کو ہوگئی
اور اس نے ان کی گرفتاری کا حکم جاری کردیا ، سیدنا عبداللہ سلیمیہ سے عراق آئے ،

اور اپنے لڑکے ابوالقاسم محمد کو ساتھ لے کر مصر روانہ ہوگئے۔ جب اسکندریہ پہنچے، تو
خلیفہ کی طرف سے گرفتاری کا حکم آچکا تھا۔ اس لئے سیدنا عبداللہ گرفتار کرلئے گئے
لیکن عدم ثبوت کی بنا پہ ان کو رہا کردیا گیا۔ سیدنا عبداللہ اسکندریہ سے روانہ ہو
طرابلس پہنچے، اور ابوالعباس نامی ایک شخص کو اطلاع دینے کے لئے روانہ کیا، مگر وہ
گرفتار ہوگیا۔ ان کو بھی گرفتار کرنا چاہا، مگر یہ سلجماسہ چلے گئے، یہاں کے گورنر الیع بن
مدرار سے تاجروں کے بھیس میں ملے۔ لیکن جب خلیفہ کا حکم اس کو ملا، تو اس نے
ان کو گرفتار کر کے قید خانہ بھیجدیا۔ ابو عبداللہ ذکریا نے جب یہ سنا تو وہ بہت گھبرا
لیکن کبھی صلح اور کبھی جنگ، غرض جس طرح سے بھی ہوسکا، فتوحات حاصل کرتا
سلجماسہ میں داخل ہوا، اور امام عبداللہ کو قید خانہ سے نجات دلائی۔

امام عبداللہ چالیس دن مقیم رہ کر ۲۹۳ھ میں اور آگے (افریقیہ میں) روانہ ہوگئے
پھر رقادہ میں قیام کر کے جمعہ کی نماز ادا کی۔ اور پہلا خطبہ اپنے نام کا پڑھایا۔ المہدی
باللہ امیرالمومنین کا لقب اپنے نام کے ساتھ اضافہ کیا۔[1]

اس کے بعد انتظام سلطنت میں مشغول ہوگئے۔ اور ہر کام کو اس خوبی سے
انجام دیا کہ گویا آپ برسوں سے حکومت کر رہے تھے، اور تمام امور کے اختیارات کو خود ا
قبضہ میں رکھا۔ ابو عبداللہ ذکریا کے بھائی ابوالعباس کو یہ بات ناگوار گزری، وہ چا
تھا کہ امام المہدی باللہ کو شاہ شطرنج بناکر رکھے، اور خود حکومت کرے، مگر امام موص
بہت معاملہ فہم تھے۔ وہ اس کی تہ کو پا گئے، چنانچہ جب متعدد بار فہمائش سے کام نہ

[1] المہدی کا لقب اسی قسم کا ہے، جیسا کہ عباسیوں نے منصور، مہدی، ہادی، معتصم کا لقب اختیار

تو ابو عبداللہ ذکریا اور اس کے بھائی ابوالعباس کو قتل کرادیا۔ اور جب حکومت مستحکم ہوگئی
تو اپنے صاحبزادے ابوالقاسم محمد کو ولی عہد بنایا۔
۳۰۳ھ میں ایک نیا شہر "مہدیہ" کے نام سے آباد کر کے پایۂ تخت قرار دیا۔[1]
جو بہت جلد ایک بڑا شہر ہوگیا۔ امام عبداللہ المہدی نے ۳۲۲ھ میں انتقال کیا۔ آپ
کا پہلا سکہ اس طرح کا تھا۔

بلغہ اللہ — تفرق اعداء اللہ
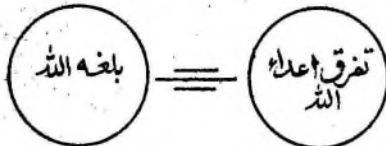
(۱۲) القائم بامراللہ ۳۲۲ھ

کنیت ابوالقاسم، محمد نزار آپ کا نام ہے، اور القائم بامراللہ آپ کا لقب ہوا۔
آپ بمقام سلمیہ (حمص شام) ۲۸۰ھ میں پیدا ہوئے، اور اپنے والد کے ساتھ افریقہ
پہنچے۔ تمام مصائب میں ایک دوسرے کے شریک رہے۔ اپنے والد ماجد کے انتقال کے
بعد سلطنت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی۔ آپ کے عہد کا سب سے بڑا واقعہ یہ ہے، کہ ۳۳۲ھ
میں مخلد ابو یزید بن کنداد النکاری خارجی نے آپ پر خروج کیا۔ اور سرکاری فوجوں کو متواتر
شکست دیتا ہوا، مہدیہ تک آپہنچا۔ لیکن امام القائم نے اس کو اس جگہ ایسی سخت شکست

[1] قدیم قرطاجنہ کے قریب اسکی کھنڈر پر آباد ہوا۔ جیسے بغداد بابل کے کھنڈر پر بسایا گیا۔ اور اب مہدیہ کے قریب

دی کہ پھر وہ افریقہ میں قیام نہ کرسکا ۔ اور واپس ہوگیا ۔ ۳۳۴ھ میں امام القائم نے وفات پائی ۔ ۵۴ سال چھ ماہ کی عمر تھی، بارہ برس چھ ماہ آپ نے حکومت کی۔ اسماعیل، جعفر، حمزہ، عدنان وغیرہ خلف ذکور تھے ۔

(۱۳) المنصور بنصر اللہ

آپ کا نام اسماعیل، اور کنیت ابو طاہر، اور لقب المنصور بنصر اللہ ۔ ۳۰۳ھ میں آپ کی ولادت ہوئی ۔ اور اپنے بزرگوں میں رہ کر تربیت و تعلیم حاصل کی ۔ اپنے والد القائم کے بعد آپ منصوص ہوئے، تخت سلطنت پر رونق افروز ہونے کے بعد عرصہ تک اپنے والد کی وفات پوشیدہ رکھی ۔ کیونکہ ابو یزید خارجی ابھی تک جنگ میں مصروف تھا آپ کے عہد کا زرین کارنامہ یہہ ہے کہ ابو یزید خارجی کو ہر طرح سے ہزیمت دے کر گرفتار کرلیا ۔ جو سیلانِ خون کے سبب جلد مرگیا ۔ اس فتح کے بعد آپ نے تمام ملک کو باغیوں سے پاک کیا، گویا حکومت اسماعیلیہ کے آپ دوسرے بانی ہیں ۔

آپ کی ہمت، جرأت، اور شجاعت نے وہ کام کیا کہ لوگ انگشت بدنداں رہ گئے ۔ نہایت مدبر، عالم، فاضل، اور عاقل تھے، آپ کے خطبے ارتجالاً بڑے فصیح بلیغ ہوتے تھے ۔ آپکی عمر ۳۸ برس پانچ ماہ کی ہوئی ۔ ۳۴۱ھ میں شدت سرما کے سبب انتقال فرماگئے ۔ آپ نے سات یا آٹھ سال حکومت کی ۔

(۱۴) امام لمعز الدین اللہ ۳۴۱ھ

معد نام، ابو تمیم کنیت، المعز لدین اللہ لقب، نصف رمضان ۳۱۷ھ

بمقام مہدیہ پیدا ہوئے، آپ کی عمر ۲۴ سال کی تھی کہ آپ منصوص قرار پائے، جب آپ تخت سلطنت پر رونق افروز ہوئے، تو اپنا وزیر اور سپہ سالار اپنے غلاموں سے "جوہر" نامی ایک غلام کو بنایا جس کی کنیت ابو الحسین تھی ۔ اور جزیرہ سسلی کا باشندہ تھا ۔ یہہ بیدار بخت امام جب تخت پر بیٹھا، تو ہر طرف امن و امان اور خوشحالی پھیلی ہوئی تھی، اس کے لائق سپہ سالار جوہر نے فتوحات کا سلسلہ شروع کیا، پہلے تمام افریقہ پر قابض ہوا ۔ پھر مصر کی طرف بڑھا، اسکندریہ پر قبضہ کر کے، پایہ تخت پہنچ گیا، وہاں سے کچھ دور اور ذرا فاصلہ پر ایک جدید شہر کی بنیاد رکھی جس کا نام "قاہرہ" رکھا، پھر اس شہر میں ایک بڑی عالیشان مسجد بنائی جو ازہر کے نام سے آج تک مشہور ہے ۔ امام المعز نے اب مناسب سمجھا کہ افریقہ سے پایہ تخت منتقل کر کے قاہرہ کو بنائیں ۔ چنانچہ آپ اسی جگہ سکونت پذیر ہوگئے ۔ قاہرہ میں آپ کے مستقل قیام کا ایک بڑا فائدہ یہہ ہوا کہ آپ کی حکومت حجاز اور شام تک پھیل گئی ۔ آپ نے اب وزارت ابو الفرح (یعقوب) بن یوسف بن کلس کو عنائت کی جو بڑا مدبر تھا ۔ اور ابو الحسین جوہر صرف سپہ سالار رہا ۔ آپ کے عہد میں، ابو حنیفۃ النعمان بن محمد بن منصور بن حیوان قیروانی قاضی القضاۃ تھے ۔ ان کا شمار علامہ وقت میں سے تھا ۔ ۱۴ ربیع الآخر ۳۶۵ھ بمقام قاہرہ امام المعز لدین اللہ نے انتقال فرمایا ۔ آپکی عمر ۴۸ سال کی تھی، ۲۴ برس حکومت کی یہ سلطنت فاطمیہ کا اسی عہد سے عروج شروع ہوا ۔

(۱۵) امام العزیز باللہ ۳۶۵ھ

نزار نام، ابو المنصور کنیت، العزیز باللہ لقب، ۳۴۴ھ میں آپ کی ولادت ہوئی اپنے والد کے انتقال پر ۳۶۵ھ میں تخت امامت پر رونق افروز ہوئے ۔ آپ کا پہلا خطبہ

جو عید کے دن ہوا، اس قدر فصیح و بلیغ اور مؤثر تھا کہ لوگ رو پڑے۔ آپ شاعر بھی تھے۔ اپنے لڑکے کی وفات پر بڑا پُر درد مرثیہ لکھا ہے۔

آپ کا عہد امن کے لئے مشہور ہے۔ فتوحات کی تکمیل بھی آپ کے عہد زرین کا واقعہ ہے۔ حمص، حماۃ، حلب غرض شام کے ملک تک آپکی سلطنت وسیع ہوگئی۔ موصل، مدائین، انبار، کوفہ، یمن زیرِ اثر تھے اور وہاں آپ کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ خلفائے بغداد کے وزرا آل بویہ شیعہ تھے، اس لئے وہ لوگ آپ سے خط و کتابت رکھتے اور اپنے عقیدت کا اظہار کرتے، یعقوب بن کلس اس عہد میں بھی وزیر رہا۔ اور قاضی علی بن نعمان قاضی القضاۃ، اور ان کے انتقال پر محمد بن نعمان ان کی جگہ مقرر ہوئے، آخر میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں بھی آپ کا خطبہ پڑھا گیا، مقام بلبیس میں آپ علیل ہوئے تو سرداروں کو بلاکر اپنے صاحبزادے "حاکم" کو اپنا جانشین بنایا۔ ۲۸ رمضان ۳۸۶ھ میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ آپ کی عمر ۴۲ سال کی تھی۔ ۲۱ سال آپ نے حکومت کی۔ سلطنت فاطمیہ کے انتہائی عروج کا زمانہ ہے۔

(۱۶) امام الحاکم بامر اللہ ۳۸۶ھ

آپ کی ولادت پنجشنبہ کی رات ۲۳ ربیع الاول ۳۷۵ھ میں بمقام قاہرہ ہوئی۔ امام العزیز باللہ کے انتقال کے بعد فوراً ہی "برجوان" غلام آپ کے سر پر تاج شاہی رکھ کر محل سے باہر لے آیا۔ جس سے لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ امامت آپ پر منتقل ہوگئی۔ اس وقت آپ کی عمر گیارہ سال کی تھی۔ مورخ زولاق کا بیان ہے، کہ صوف آپ کا لباس تھا آپ اکثر مسجد میں تشریف لیجایا کرتے تھے۔ شراب کی انسداد میں بڑا انہاک رکھتے تھے۔ مخفی ح

کرنے والوں کو کافی سزا دیتے تھے۔ قاہرہ میں جامع کبیر کی تکمیل آپ ہی کے عہد میں ہوئی، حمید الدین احمد بن عبداللہ کرمانی آپ ہی کے عہد میں تھے۔ جن کے توسط سے مختلف فنون خصوصاً علم توحید کی مختلف کتابیں تصنیف ہوئیں۔ کہا جاتا ہے کہ آپ ۲۹ کتابوں کے مصنف تھے۔

سنہ ۴۰۰ھ میں امام الحاکم نے بعض لوگوں کو علامات بتاکر مدینہ بھیجا۔ اور حضرت سیدنا امام جعفر صادقؑ کے مکان کو کھود کر کتابیں اور اسلحہ وغیرہ منگوایا۔ یہ آپ کے کرامات اور خرقِ عادت میں شمار کیا جاتا ہے۔

قاہرہ کے قریب جبل مقطم کی چوٹی پر ایک مخصوص مکان بنا رکھا تھا۔ اکثر تنہا وہاں جایا کرتے تھے۔ ۲۷ شوال ۴۱۱ھ میں بھی وہاں اپنی ایک خاص سواری پر تشریف لے گئے۔ مگر ایک ہفتہ تک جب واپسی نہوئی تو لوگ گھبرائے، لوگ ان کی تلاش میں اوپر گئے۔ لیکن ان کا کچھ پتہ نہ چلا۔ ان کا خچر مرا پڑا تھا۔ اور کپڑا ایک خندق میں رکھا تھا۔ اسی وقت سے "دروزیوں" کا فرقہ پیدا ہوا۔ جس کا اعتقاد ہے کہ امام حاکم نے وفات نہیں پائی۔ بلکہ مستور ہو گئے۔ آپ کی عمر ۳۶ سال چھ ماہ کی تھی۔ ۲۵ سال آپ نے امامت کی۔

(۱۷) الظاہر لاعزاز دین اللہ ۴۱۱ھ

علی نام، ابوالحسین کنیت، الظاہر لقب آپ کا تھا۔ ۱۴ رمضان ۳۹۵ھ بمقام قاہرہ آپ کی پیدائش ہوئی۔ آپکی عمر ۱۶ برس کی تھی جب آپ نے والد کے بعد ۴۱۱ھ میں امامت کا رتبہ حاصل کیا۔ آپ کے عہد میں قاسم بن عبدالعزیز بن نعمان قاضی القضاۃ تھے۔

ابوالحسن عمار بن محمدؐ وزیر ہوئے، اس عہد کا بڑا واقعہ یہ ہے، کہ فرغانی حسن اجدع نے بغاوت کی۔ اور حاکم کے معبود ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور ایک جماعت نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ داعی احمد کرمانی نے پہلے تو دلائل اور براہین سے اس کی تردید کی۔ اور اپنے عقائد سے اس کو توبہ کرنے کی ہدایت کی۔ مگر جب وہ نہ مانا تو چمکتی تلواروں کے برہان قاطع سے ان کی زبانوں کو ہمیشہ کے لئے خاموش کردیا۔ بڑی مخلوق ماری گئی۔ لیکن امن قائم ہوگیا، شعبان ۴۲۷ھ میں بمقام "عین شمس" (قریب قاہرہ) آپ کا انتقال ہوا۔ شیخ نجیب الدولہ جرجرائی نے جو آخر میں وزیر ہوگیا تھا، محمد بن قاسم بن عبدالعزیز کی مدد سے تجہیز و تکفین کے بعد تمام امراء و ارکانِ دولت سے آپ کے لڑکے کے لئے بیعت لی۔ ۱۶ برس آپ نے امامت کی اور قاہرہ میں مدفون ہوئے۔

اسی وقت سے سلطنتِ فاطمیہ کے چمن میں زوال کا بادِ خزاں شروع ہوا۔

(۱۸) الامام مستنصر باللہ ۴۲۷ھ ۴۸۷ھ ۱۰۳۶ء ۱۰۹۵ء

معد نام، ابوتمیم کنیت، المستنصر باللہ لقب، ۱۶ رجمادی الآخر ۴۲۰ھ میں پیدا ہوئے، ۴۲۷ھ میں جبکہ آپ کی عمر صرف سات برس کی تھی، لوگوں سے بیعت امامت لی۔ آپ بہت ہی ذکی اور فہیم تھے۔ آپ کے عہد میں دعوت کے کاموں میں بڑی ترقی ہوئی۔ مصر، شام، عراق کے علاوہ شیراز اور دیلم تک داعی اپنے کام میں مصروف تھے۔ شیراز کے مشہور داعی المؤید فی الدین ہبتہ اللہ بن موسیٰ کوفہ ہوتے ہوئے مصر پہنچے، اور امام کی خدمت میں سرفراز ہوئے۔

۴۳۲ھ میں سیدنا علی بن محمد الصلیحی نے یمن میں دعوت کا کام شروع کیا۔

ان کے قتل ہو جانے پر اُن کے صاجزادے سیدنا احمد المکرم داعی ہوئے، اور انکی مدد کے لئے لملک بن مالک الحمادی بھیجے گئے، جو داعی ہبتہ اللہ کے شاگرد تھے۔ ان دونوں نے سیف و قلم دونوں طریقوں سے دعوت شروع کردی۔

جب سیدنا داعی مکرم کا انتقال ہوگیا، تو ان کی زوجہ محترمہ "الحرۃ الملکۃ الروی" نے اس کام کو ۴۶۶ھ میں سید لملک بن مالک کی مدد سے انجام دینا شروع کیا۔ ۴۸۷ھ میں مصر کا مشہور وزیر امیر الجیوش بدر جمالی کا انتقال ہوگیا۔ اور ان کے بعد آپ کے صاجزادے شاہنشاہ ملک افضل وزیر ہوئے۔

امام مستنصر باللہ کی وفات ماہ ذوالحجہ جمعرات کے دن ۴۸۷ھ میں ہوئی۔ ۶۷ برس کی عمر تھی، ساٹھ سال آپ نے امامت کی۔ آپ بڑے صابر اور قانع تھے۔ آپ کے عہد میں بڑے بڑے انقلابات ہوئے، جس کو بڑے صبر و سکون سے برداشت کیا۔

(۱۹) امام مولانا المستعلی باللہ ۴۸۷ھ ۴۹۵ھ فرقہ نزاریہ

احمد نام، ابوالقاسم کنیت، المستعلی باللہ لقب، محرم ۴۶۷ھ میں پیدا ہوئے اپنے والد کے انتقال پر ۴۸۷ھ میں درجہ امامت پر فائز ہوئے، تمام ارکینِ سلطنت نے بیعت لی۔ آپ کے بھائی نزار، عبداللہ، اسماعیل نے آپ کی مخالفت کی۔ کچھ دنوں تک وزیر افضل کے ساتھ مکالمہ اور پھر خط و کتابت ہوتی رہی۔ اور آخر کار یہ سب اسکندریہ چلے گئے۔ اور مقابلہ کی تیاری شروع کردی۔ اسکندریہ کا گورنر بھی نزار سے متفق تھا۔

نزار نے المصطفیٰ لدین اللہ لقب اختیار کر کے لوگوں سے بیعت لینی شروع کردی. بہت آدمی آپ کے مقلد ہو گئے۔ جب معاملہ طول ہوگیا، تو امام وقت کے اشارہ سے

وزیرافضل نے ایک بڑے جرار لشکر کے ساتھ اسکندریہ پر حملہ کرکے فتح کرلیا۔ نزار اور اُن کے متبعین گرفتار ہوکر قتل ہوئے۔

فرقہ نزاریہ

اس وقت سے اسماعیلی دو فرقوں میں منقسم ہوگئے۔ ایک نے تو یہہ دعویٰ کیا کہ نزار زندہ ہیں فی الحال مستور ہوگئے ہیں۔ اور پھر واپس آکر دنیا کو عدل سے بھردیں گے۔

دوسرے فرقہ کا یہہ خیال ہے، کہ نزار تو وفات پاگئے، مگر ان کے صاحبزادے قائم مقام ہوئے، جو حسن بن صباح کے پاس ہیں۔ یہہ حسن ابن صباح وہی ہیں جو نزاریہ فرقے کے باپ اور مذہب باطنیہ کے بانی ہوئے جس کے فدائی دنیائے اسلام میں پھیل گئے تھے اور تقریباً ایک سو سال تک بڑے بڑے علماء، خلفاء وزراء اور بادشاہوں کو اپنے خونی خنجروں سے ملک عدم کو پہنچایا گئے۔ اور آخرکار ہلاکو خاں کی بے پناہ تلوار نے ساتویں صدی ہجری میں ان کا خاتمہ کردیا۔ اور دنیا کو اس ظلم سے نجات دلائی۔ اس کے بعد یہہ لوگ امن پسند ہوگئے۔ جناب شمس الدین سبزواری پہلے داعی ہیں جو ملتان میں وارد[1] ہوئے۔ اور دعوت کا سلسلہ شروع کیا۔ ہندوستان میں خوجوں کی جو جماعت آج ہے، وہ اسی سلسلہ کے مقلد ہیں۔ جن کے امام سر سلطان محمد شاہ آغا خاں ہیں۔

امام المستعلی باللہ کے مقلدین مستعلویہ کہلاتے ہیں۔ امام موصوف بمقام قاہرہ ماہ صفر ۴۹۵ھ میں وفات پاگئے۔ ۲۶ سال کی عمر تھی۔ چھ سال آپ نے امامت فرمائی۔ آپکے

[1] ملتان میں شمس تبریز کا جو مقبرہ مشہور ہے۔ وہ درحقیقت انہیں کا ہے۔ لوگوں میں غلط مشہور ہوگیا ہے کہ وہ شمس تبریز، مرشد مولانا جلال الدین رومی کا ہے۔

عہد میں متعدد علماء، قاضی القضاۃ تھے، جن میں سے فخر الحکام ابوالفضل محمد بن حاکم ملیجی ... مشہور تر ہیں۔ ابن خلکان لکھتا ہے، کہ آپ ہی کے عہد سے سلطنت میں ضعف آگیا۔

(۲۰) مولانا الامام الآمر باحکام اللہ ۴۹۵ھ

منصور نام، ابوعلی کنیت، الآمر باحکام اللہ لقب۔ ۴۹۰ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ کی عمر صرف پانچ سال کی تھی جبکہ امامت کی بیعت لوگوں نے آپ سے لی۔ (۴۹۵ھ) عہد جوانی تک وزیر افضل نے آپ کی طرف سے حکومت کا بار اٹھایا۔ اس کے قتل کے بعد مامون فاتک وزیر بنایا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ وزیر مامون امیر جعفر بن مستعلی کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کررہا ہے، اور ابوالحسن نجیب الدولہ کو یمن اس لئے روانہ کیا ہے کہ امام مختار محمد بن نزار کی دعوت کرے۔ امام آمر کو جب اس کی خبر ہوئی۔ اور تصدیق بھی ہوگئی، تو انہوں نے اس کے پانچوں بھائیوں کو مع تیس آدمیوں کے قتل کراڈالا۔ یہہ واقعہ ۵۲۲ھ کا ہے۔

آپ سے نزاریہ فرقے کے لوگ سخت عداوت رکھتے تھے۔ اور ہمیشہ موقع کے منتظر رہتے، ایک دن سیرگاہ سے واپس آتے ہوئے، دس فدائیوں نے حملہ کرکے سخت زخمی کرڈالا۔ لوگ قصر میں اٹھا کر لے گئے، جہاں آپ ۵۲۶ھ میں وفات پاگئے، آپکی عمر ۳۶ برس کی تھی۔ ۳۱ برس آپ نے امامت کی۔

آپ کے بعد سخت اختلاف پیدا ہوگیا ایک فرقہ کا بیان ہے کہ آپ لاولد تھے۔ دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ آپ کی ایک کنیز حاملہ تھی، آپ نے اسی پر نص امامت کیا تھا۔ مگر اس سے لڑکی پیدا ہوئی۔ تیسرا فرقہ کہتا ہے، کہ آپ کا ایک خرد سال لڑکا چند ماہ کا موجود تھا۔ آپ نے وفات کے وقت وصیت کی کہ میرے بعد میرا لڑکا "طیب" امام ہوگا۔ اور تا بلوغ عبدالمجید

بن محمد بن مستنصر ان کا اتالیق ہوگا۔ اور اسی لئے ان کا لقب الحافظ رکھا گیا۔ لیکن دو برس کے بعد حافظ کی نیت بدل گئی، اور خود امام بن جانا چاہا۔ جب یہہ خبر امام طیب کے محافظوں کو معلوم ہوئی، تو ابو تراب نے ایک ٹوکرہ میں رکھ کر اوپر سے کچھ چیزیں رکھدیں اور محل سے نکال کر مقام قرانہ پہنچا دیا۔ جہاں ان کی پرورش کی گئی، اور ان کے اخفاء میں کمال احتیاط برتا گیا۔ اور ماآخر میں انہوں نے ستر اختیار کرلیا۔ اور اس دن سے آج تک (۱۳۷۱ھ / ۱۹۵۲ء) ان کی نسل میں ہے۔ ان کے مقلدوں کا اعتقاد ہے، کہ ایک زمانہ آئے گا، کہ ان کی نسل سے ایک شخص ظاہر ہوگا، اور امورِ امامت ظاہراً انجام دے گا۔ اور جب تک مستور ہیں، ان کی جگہ داعی کام انجام[1] دیں گے۔ اس فرقہ کو "طیبہ" کہتے ہیں۔

ذیل میں اس خط کا ترجمہ دیتا ہوں جو مولانا آمر نے حرہ ملکہ کو یمن بھیجا تھا، اور جس میں اپنے صاحبزادے "طیّب" کی ولادت کی خوشخبری دی تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

" اللہ کے بندے اور اس کے ولی المنصور ابو علی الآمر باحکام اللہ امیرالمومنین کی طرف سے یہہ خط حُرہ ملکہ سیدہ رضیہ زکیہ، یکتائے زمانہ، شاہان یمن کی سردار، امام کی منصوص، مومنین کی پناہ، امیرالمومنین کی ولیہ کے پاس پہنچے، خدا کرے اس کا وقار، اسکی نعمت، اور اچھی توفیق ہمیشہ رہے۔ سلام علیک، امیرالمومنین اس خدا کی جس کے سوا کوئی نہیں ہے، حمد کرتا ہے، اور اس کے دادا محمد

---

[1] ریاض الجنان روضہ ۱۲ مطبوعہ بمبئی

خاتم النبیں، سید المرسلین پر رحمت نازل کرنے کی استدعا کرتا ہے، خدا رحمت نازل کرے، ان پر، اور ان کی پاک اولاد، ہدایت یاب ائمہ پر۔ اس کے بعد تم کو معلوم ہو کہ بلا شک اللہ کی نعمتیں، امیرالمومنین کے پاس بے شمار ہیں۔ جو کسی تنہا قوم کے پاس نہیں ہیں۔ اور نہ قیاس میں آسکتی ہیں۔ وہ ایسی ہی ہیں، جیسے برسنے والے بادل، ایک کے پیچھے دوسرے چلے آتے ہیں۔ اور ہمیشہ چمکنے والے سورج کی طرح، اور صبح و شام برسنے والی بارش کے مانند ہیں۔ اور ان سب سے زیادہ افضل اور اعظم قدر و منزلت اور شہرت کے لحاظ سے وہ بخشش ہے جو ابھی خدا نے پاک، نیک سیرت، پسندیدہ اطوار لڑکے کی صورت میں عنائت کی ہے، اور یہہ اتوار کی صبح ۴ ربیع الثانی ۵۲۴ھ کا واقعہ ہے، جس کے سبب سے ہر شخص کی آرزو برآئی۔ اور منبروں پر اس کے ذکر کی خوشبو پھیلی، اور سیاہ راتوں کی تاریکی اس کی نور سے زائل ہوئی۔ اور دولتِ فاطمیہ کے فخر کا ہار گوندھا گیا۔ وہ نبوت کے نور سے ایسا ہی ظاہر ہوا، جیسے ایک نور دوسرے نور سے ظاہر ہوتا ہے۔ امیرالمومنین اس کے سبب سے بہت خوش ہوئے، اور بوجہہ پاک ہونے کے اس کا نام "طیّب" رکھا، اور اس کے دادا نبی صلعم کی شباہت کے باعث اس کی کنیت ابوالقاسم کی۔ اور امیرالمومنین خدا کے اس احسان پر شکر کرتے ہیں۔

کہ اس کے فلک سلطنت پر ستارہ طلوع ہوا، اور اس کے جلالت کے آسمان پر شہابِ ثاقب نکلا۔ ایسا شکریہ کہ جس کے سبب اس کی نعمت ہمیشہ رہے، اور اس کو طویل عمر بنائے، اور خدا سے ملتجی ہیں، کہ اس کو اعلیٰ مقاصد تک پہنچائے، اور امامت کے بلند درجہ تک فائز کرے، اور طلب گاہ ہدایت کے لئے شمع، منکرین کے لئے دلیل، مضطرب لوگوں کے لئے مدد، اور خوفزدوں کے لئے پناہ کی جگہ ہوئے، تاکہ دنیا کے لئے خوشی، اور مسرت پیدا ہو، اور چونکہ امیرالمومنین کے نزدیک تمہارا بے نظیر مرتبہ ہے، اس لئے بڑی مسرت اور خوشخبری کو تم تک پہنچا دیتے ہیں۔ تاکہ تم کو بھی بے حد مسرت ہو۔ اور ہر نزدیک اور دُور والے کو بھی خوشی حاصل ہو۔ پس تم بھی معلوم کرلو، اور دوسروں کو بھی اس کی خبر کردو۔ انشاء اللہ تعالےٰ یہہ اسی تاریخ مذکور میں لکھا گیا، اور رحمت نازل ہو اللہ کے رسول سیدنا محمدؐ، اور اس کی پاک آل پر، ان کو سلامت اور شرف اور کرامت قیامت کے دن تک رکھے [1]"

اس کے علاوہ جدید تحقیقات سے جو انکشاف ہوا ہے، اس سے اس جماعت کی تائید ہوتی ہے۔ جو فرقہ امام ابوالقاسم محمد طیب کی ولادت اور امامت کا قائل ہے۔ اور عبدالمجید کو نائب اور محافظ (گارڈین) مانتا ہے، چنانچہ چند وہ سکے جو اس وقت قاہرہ کے عجائب خانہ میں موجود

---

[1] تاریخ یمن لعمارۃ الیمنی مطبوعہ گلبرٹ پریس لندن ۱۸۹۲ء

ہیں دلیل میں پیش کئے جا سکتے ہیں۔

امام ابوالقاسم کی ولادت ۴ ربیع الثانی ۵۲۴ھ میں ہوئی۔ جیسا کہ حُرہ ملکہ کے اُس مکتوب سے معلوم ہوتا ہے، جو امام آمر نے ان کو بھیجا تھا۔ ۵۲۴ھ کا سکہ قاہرہ کے عجائب خانہ میں موجود ہے۔ جو بالکل ۴۹۶ھ والے سکہ کے مشابہ ہے۔ اس کے بعد ۵۲۵ھ میں مولانا ابوالقاسم کے نام ایک سکہ بمقام اسکندریہ مسکوک کیا گیا (دیکھو سکہ قاسمیہ) اس سکہ میں صاف طور پر لکھا ہے، کہ "الامام محمد ابوالقاسم المنتظر بامرالله امیرالمومنین" اس سے صریح طور پر معلوم ہوا کہ مولانا آمر کا کوئی لڑکا ضرور تھا، جس کی تائید الحرۃ الملکہ کے خط سے ہوتی ہے، اور ان کا نام ابوالقاسم محمد تھا۔ اور امامت کا حقدار تھا، اسی لئے آپ کے نام کے ساتھ "المنتظر بامرالله" کا لفظ ہم دیکھتے ہیں۔ پھر ۵۲۶ھ میں مولانا آمر کے انتقال کے بعد ایک سکہ بنام عبدالمجید دستیاب ہوا ہے، اس سکہ میں "ابوالمیمون عبدالمجید ولی عہد المسلمین" کا لفظ موجود ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عبدالمجید ولی عہد اور نائب تھے، خود امام نہ تھے۔ لیکن دو برس کے بعد جو سکہ عبدالمجید کا ملا ہے، اس میں عبدالمجید کے نام کے ساتھ امام کا لفظ موجود ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دو برس قبل جو ولی عہدی کا خیال تھا، اب امامت کے ساتھ بدل گیا، قابل سوال امر یہہ ہے کہ جب مولانا آمر کا ۵۲۶ھ میں انتقال ہوا، تو ان کا منصوص کون تھا۔ اگر واقعی عبدالمجید منصوص تھے، تو ۵۲۶ھ ۵۲۶ھ کے سکہ میں بحیثیت منصوص ہونے کے امام کا لفظ اپنے سکہ میں کیوں داخل نہ کیا۔ اور اگر وہ منصوص نہ تھے تو پھر کون تھا؟ اور عبدالمجید کی پوزیشن کیا تھی؟ ان سوالوں کے جوابات آپ کو خاموش سکے دیں گے۔ خلاصہ یہہ ہے کہ مولانا آمر کے صاحبزادے تھے، (دیکھو خط بنام الحرۃ الملکہ) اور ان کا نام ابوالقاسم محمد طیب تھا، اور آپ منصوص تھے۔

(سکہ قاسمیہ عجائب خانہ قاہرہ) عبدالمجید ولی عہد اور نگراں کی حیثیت رکھتے تھے، اور منصوص امام نہ تھے۔ (سکہ مجیدیہ) ۵۲۶ھ میں عبدالمجید بغیر نص، بلکہ برخلاف نص خود امام بن گئے (سکہ حافظیہ) اور اسی لئے امام ابوالقاسم محمد طیب کو ستر میں جانا پڑا۔

نقشہ ائمہ مصر

نمبر	نام	ولادت	جلوس	وفات	مدت سلطنت	عمر
۱	ابو محمد عبیداللہ یا عبداللہ المہدی	مقام سلمیہ ۲۶۰ھ	ربیع الآخر ۲۹۶ھ	۱۵ ربیع الاول ۳۲۲ھ مقام مہدیہ	۲۴ سال گیارہ ماہ	۶۲ سال
۲	القائم بامراللہ	محرم ۲۸۰ھ سلمیہ	۱۵ ربیع الاول ۳۲۲ھ	۱۳ شوال ۳۳۴ھ مقام مہدیہ	۱۲ سال ۷ ماہ	۵۴ سال نو ماہ
۳	المنصور باللہ	قیروان ۳۰۲ھ	۱۳ شوال ۳۳۴ھ	آخر شوال ۳۴۱ھ	سات سال ۱۶ یوم	۳۹ سال
۴	المعز لدین اللہ	۱۱ رمضان ۳۱۹ھ مہدیہ	آخری شوال ۳۴۱ھ قاہرہ	۱۵ ربیع الاول ۳۶۵ھ قاہرہ	۲۳ سال ۶ ماہ	۴۵ سال ۷ ماہ
۵	العزیز باللہ	۱۴ محرم ۳۴۴ھ مہدیہ	۱۵ ربیع الآخر ۳۶۵ھ قاہرہ	۲۸ رمضان ۳۸۶ھ بلبیس	۲۱ سال ½۵ ماہ	۴۲ سال ½۸ ماہ
۶	الحاکم بامراللہ	۲۳ ربیع الاول ۳۷۵ھ قاہرہ	۲۸ رمضان ۳۸۶ھ	۴۱۱ھ قاہرہ	۲۵ سال ۲۹ یوم	۳۶ سال ۷ ماہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۹۵	آخری سطر	سیدنا دقت	سیدنا وقت	۳۰۰	اوّل	فرق	فرّق
۱۹۶	اول	کبھی	″	۳۰۰	۴	تم	لم
۲۴۲	۱۱	صرف ہوتے ہے	صرف ہوتے ہیں	۳۰۸	۹	(۱۳۳)	(۱۳۲)
۲۴۵	۹	تشریف ہوئے	تشریف لائے ہوئے	۳۴۵	۵	جدیبسر	جدنیبر
۲۴۹	۹	خالق حق	خالص حق	۳۴۶	آخری سطر حاشیہ	المفتون	المغنون
″	۱۰	بشاش	بشاشت	۳۴۸	آخری سطر	فاطرالعمال	ناظرالعمال

نمبر	نام	ولادت	جلوس	وفات	مدت سلطنت	عمر
۷	الظاہر لاعزاز دین اللہ	۱۰ رمضان ۳۹۵ھ قاہرہ	۴ ذوالقعد ۴۱۱ھ	۱۵ شعبان ۴۲۷ھ	۱۵ سال ۱۰ ماہ	۳۲ سال
۸	المستنصر باللہ	۱۷ جمادی الآخر ۴۲۰ھ	۱۵ شعبان ۴۲۷ھ	۱۸ ذوالحجہ ۴۸۷ھ قاہرہ	۶۰ سال چار ماہ	۶۷ سال
۹	المستعلی باللہ	۳۰ شعبان ۴۶۷ھ	۱۸ ذوالحجہ ۴۸۷ھ قاہرہ	۱۷ صفر ۴۹۵ھ	۷ سال دو ماہ	۲۸ سال
۱۰	الآمر باحکام اللہ	۱۳ محرم ۴۹۰ھ	۱۷ صفر ۴۹۵ھ	۳ ذوالقعد ۵۲۴ھ	۲۹ سال ۸ ماہ	۳۴ سال
۱۱	ابوالقاسم محمد طیب	۴ ربیع الثانی ۵۲۴ھ	مستور			

۳۴
نقوش سکہہائے خلفائے فاطمیہ
(۱)
سکہ عبداللہ المہدی
(الف)
بالهدی ودین الحق
عبدالله
لا اله الا الله
وحده لا شریک له
امیر المومنین
(ب)
الدینر با
الامام
محمد رسول
الله
المهدی بالله
۳۵
(۲)
سکہ القائم
(الف)
ودین الحق
محمد
ابوالقسم
لا اله الا الله
وحده لا شریک له
المهدی بالله
(ب)
هذا الدینر
الامام
القائم بالله
محمد
رسول الله
امیر المومنین

۳۶
(۳) سکہ المنصور
الف
ارسلہ بالهدی ودین
لا الہ الا اللہ
وحدہ لا شریک لہ
محمد رسول اللہ
ب
عبداللہ
اسماعیل الامام
المنصور باللہ
امیرالمومنین
(۴) سکہ المعز
الف
ارسلہ بالهدی
معز
لا الہ الا اللہ
وحدہ لا شریک لہ
امیرالمومنین
۳۷
(ب ا)
ضرب ہذا الدینار
دعا الامام المعز
المعز لدین اللہ امیرالمومنین
لتوحید الالہ الصمد
(۵) سکہ عزیز
الف
محمد رسول اللہ
لا الہ الا اللہ
محمد رسول اللہ
علی خیر صفوۃ اللہ
ب
بسم اللہ
عبداللہ
ووليہ نزار
الامام العزیز باللہ
امیرالمومنین
ضرب ہذا الدینار

٣٨
(٦)
سکہ حاکم
الف
محمد رسول اللہ
لا الہ الا اللہ
محمد رسول اللہ
علی ولی اللہ
ب
بسم اللہ
ابو علی الامام
الحاکم
بامر اللہ
امیر المومنین
(٧)
سکہ ظاہر
الف
محمد رسول اللہ
لا الہ الا اللہ
محمد رسول اللہ
علی ولی اللہ
٣٩
ب
الظاہر لاعزاز دین اللہ
امیر المومنین
الامام عبد اللہ
(٨)
سکہ مستنصر
الف
محمد رسول اللہ
الامام معد
ابو تمیم المستنصر
باللہ امیر المومنین
ب
بسم اللہ الرحمن الرحیم
لا الہ الا اللہ
وحدہ لا شریک لہ
محمد رسول اللہ علی
ولی اللہ

(۱۲) سکہ مجیدی

الف

ب

(۱۳) سکہ حافظیہ

الف

ب

باب دوم

امام مستور اور دعاۃ یمن

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، امام مستور کا نام طیب اور ابوالقاسم کنیت تھی۔ قاہرہ میں یکشنبہ کی رات ۴ ربیع الثانی ۵۲۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ابن مدین جو داعی بھی تھا، اس کے سپرد آپکی پرورش کی گئی۔ اور عبدالمجید کو آپ کا قائم مقام اور حافظ (محافظ) بنایا گیا۔ جب حافظ کی نیت بگڑی، تو ابوتراب کی مدد سے آپ کو قاہرہ سے لے کر نکل گیا۔ اور اس وقت سے لے کر تا وفات ستر میں رہے۔ جس جگہ آپ پیدا ہوئے، اس کا نام "بیت حق معمور" رکھا گیا۔ اور اس سے قبل تحریر ہو چکا ہے، کہ امام مستنصر کے عہد میں علی بن محمد صلیحی کو داعی بنایا گیا تھا، اور ان کے قتل کے بعد ان کا لڑکا ملک مکرم بن علی صلیحی داعی بنایا گیا۔ اور ان کی مدد کے لیے لملک بن مالک کو روانہ کیا گیا، جو هبۃ اللہ المؤید فی الدین شیرازی کے تربیت یافتہ تھے۔ یمن میں یہ لوگ دعوت کا کام انجام دیتے رہے۔ یہانتک کہ یمن کے اکثر حصہ پر قابض ہو گئے۔ اور دعوت بھی اکثر قبیلوں نے قبول کر لی۔ لملک بن مالک کے انتقال پر یحیٰی بن لملک مقرر ہوئے۔ اور ملک مکرم کے وفات پانے پر ان کی زوجہ محترمہ حرہ ملکہ قائم مقام ہوئیں۔

سیدہ حرہ ملکہ

نام سیدہ، لقب حرہ، تھا۔ بنت احمد بن جعفر بن موسیٰ صلیحی ہیں ۴۴۴ھ میں پیدا ہوئیں۔ اسماء بنت شہاب نے ان کی پرورش

کی۔ اسماء کے لڑکے احمد مالک مکرم بن علی بن قاضی محمد بن علی صلیحی نے ان سے شادی کر لی۔ اس زمانہ میں احمد یمن کے حکمراں تھے، اگرچہ بظاہر احمد مکرم تھے، لیکن درحقیقت زمام سلطنت ملکہ حرہ کے ہاتھ میں تھی۔ وہ ہر قسم کے انتظامات سلطنت میں دخیل اور شریک ہو کر امور مفوضہ انجام دیتی رہیں۔

۴۸۴ھ میں احمد مکرم نے وفات پائی، تو ان کے چچا کا لڑکا سبا بن احمد بن مظفر بن علی صلیحی نے تخت پر قبضہ کر لیا۔ لیکن حقیقی حکومت ملکہ ہی کے ہاتھ میں رہی۔ ۴۹۵ھ میں سبا نے وفات پائی۔ اس کے بعد امام نختار محمد بن نزار کی دعوت یمن میں شروع کی گئی۔ اور مختلف قسم کے انقلابات ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ ۵۱۳ھ میں نجیب الدولہ یمن پر قابض ہو گیا، اور پہاڑوں میں مقیم ہوا۔ جب اس کی خبر امام آمر کو ہوئی، تو مصر سے ایک جرار فوج ملکہ حرہ کی امداد کے لئے روانہ کی گئی۔ جس نے نجیب الدولہ کو شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ اور ۵۲۲ھ میں قتل کر دیا گیا۔ اور ابن ذریع بن عباس بن مکرم کو یمن کی سلطنت سپرد کی گئی۔ آل ذریع کا مشہور نام "آل ذویب" ہے۔

۵۲۰ھ میں یحیٰی بن لملک داعی یمن وفات پا گئے۔ تو ان کی جگہ ذویب بن موسیٰ مقرر ہوئے [1] اور یہی اول داعی مطلق ہیں۔ آپ کے عہد میں " ماذون " کے عہدہ پر سیدنا خطاب بن حسن بن ابی الحفاظ ہمدانی تھے [2] ان انقلابات میں بھی ملکہ حرہ کا اثر تمام یمن پر برابر رہا۔ اور اپنے کام میں برابر مصروف رہیں۔ اور امور دعوت برابر انجام دیتی رہیں [3]

---

[1] موسم بہار میں ہے کہ سید نا ذویب ۲۲ شعبان ۵۳۲ھ میں اس عہدہ پر آئے۔ [2] ماذون، حجت، شیخ وغیرہ خطابات ہیں [3] تاریخ ابوالفدا جلد.... ص....

جوامام کی طرف سے موصول ہوتے رہتے۔ ملکہ حرہ جن کو بلقیس الاسلام بھی کہتے ہیں۔ علم تنزیل، تاویل، اور حدیث ائمہ درسول میں بڑی متجرہ تھیں، اور داعیان زمان ان سے پس پردہ مسائل کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اور مشکلات کے وقت ان سے رجوع کرتے تھے۔ اور تمام امرائے یمن ان کی رضامندی کے خواہاں رہتے تھے، سب سے بڑا کمال ان کا یہہ تھا، کہ باوجود اس قدر انتشار کے بھی دعوت اور حکومت دونوں کو سرانجام دیتی رہیں۔ اور جب تک زندہ رہیں کسی قسم کا خلل واقع نہ ہونے دیا۔ آپ کی عمر ۹۲ سال کی ہوئی۔ ۲۲ر شعبان ۵۳۲ھ میں[1] انتقال فرمایا۔ اور جامع ذی جبلہ میں قبلے کے بائیں جانب مسجد کی پہلی منزل میں مدفون ہوئیں۔ ان کی قبر آج تک زیارت گاہِ خلائق ہے۔

سیدہ حرہ کی دفات کے چھ ماہ بعد سیدنا خطّاب کی شہادت اپنے بھائی سلیمان کے ہاتھوں ہوئی، اس وقت سیدنا ابراہیم بن الحسن الحامدی ماذون ہوئے۔ امام آمر نے اپنے آخری عہد میں ملکہ حرہ کو حجت مقرر کیا تھا۔ ۵۲۴ھ میں امام آمر نے ملکہ حرہ کے پاس امام طیب کی ولادت کی خوشخبری بھیجی، پھر محمد بن حیدرہ کو ایک خط اور ایک رومال دے کر ملکہ کے پاس بھیجا۔ اس خط میں امام آمر نے اپنے بعد اپنے لڑکے طیب کے نام امامت کا نص کیا تھا۔ محمد بن حیدرہ نے جب یمن پہنچ کر خط دیا تو رومال دینا فراموش کر گیا۔ کچھ دنوں کے بعد جب رومال پر نظر پڑی تو وہ بھی ملکہ کے حوالے کیا۔ ملکہ نے رومال دیکھ کر رونا شروع کر دیا۔ لوگوں کے سوال کرنے پر جواب دیا کہ امام آمر نے اپنی وفات کی خبر دی ہے۔ چنانچہ کچھ دنوں کے بعد آپکی وفات ہوئی، جب وفات کی خبر ملکہ کو ہوئی تو امام آمر کے ارشاد کے مطابق امام طیب کی دعوت

---

[1] ملخص از مجالس سیفیہ

کا آغاز کر دیا[1]۔ اور تا زندگی اس کام کو کرتی رہیں۔ چونکہ آپ کے عہد میں امام طیب مستور ہوئے، اور مصر میں ظاہری امامت قائم نہ رہی اس لئے آپ اپنے عہد کی حجت تھیں اور اپنے انتقال کے وقت ذویب بن موسیٰ کو اپنا قائم مقام بنا گئیں۔ اور داعی خطّاب کو ان کا ماذون کر دیا (جیسا اوپر گزرا) اور اسی وقت سے دُعاۃ مطلقین کا سلسلہ شروع ہوا۔

الغرض یمن میں پہلے داعی مطلق جن کو سیدنا یحییٰ بن لملک اور سیدہ الحرۃ الملکہ نے منصوص کیا وہ سیدنا ذویب بن موسیٰ تھے۔ آپ ۱۳ برس چار ماہ اٹھارہ دن امور دعوت انجام دیتے رہے۔

داعی مطلق سیدنا ذویب نے اپنی وفات کے وقت سیدنا ابراہیم بن حسین کو داعی مطلق بنایا۔ اور ابراہیم بن حسین نے اپنے بعد اپنے لڑکے حاتم کو داعی مقرر کیا، اسی طرح حاتم نے اپنے بعد جانشین[2] بنائے یہاں تک کہ نوبت سیدنا عمادالدین ادریس بن حسن کی پہنچی۔ سیدنا عمادالدین ادریس اپنے وقت کے بےنظیر عالم تھے، مختلف تصنیفات آپ کی موجود ہیں، جن میں سے مشہور و معروف عیون الاخبار ہے، جو تاریخ میں بڑی معتبر کتاب ہے، یہہ کتاب سات جلدوں میں ہے، اس وقت تک قلمی ہے اور سیدنا ابو محمد طاہر سیف الدین صاحب کے کتب خانے سورت میں موجود ہے۔ اس کتاب کا ذکر ابن خلکان نے بھی کیا ہے۔ ۸۳۲ھ میں امور دعوت انجام دینے شروع کئے۔ ۸۷۲ھ میں انتقال فرمایا۔ چالیس برس تک رشد و ہدایت کے ساتھ علمی کاموں میں بھی مصروف رہے۔ غالباً آپ پہلے مؤرخ ہیں جنہوں نے وضاحت کے ساتھ صاف صاف اس بات

---

[1] ریاض الجنان ص ۳۱۱ حیدری مطبع بمبئی۔ العمل المصفی ص ۲۱ [2] آپکی قبر کے لئے ہندوستانی بوہروں کی طرف سے ایک برنجی چھتری یمن روانہ کی گئی ہے۔ یہہ چھتری بمبئی کی حاتمی کمپنی کی نگرانی میں تیار ہو کر یمن تک پہنچائی گئی۔

کو تحریر فرمایا کہ رسائل اخوان الصفا کے موجودہ ۵۱ رسائل اور کل "۵۲" سیدنا احمد بن عبداللہ کے لکھے ہوئے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسی طرح دعاۃ کا سلسلہ یمن میں ۹۴۶ھ تک جاری رہا۔ اس سلسلہ کی آخری کڑی سیدنا محمد عزالدین بن حسن بدرالدین ہیں۔ مرکزی مقام یمن سے ہند (گجرات) اور سندھ میں (والی) کام کرتے تھے، والی کے معنی حاکم اور سردار کے ہیں۔ جیسے آج کل ناظم یا گورنر ہوتا ہے۔ ان حکام کو سیاسی اختیارات نہ تھے کیونکہ ان مقاموں میں دنیاوی حکومت غیر مسلموں یا غیر شیعوں کی تھی۔ پس ان کے اختیارات مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی تھے۔ پھر ۹۴۶ھ میں مرکز دعوت یمن سے منتقل ہوکر ہند (گجرات) آگیا۔ ہندیوں میں سب سے پہلے داعی مطلق سیدنا نجم الدین یوسف سدھپوری (گجراتی) ہوئے۔

نمبر	اسمائے دعاۃ	تاریخ وفات	مدفن	کیفیت
۱	سیدنا ذویب بن موسیٰ	۱۰ محرم ۵۴۶ھ	حوث یمن	۲۲ شعبان ۵۳۲ھ بمقام حوث آپکی دعوت قائم ہوئی۔
۲	سیدنا ابراہیم بن الحسین الحامدی	۱۶ شعبان ۵۵۷ھ	غیل بنی حامد یمن	آپ کے عہد میں ہر قسم کے علوم و فنون کی تعلیم عام تھی۔
۳	سیدنا حاتم بن ابراہیم الحامدی قاضی الحوائج	شنبہ ۱۶ محرم ۵۹۶ھ	حراز یمن	حمیر، ہمدان، سبا آپ کے مطیع ہوئے اور مختلف قلعے مفتوح ہوئے، صاحب تصنیف تھے اور صاحب شمشیر بھی

نمبر	اسمائے دعاۃ	تاریخ وفات	مدفن	کیفیت
				آپ کے عہد میں چالیس مشائخ تھے۔
۴	سیدنا علی بن حاتم الحامدی	شنبہ ۲۵ ذوالقعد ۶۰۵ھ	صنعا یمن	آپ کے عہد میں اکثر قبائل باغی ہوگئے اور آپ مجبوراً صنعا آگئے، ہر طرف دعاۃ بھی آپ نے بھیجے مگر مفید نہ ہوا۔ آپ آخر عمر تک اصلاح کی کوشش کرتے رہے آپ کے عہد میں پچاس تلامذ مشائخ تھے۔
۵	سیدنا علی ابن محمد بن ولید	یکشنبہ ۲۷ شعبان ۶۱۲ھ	حراز کے پاس موضع اغور یمن	آپ کے جد اعلیٰ ابراہیم کو امام مستنصر نے ایک مٹی کا پیالہ شربت سے بھر کر دیا تھا۔ جو عرصہ تک باعث شفائے مومنین رہا، شکست ہونے پر بھی محفوظ رہا، وقت وفات قبر میں اس کو ساتھ رکھنے کی وصیت کی۔ جس کی تعمیل کی گئی۔ آپکے مورث اعلیٰ نے طائف میں آنحضرتؐ کو انگور کا ایک ایسا خوشہ دیا تھا جس میں ۱۷ یا ۱۸ دانے تھے، آپ نے دعا دی جس کی برکت سے ۱۸ داعی آپکے خاندان میں ہوئے، بوقت وفات آپکی عمر شریف ایک سَو برس کی تھی

نمبر	اسماء دعاۃ	تاریخ وفات	مدفن	کیفیت
				اور آخر تک صحیح وتندرست رہے،
۶	سیدنا علی بن حنظلہ بن ابی سالم المحفوظی الوداعی	شب شنبہ ۱۲ ربیع الاول ۶۲۶ھ	ہمدان یمن	آپ کے عہد کا بڑا واقعہ یہہ ہے کہ الحافظ الدین اللہ مصری کی دعوت یمن سے معدوم ہوئی اور زیدی بھی دب گئے۔ لیکن خانہ جنگی کا دروازہ کھل گیا۔
۷	سیدنا احمد بن مبارک بن ولید	۲۷ جمادی الآخر یکشنبہ ۶۲۶ھ	ہمدان یمن	یہہ ساتویں داعی ہیں، اس لئے سات کی فضیلت سے مشرف ہوئے۔
۸	سیدنا حسین بن علی بن محمد بن ولید	۲۲ صفر سہ شنبہ ۶۶۷ھ	متصل صنعا (یمن)	آپ صنعا سے قلعہ ذمرمر میں جاکر مقیم ہوئے اور اشاعت تعلیم میں معروف ہو گئے۔ کیونکہ آپ کو اس سے بڑا شغف تھا۔ اور اسی سبب سے آپ کے عہد میں پچاس مشائخ وحدود، قابل تذکرہ موجود تھے، آپ کے عہد میں یمنی امیروں میں خانہ جنگی خوب رہی۔ مگر آپ نے کسی میں حصہ نہ لیا۔ بلکہ تبلیغ واشاعت علوم میں کوشاں رہے۔ آپ ہی کے عہد میں (۶۵۶ھ) خلفائے عباسیہ بغداد کا خاتمہ ہلاکو خاں کے ہاتھوں سے ہوا قلعہ ذمرمر کے امرا

نمبر	اسماء دعاۃ	تاریخ وفات	مدفن	کیفیت
				جب آپس میں فتنہ وفساد برپا کرنے لگے تو آپ صنعا چلے آئے، کچھ دنوں کے بعد پھر قلعہ میں تشریف لاکر بنی حاتم میں صلح کرانے کی بڑی جد وجہد کی مگر ناکامیابی کے ساتھ صنعا واپس آگئے اور اسی جگہ وفات پائی۔
۹	سیدنا علی بن حسین بن علی بن محمد بن ولید	سہ شنبہ ۱۳ ذوالقعد ۶۸۲ھ	صنعا (یمن)	آپ کے عہد میں زیدیوں کا تمام یمن پر قبضہ ہوگیا۔ اور ملک اشرف سلطان مصر سے جنگ شروع ہوگئی، تو لوگوں نے آپ کو صنعا ترک کرنے کا مشورہ دیا، چنانچہ ہجرت کرکے عروس تشریف لائے، آپ کو کتوں سے سخت نفرت تھی، اسی سبب سے عروس کے تمام کتے مروا ڈالے۔ امن ہو جانے پر صنعا واپس تشریف لائے، اور وہیں انتقال فرمایا۔
۱۰	سیدنا علی بن حسین بن علی بن حنظلہ	یکم صفر ۶۸۶ھ	صنعا یمن	آپ علم ہیئت اور نجوم میں کمال رکھتے تھے، اور علم کلام کے بڑے ماہر تھے
۱۱	سیدنا ابراہیم بن	یکشنبہ	حصن افئدہ	آپ حصن افئدہ سے دار العقا تشریف لے

نمبر	نام دعاۃ	سنہ وفات	مدفن	کیفیت
	الحسین بن علی بن محمد بن ولید	۱۰ رشوال سنہ ۷۲۸ھ	(یمن)	گئے، آپ کے عہد میں خانہ جنگی انتہا کو پہنچ گئی۔ اکثر بلاد یمن ویران ہو گئے، قلعہ کے قلعہ خالی ہو گئے، اکثر مغرور اور مخالفین فنا ہوئے، دشمنوں کی طاقت بہت کمزور ہو گئی۔ اور چونکہ آپ نے کسی جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا، اس لئے طاقت محفوظ تھی، اب اسکے استعمال کا وقت آگیا تھا۔ چنانچہ آپ کے فرزند سیدی علی نے یوم جمعہ ہم ذوالقعدہ سنہ ۷۲۵ھ میں حصن کوکبان فتح کر لیا۔ جب یہ خبر زیدیوں کے امام محمد بن مطہر کو ملی تو غضبناک ہو کر ایک جبار لشکر فتح کے لئے بھیجا جس نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اس وقت آپ زیر محراب مسجد دعا میں مشغول تھے، مخبر نے محاصرہ کی خبر دے کر جنگ میں شرکت کی ترغیب دی۔ لیکن آپ یہ کہکر دعا میں مشغول ہو گئے کہ خدا میرا مددگار ہے مخبر آپکی اس ادا پر مسکراتا ہوا چلا گیا، لیکن وہاں جاکر کیا دیکھتا ہے کہ دشمن واپس جا رہا ہے،

نمبر	نام دعاۃ	سنہ وفات	مدفن	کیفیت
				معلوم ہوا کہ آپس میں مخالفت ہو گئی، آپ نوے برس کی عمر میں رحلت فرمائے عالم بقا ہوئے۔
۱۲	سیدنا محمد بن حاتم بن حسین بن علی	یکم ذوالحجہ سنہ ۷۲۹ھ	حصن افندہ (یمن)	دعاۃ یمن سے آپ پہلے داعی ہیں جو مکہ جاکر حج سے مشرف ہوئے، اور پھر مدینہ کی زیارت کر کے واپس وطن ہوئے، آپ کی موجودگی میں آپ کا بڑا لڑکا انتقال کر گیا، جس کا بے انتہا آپ کو صدمہ ہوا، آپ ہی کے عہد میں حجر بنی عثمان فتح ہوا جس کو اطاعت امام کی قسم (میثاق) لے کر واپس فرما دیا۔
۱۳	سیدنا علی شمس الدین بن ابراہیم بن حسین	یکشنبہ ۱۸ رجب سنہ ۷۴۶ھ	حصن ذمرمر (یمن)	آپکے حسن تدبیر اور آپکی شجاعت سے دعوت کے سیاسی امور میں جان پڑ گئی، چنانچہ ہوتا ج الدین بن یحیٰی بن حمزہ کو شکست دیکر قلعہ ذمرمر لے لیا، پھر قبان، اس کے بعد بنت رقبان پر قابض ہوئے، عرصہ تک سلطان صنعا سے جنگ ہوتی رہی آخر مجبور ہو کر صلح کر لی جس کو آپ نے منظور فرما لیا۔ سلطان

نمبر	نام دعاۃ	سنہ وفات	مدفن	کیفیت
				صنعانے جب حج کا ارادہ کیا تو آپ کو ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ بوجہ علالت آپ خود تو نہ جاسکے، البتہ ماذون، اور دیگر فضلا اور شیوخ مکہ جاکر بخیر و خوبی واپس آئے، ۷۴۶ھ سے سیاسی زوال شروع ہوا، متعدد حدود و شیوخ کا انتقال ہوگیا۔ اس کے علاوہ ہمیشہ جنگ و جدال کے سبب اخراجات میں بڑا اضافہ ہوگیا۔ چنانچہ دعاۃ متقدمین کے ذخائر سب خالی ہوگئے اور دعوت کے خزانہ میں بہت کمی آگئی۔
۱۴	سیدنا عبدالمطلب نجم الدین بن محمد بن حاتم	بدھ ۱۴ر رجب ۷۵۵ھ	حصن افئدہ (یمن)	جب آپ کی تخت نشینی کا حال سلطان صنعا شریف ابراہیم بن عبداللہ کو معلوم ہوا، تو قلعہ ذمرمر کا فتح کرنا آسان سمجھ کر لشکر کی تیاری میں مشغول ہوگیا، سیدنا کو جب اطلاع ہوئی تو فوراً ایک جرار لشکر لے کر نکلے، جس سے تمام یمن میں ایک شور برپا ہوگیا شریف ابراہیم نے اپنی غلطی محسوس کی۔

نمبر	نام دعاۃ	سنہ وفات	مدفن	کیفیت
				اور معافی مانگ کر طالب صلح ہوا، کچھ دنوں بعد اس نے حج کا ارادہ کیا، اور سیدنا کو بھی دعوت رفاقت دی۔ سیدنا نے جواب دیا کہ اس سال جانا مناسب نہیں ہے، مگر نہ مانا، اور سیدنا کے ساتھ سوئے ظنی سے پیش آیا، اور طعن آمیز خطوط لکھے جن کا جواب خاموشی سے دیا گیا۔ ابراہیم بڑی شان سے مکہ پہنچا، وہاں مصری فوجوں نے اس پر چھاپہ مارا۔ اور اس کو گرفتار کرکے قید کردیا، تمام مال و اسباب لٹ گیا۔ تین برس کے بعد سلطان جدید کے تخت نشینی کے موقع پر دیگر قیدیوں کے ساتھ ابراہیم بھی نجات پاکر یمن واپس آیا۔ اس وقت سے سیدنا کے ساتھ خلوص اور محبت کے ساتھ عمر بھر پیش آتا رہا۔
۱۵	سیدنا عباس بن محمد بن حاتم	شنبہ ۱۸ر شوال ۷۶۹ھ	شاہ حصن افئدہ کے نیچے یمن میں	علم کی ترویج اور اشاعت میں آپ کو بڑا اہتمام تھا۔ لوگوں کو خاص کر تنزیل اور فقہ کی تعلیم دینے کی رغبت دیتے تھے، تاریخ دیکھنے

نمبر	نام دعاة	سنہ وفات	مدفن	کیفیت
				کی بھی تاکید کرتے۔ البتہ علم تاویل عوام کے لئے ممنوع قرار دیا۔ نماز کا آپ کو بڑا خیال تھا۔ بے نمازی سے آپ ملاقات نہیں کرتے اس کا عوام پر بہت اچھا اثر پڑا، عرصہ تک آپ حصن ذمرمر کے مقام دارالفرجہ میں مقیم رہے، پھر جب لوگوں سے تکلیف پہنچنے لگی تو وادی صحصر چلے گئے۔ اسی درمیان میں مختلف قلعے فتح ہوئے جس سے آپ کو بڑی مسرت ہوئی، پھر اہل الرائے کے مشورے سے حصن افئدہ میں مقیم ہوئے۔ مگر یہاں کی آب و ہوا ناموافق پڑی۔ علیل ہو جانے پر واپس گئے اور کچھ دنوں کے بعد آپ نے انتقال فرمایا۔
١٦	سیدنا عبداللہ فخرالدین بن علی بن محمد بن حاتم	٩ رمضان ٨٠٩ھ	حصن ذمرمر (یمن)	آپ کے فرزند سیدی حسین عین عنفوان جوانی میں انتقال فرما گئے۔ جس سے آپ کو بے حد صدمہ ہوا۔ رجب ٧٩٤ھ میں قلعہ شبام فتح ہوا۔ اور اسی سال سیدنا ادریس کی ولادت ہوئی، جس سے مسرت دوبالا ہوئی

نمبر	نام دعاة	سنہ وفات	مدفن	کیفیت
				آپکی عمر ٩٥ سال کی تھی، آخر عمر میں ضعف غالب ہو گیا تھا۔ اس لئے تمام کاروبار ماذون اور مکاسر انجام دیتے تھے جو آپ کے فرزند تھے۔
١٧	سیدنا حسن بدرالدین بن سیدنا عبداللہ فخرالدین	شنبہ ٦ شوال ٨٢١ھ	ذمرمر کی مسجد کے صحن میں	آپ کے عہد میں سیاسی یا دینی کوئی جدید بات نہیں ہوئی، آپ بڑے فیاض تھے، طلبہ پر خاص نظر عنایت رکھتے، رمضان اور عیدین میں اس کا بڑا خیال رکھتے۔
١٨	سیدنا علی شمس الدین بن عبداللہ فخرالدین	پنجشنبہ ٣ صفر ٨٣٢ھ	حراز کے شہر شاق میں (یمن)	آپ کا عہد بڑا پر آشوب رہا۔ حصن افئدہ اور حصن ذمرمر آپ کے ہاتھوں سے نکل کر سلطان صنعا (زیدیوں کے امام) کے ہاتھ آگئے۔ مجبوراً ملک اشرف غسانی کے پاس تشریف لے گئے جس نے آپ کی بڑی عزت کی لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد فوجی بغاوت ہو گئی۔ ملک اشرف مقید ہوا، اور ملک طاہر سلطان بنا۔ آپ مایوس ہو کر حصن شبام واپس آگئے۔ ٨٣٠ھ میں سند (گجرات) میں تفرق اور مناقشے شروع

نمبر	نام دعاة	سنہ وفات	مدفن	کیفیت
				ہوئے ۔ اور جعفر ملتی صاحب کے سبب سے بڑا تفرقہ پیدا ہوگیا ۔ آپ جب سے تخت دعوت پر جلوہ افروز ہوئے ۔ ہمیشہ فکر اور مشکلات میں مبتلا رہے ، اور اسی باعث سے نحیف وضعیف ہوگئے ، ملا جعفر ملتی کچھ دنوں آپ کے پاس بھی رہے تھے ، اور تکمیل تعلیم کے بعد واپس نہ گئے ۔
۱۹	سیدنا ادریس عماد الدین بن حسن بن عبداللہ فخر الدین متولد رجب ۷۹۴ھ	۱۹ ذوالقعدہ ۸۷۲ھ	قصبہ حراز کے مقام شبام میں (یمن)	آپ کے عہد میں سیاسی واقعات کا ظہور بہت کم ہوا ۔ اس لئے تصنیف اور تدریس میں وقت زیادہ صرف فرماتے ۔ چنانچہ عیون الاخبار ، سات جلدوں میں آپ نے تصنیف فرمائی ، جس میں ایام جاہلیت سے لے کر امام طیب تک کے حالات درج کئے ۔ اس کے بعد نزہتہ الافکار لکھی ۔ جس میں اپنے عہد تک کے دعاة کے احوال تحریر کئے ۔ اس کی دو جلدیں ہیں ۔ اس کے علاوہ رسالہ البیان زبدة السرائر ، زہرة المعانی ، کتاب الجمل ، رسالہ ایضاح الاعلام ، مدحضۃ البہتان ،

نمبر	نام دعاة	سنہ وفات	مدفن	کیفیت
				وغیرہ آپکی تصنیفات ہیں ۔ آپ کے عہد میں تمام یمن وبا سے تباہ ہوگیا ۔ سلطان صنعا علی بن صلاح الدین بھی اسی کا شکار ہوا ۔ آپ کے عہد کا مشہور ترین واقعہ یہہ ہے ۔ کہ جب آپ نے مومنین یمن میں ضعف ایمانی محسوس فرمایا تو کہا کہ دیکھو نعمت خداوندی اطاعت کے ساتھ ہے ایسا نہ ہو کہ نعمت دعوت تم سے سلب ہو کر دوسروں کو دیجائے بعض لوگوں کو اس پر شک ہوا ۔ چنانچہ آپ نے والی ہند کو تحریر فرمایا کہ فلاں سنہ کو اذن صلوة دیجاتی ہے ، اس حکم کی فوراً تعمیل کر کے اطلاع دی گئی ۔ آپ نے برسر دربار

والی کا عریضہ پڑھوا کر یمنی لوگوں کو مطلع کیا ، جس سے وہاں کے لوگ اس غائت اطاعت کو دیکھ کر متحیر ہوگئے ۔ بات یہہ ہے کہ یہہ ایک قسم کی پیشن گوئی تھی ، کہ آئندہ دعوت کا مرکز ہند ہوگا ۔ آپ کے دربار میں تین حدود تھے ، مگر آپ سب پر ہندیوں کو ترجیح دیتے تھے ۔ کیونکہ ان کے جیسا اطاعت امام کا جذبہ کسی دوسری جگہ کے لوگوں میں نہ تھا ۔

نمبر	نام دعاة	سنہ وفات	مدفن	کیفیت
۲۰	سیدنا حسن بدرالدین بن ادریس عمادالدین	۱۵ر شعبان ۹۱۸ھ	قصبہ حراز کے مسار میں	اس عہد میں چونکہ سیاسی قوت زائل ہو چکی تھی، اور سیدنا ادریس کے طویل عہد میں لوگ علمی خزینہ سے فیضیاب ہونے پر زیادہ مائل ہو چکے تھے، اس سبب سے کوئی جنگ نہیں ہوئی اور تمام لوگ امن وامان کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے۔ آپ ہندیوں کی بڑی قدردانی فرماتے اور ہندیوں کی اطاعت سے بہت مسرور ہوئے۔
۲۱	سیدنا حسین حسام الدین بن ادریس عمادالدین	۱۰ر شوال ۹۳۳ھ	قصبہ حراز	آپ کا عہد بھی پُرامن رہا۔ اور کوئی سیاسی تغیر واقع نہ ہوا۔ تلقین اور توسیع علم میں تمام اوقات صرف کرتے، عبادت الٰہی میں ہر وقت مشغول رہے۔
۲۲	سیدنا علی شمس الدین بن حسین بن ادریس عمادالدین	۲۱ر ذو القعدہ ۹۳۳ھ	قصبہ حراز	آپ متقی اور عبادت گزار تھے، صرف چالیس دن تخت دعوت پر رونق افروز رہے۔
۲۳	سیدنا محمد عزالدین بن حسن بدرالدین بن ادریس عمادالدین	۲۷ر صفر ۹۴۶ھ	زبید (یمن)	آپ یمن کے گویا آخری داعی ہیں، آپ کے عہد میں لوگ زوال کے آخری درجہ پر پہنچ گئے، داعی کا وعظ وپند بھی ان کو اصلی حالت پر نہ لاسکا۔ اور یمن ٹھیک کوفہ کی طرح ہوگیا۔ یہ دیکھ کر

نمبر	نام دعاة	سنہ وفات	مدفن	کیفیت
				داعی نے گوشہ نشینی اختیار کرلی، اور عید غدیر کے دن نماز کے لئے ایک معمولی درجہ کے آدمی کو مامور کیا، جس سے حدود اور فضلا نے اپنی توہین سمجھی، اور بار بار حکم عدولی کی۔ آخر نماز تو اسی شخص نے پڑھائی البتہ سر دربار خطبہ آپ نے دیا۔ جس میں اطاعت کا مفہوم سمجھایا۔ اور ہند کی مثال دی۔ بعضوں نے ہندیوں کی اطاعت پر شبہ کیا۔ تو آپ نے یمن کے معمولی درجہ کے آدمی کو ہند کا والی بنا کر بھیجدیا۔ احمدآباد پہنچکر اس نے یہاں کے والی سے چارج لیا۔ اور ایک جلسہ میں داعی کا حکم سنایا، تمام مومنین نے اطاعت کا میثاق (قسم اطاعت یا بیعت) لیا۔ جب اطاعت کا امتحان ہو چکا، تو دوسرا حکم داعی کا والی سابق کی بحالی کا ظاہر کیا، اس شخص کی قبر سرسپور کے بوہرہ قبرستان میں موجود ہے اور اس پر مندرجہ ذیل عبارت درج ہے ھٰذا قبر رجل صالح کان من ادنیٰ مقامیع

نمبر	نام دعاۃ	سنۂ وفات	مدفن	کیفیت
				فی الیمن ۔ ارسلہ آخر دعاۃ الیمن الی الھند وسالیا ، لامتحان المومنین لیبدل اہل الیمن علی ما فیھم من الاخلاص والیقین فاقام فی احمدآباد ثم مات ۔ جب یمن والوں کو اس سے بھی نصیحت نہیں ہوئی تو مجبوراً وہی کرنا پڑا ، جس کا ذکر داعی سابق کرتے آئے تھے ، یعنی امر دعوت ہند (گجرات) میں منتقل کردی ، اور سیدنا یوسف نجم الدین سدھ پوری (گجرات) منصوص قرار پائے ، آپ کی وفات پر کفن دفن میں وہی واقعات پیش آئے ، جو سیدنا امیرالمومنین حضرت علی بن طالب رض کے وقت پیش آئے ۔
۲۴	سیدنا علی شمس الدین بن سیدی حسن بن مولائی ادریس بن سیدنا حسین	۱۰۴۲ھ	یمن	سیدنا عبدالطیب زکی الدین کے بعد اس عہدہ جلیلہ پر فائز ہوئے ، خاندان ولید کے اٹھارویں (۱۸) اور یمن کے آخری داعی ہیں صرف ایک سال زندہ رہے ۔

باب سوم

گجرات میں دعوت کا سلسلہ

افسوس ہے کہ کسی ہندوستانی تاریخ سے صحیح طور پر یہہ معلوم نہیں ہوتا ، کہ ہند میں دعوت کا سلسلہ کب سے اور کس طرح شروع ہوا ۔ اس لئے راقم الحروف حرف اس روایت پر قناعت کرنے کے لئے مجبور ہے ، جو اس سلسلے کے لوگوں میں اباً عن جدٍ چلا آرہا ہے ، اور ان کی کتابوں میں درج ہے ،

شیخ آدم صفی الدین بن زکی الدین راوی ہیں[1] ۔ کہ امام مستنصر باللہ متوفی ۴۸۷ھ نے احمد نامی ایک شخص کو یہہ حکم دیا کہ ہند میں کھنبائت جو مقام ہے ، اور جہاں ہندوؤں کا بڑا ظلم ہورہا ہے ، وہاں جاکر مشرکوں کی ہدائت کا کام انجام دو ۔ چنانچہ آپ کھنبائت آئے ، اور مہینوں ہندو لباس میں ادھر ادھر گھومتے رہے ، زبان کی عدم واقفیت کے سبب خاموشی سے لوگوں کی حالت کا معائنہ کرتے تھے ۔ ایک دن ایک میدان میں پہنچے ، تو بہت لڑکوں کو کھیلتے دیکھا ۔ اب روزانہ اس میدان میں آپ لڑکوں کا تماشا دیکھتے ۔ ان میں سے دو لڑکوں کی عمر بارہ اور چودہ برس کی تھی ، بڑے ہوشیار اور ذہین معلوم ہوتے تھے ، صورت

---

[1] عبدعلی سیف الدین متوفی ۱۳۳۲ھ کے عہد ۱۳۲۳ھ میں مجالس سیفیہ کے نام سے ایک کتاب لکھی گئی ، اس کی نویں مجلس میں یہہ روایت مذکور ہے ۔

اور سیرت بھی اچھی تھی، آپ نے ان سے ربط وضبط بڑھایا۔ اور نظرِ التفات ان پر مبذول کی۔ اکثر بازار سے میوہ خرید کر ان کو کھلاتے، اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتے، اصل میں آپ کا ارادہ یہہ تھا کہ ان دونوں کو رضا مند کر کے مصر لے جائیں، اور وہاں سے تعلیم و تربیت کر کے ہندوستان واپس لائیں۔ اور ان کے ذریعہ سے یہاں کے باشندوں کو ہدایت یاب کریں۔

یہہ دونوں لڑکے لاوارث تھے، جہاں کھانے کو مل جاتا، کھا لیتے، جہاں سونے کو ملتا سو رہتے۔ مولائی احمد کے یہاں بھی کبھی کبھی سو رہتے تھے، ان میں سے ایک کا نام جو بڑا تھا "رام جی" تھا۔ اور چھوٹے کا نام "روپ چند"۔ آپ جب مصر جانے لگے، تو ان دونوں سے دریافت کیا، کہ کیا تم دونوں میرے ساتھ دوسرے ملک میں جاؤ گے؟

دونوں اس پر رضامند ہو گئے۔ چنانچہ آپ دونوں کو لے کر مصر پہنچے، اور مولانا الامام مستنصر باللہ متوفی ۴۸۷ھ کی خدمت میں پیش[1] کر کے عرض کیا کہ زبان کی ناواقفیت کے سبب وہاں کچھ کام نہ بنا، ان دو لڑکوں کو اسی لئے لایا ہوں کہ ان کی تعلیم و تربیت کر کے ہندوستان میں ان سے کام لیا جائے، امام موصوف یہہ سُن کر بہت خوش ہوئے، بڑے کا نام عبداللہ اور چھوٹے کا نام نورالدین رکھا۔ اور پھر حکم صادر فرمایا کہ ان کی تعلیم و تربیت میں سعی بلیغ کرو۔ مولائی احمد صاحب نے ان کی تعلیم و تربیت شروع کی۔ اور عرصہ تک اسی میں مصروف رہے۔ جب تکمیل ہو گئی تو امام وقت کے پاس لے جا کر عرض کیا کہ دونوں لڑکے بفضلہ فقہ، اخبار، بحث، مناظرہ، تاویل و حقائق میں کامل ہو گئے ہیں۔ پس مولانا امام مستنصر (متوفی

---

[1] بعض کتابوں میں نظر سے گزرا کہ پہلے یمن لے گئے، زبان عربی کے علاوہ دوسرے علوم وفنون کی تعلیم دی۔ پھر ان کو مصر لیجا کر امام موصوف کے سامنے پیش کیا جہاں اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کی۔

نے یمن کے داعی مولانا لملک کے پاس تینوں کو ارسال کر دیا۔ مولانا لملک (قس) نے چند ہدایات کے ساتھ ان کو ہندوستان (گجرات) واپس کیا، یہہ تینوں کھنبائت پہنچے، اور ایک کھیت میں شہر سے دُور اترے[1]، یہہ کھیت دو میاں بیوی کا تھا۔ جن کا نام کاکا اکیلا اور کاکی اکیلی تھا۔ کھیت سوکھ گیا تھا۔ مگر آپ کے قدم کی برکت سے ہرا ہو گیا۔ مولانا عبداللہ اور نورالدین کو گجراتی یاد تھی۔ البتہ مشق نہ رہی تھی۔ کاکا اور کاکی کی صحبت سے مشق بھی ہو گئی۔ آس پاس پانی نہ تھا، اس لئے دونوں میاں بیوی دُور سے روزانہ پانی لاتے تھے۔ مولائی عبداللہ نے ان سے سوال کیا کہ کیا نزدیک میں کوئی کنواں نہیں ہے؟ اس نے کہا کہ ہمارے کھیت میں ایک کنواں ہے مگر آج کل سوکھ جاتا ہے۔ برسات میں پانی رہتا ہے۔ بارہ مہینے پانی نہیں رہتا۔ انہوں نے سوال کیا کہ کنواں کہاں ہے۔ اس نے کہا کہ کنواں دیکھ کر کیا کرو گے کنواں تو سوکھا پڑا ہے۔ مولائی عبداللہ نے فرمایا کہ کیا تمہاری ایسی خواہش ہے کہ اس کنوئیں میں پانی آ جائے وہ سال بھر رہے اور کبھی نہ سوکھے۔ کاکا کہنے لگا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم تینوں خدا کے نیک بندے ہو۔ یہہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مصر سے چلتے وقت مولانا مستنصر باللہ نے ان تینوں کو کرامت دکھانے کی طاقت عطا فرمائی تھی۔ مولائی احمد نے فرمایا کہ اگر کنوئیں میں پانی آ جائے تو تم ہمارا دین و مذہب (دھرم) قبول کر لو گے؟ دونوں نے اقرار کیا۔ تب تینوں خوش ہو کر کنوئیں کے پاس گئے اور مولائی عبداللہ نے کنوئیں میں ایک بھالا مارا، جس کے سبب سے پانی کنوئیں میں اُبلنے لگا۔ اور امام زماں کی برکت سے پانی شیریں تھا۔ پس کاکا اکیلا اور کاکی اکیلی دونوں نے کلمہ پڑھ کر

---

[1] ایک دوسری روایت یہہ ہے کہ ایک باغ میں اترے، جو ایک حاکم کا تھا۔ جس کا نگہبان ایک مالی تھا، جو اپنی بیوی کے ساتھ اسی جگہ رہتا تھا۔ دونوں کو لوگ کاکا اور کاکی کہتے تھے۔

اسلام قبول کرلیا۔

ایک دن مولائی عبداللہ نے ان دونوں سے سوال کیا کہ اس ملک کے تمام لوگوں کو ہدایت کرنے کی مری خواہش ہے۔ بتاؤ کہ تمہارے پاس کوئی ایسی تدبیر ہے؟ کاکا نے کہا کہ یہاں ایک مندر میں لوہے کا ایک ہاتھی معلق ہے، اس مندر میں ایک بڑا پجاری رہتا ہے راجہ کا وزیر اس کا معتقد ہے۔ اور وزیر کی رائے راجہ مانتا ہے، پس اگر پجاری اسلام قبول کرلے، تو پھر وزیر بھی مومن ہو سکتا ہے۔ اگر وزیر مومن ہوا تو ایسا سمجھو کہ راجہ بھی مومن ہوگا اور راجہ کے مومن ہونے سے ساری رعیت اس کی تقلید کرے گی۔ یہہ تجویز تینوں بزرگوں کو بہت پسند آئی۔ چنانچہ مولائی احمد صاحب کی اجازت سے مولائی عبداللہ صاحب اس پجاری کے پاس گئے۔ اس وقت وہ بچوں کو تعلیم دے رہا تھا، اور کہہ رہا تھا، گگو، گھگو، مولائی عبداللہ نے کہا کہ " اے پنڈت جی! مجھے یہہ بات بالکل عجیب معلوم ہوتی ہے کہ آپ پڑھاتے ایک حرف، اور آواز نکالتے چار حرف کی ہیں" پنڈت جی نے پوچھا۔" یہہ کیا "

آپنے فرمایا کہ" ایک گگو لکھیئے تو چار حروف لکھنے پڑتے ہیں۔ مثلاً (ک ا ک و) کے تین ککا، اور ایک کانو۔ یعنی تین کاف ہیں۔ اور بعد ان کے 'واؤ' پس ان میں سے دو کاف پہلے ہر دو اصل روحانی کی مثال ہیں۔ اور وہ ایک جنس سے ہیں، اور وہ عقل ہے۔ اور تیسرا کاف اور 'واؤ' ہر دو اصل جسمانی کی مثال ہیں۔ اور دونوں کے درمیان ایک جہت سے فاصلہ ہے۔ اور ہر ایک ہر دو اصل میں سے ایک متحرک ہے، اور دوسرا ساکن، اور وہ دلیل اس بات کی ہے اکر دونوں میں ایک مفید ہے اور دوسرا مستفید۔ پس تم ان باتوں کو کچھ سمجھتے بھی ہو یا طوطے کی طرح صرف بچوں کو پڑھانا ہی جانتے ہو" پنڈت جی ان باتوں سے بہت مرعوب ہو گئے۔ اس درمیان میں راہ چلتے سو دو سو آدمی بھی جمع ہوگئے۔ اور یہہ سب

باتیں سنتے رہے۔ پنڈت جی کے لاجواب ہو جانے سے لوگوں پر یہہ اثر پڑا کہ آپس میں کہنے لگے کہ پرانے پنڈت جی کو نئے پنڈت جی نے ایک گگو، گھگو میں ہرادیا۔ پجاری ان تینوں کو اپنے گھر لے گیا، اور بڑی خاطر مدارات کی۔ اور اصل معاملہ کی حقیقت دریافت کرنی چاہی۔ مولائی عبداللہ نے کہا کہ کسی دوسرے وقت تنہائی میں کہوں گا۔ چنانچہ پھر دوبارہ آئے، اور اس کو اس طرح سمجھایا کہ جس سے اس کا دل اس طرف مائل ہوگیا۔ پھر جو جو سوال وہ کرتا، مولائی عبداللہ مولائی احمد سے دریافت کرکے بتلاتے۔ یہاں تک کہ اس کا دل و دماغ اسلام کے نور سے روشن ہوگیا۔ کچھ دنوں تک یہہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔ یہاں تک کہ ایک دن پجاری نے وزیر سے بھی اس کا تذکرہ کردیا۔ اور وزیر نے راجہ سدھ راج جے سنگھ سے یہہ ماجرا بیان کیا۔ اور پھر دونوں یعنی وزیر اور راجہ دونوں ایمان لے آئے۔ ان کو سورۃ الحمد، اور قل یا ایہا الکافرون اور دوسری سورتیں سکھلائیں۔ وضو کا طریقہ، اور تشہد کا ہندی ترجمہ کرکے زبانی یاد کرایا۔ پانچ وقت کی نماز بھی پڑھنے لگے، مولانا امام مستنصر باللہ کا میثاق (بیعت) بھی ان سے لے لیا۔ ان بڑے بڑے لوگوں کے مومن ہو جانے سے ان کی ہمت بڑھ گئی۔ تمام مشرکوں سے روزانہ بحث و تکرار شروع کردی۔ اور بت پرستی کے عیوب سب لوگوں پر ظاہر کردیئے، عام طور پر مشہور ہوگیا کہ تین مسلمان اس شہر میں آئے ہیں۔ یہہ جو کچھ کہتے ہیں اس کا جواب کسی سے بن پڑے تو دے، نہیں تو وہ جو کچھ کہتے ہیں، اس کو مانے۔

راجہ تین (انہل واڑہ جس کو عرب نہروالہ کہتے ہیں) میں رہتا تھا۔ اور کھنبائت میں ایک بڑا مندر تھا، اس میں لوہے کا ایک بڑا ہاتھی معلق تھا۔ راجہ، وزیر، ارکان دولت اس کی زیارت کو آتے تھے، اور تقریباً دو ماہ مقیم رہتے تھے۔ اس کے علاوہ جاتریوں کی بھی بڑی دھوم دھام رہتی تھی۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ راجہ اور وزیر حسب دستور کھنبائت میں مقیم تھے، اور وزیر ظہر کی نماز ادا کرنی تھی، اپنے مکان میں دروازہ بند کر کے پڑھنی شروع کی۔ وزیر کے ایک سپاہی نے دروازے کی دراز سے یہہ دیکھ کر فوراً راجہ کو خبر کی کہ تمہارا وزیر "بجارمنل" تو ہوگیا ہے۔ اور مسلمانوں کی طرح نماز پڑھتا ہے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ راجہ کے پاس بڑے بڑے لوگ بیٹھے تھے۔ اگر اکیلا ہوتا تو ٹال سکتا تھا۔ لیکن اتنے لوگوں کی موجودگی میں کیونکر ٹالے، اس لئے اس نے کہا کہ اچھا تو چل، میں پیچھے سے آتا ہوں۔ یہہ کہکر لوگوں کے ساتھ وزیر کے گھر آیا۔ راجہ اور سب لوگوں نے دراز سے اس کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ راجہ نے دروازے کو کھٹ کھٹا کر کھلوایا۔ اور اندر داخل ہوا، وزیر، راجہ کے سامنے دست بستہ کھڑا ہوگیا، راجہ نے ہنس کر کہا کہ اے میرے وزیر! تم مسلمانوں کی طرح اٹھ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے، یا کوئی اور دوسرا کام کرتے تھے۔ ہم سب لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ وزیر گھبرا کر خاموش ہوگیا۔ راجہ نے کہا کہ تم کیوں گھبراتے ہو، تم جواب دو، پھر ہم جو چاہیں سو کریں گے۔ وزیر نے سوچا کہ راجہ جواب مانگتا ہے، سچ یا جھوٹ جو بن سکے دیدو۔ یہ سوچ کر وزیر نے عرض کیا کہ

"اے مہاراج! میں کیا عرض کروں، شاید وہ بات سچ نہ سمجھی جائے، اگر اس مٹی کے نیچے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ اس مٹی کے نیچے کیا ہے، میں تو جھک جھک کر اس کے نیچے دیکھتا تھا، ایک بڑا بھاری سانپ بیٹھا ہے، خدانخواستہ اگر کسی کو ڈس لے تو بڑا نقصان ہوگا۔ میں کھڑا ہوکر، پھر جھک کر، پھر زمین پکڑتا تھا ٹیک کر اس کو دیکھ رہا تھا۔ کہ کدھر ہٹ گیا۔ درمیان میں تمہارے سپاہیوں نے آواز دی، تو فوراً دروازہ کھول دیا۔"

راجہ مٹی کے پاس آیا۔ اور دیکھنا شروع کیا۔ خدا کی قدرت سے ایک بڑا سانپ

نکل آیا۔ اور اوپر چڑھ کر غائب ہوگیا۔ راجہ اور تمام حاضرین نے بچشم خود دیکھا۔ یہہ دیکھ کر سب کو یقین آگیا کہ وزیر سچا ہے اور خجل خود سب شرمندہ ہوئے۔ راجہ سپاہی پر بڑا ناراض ہوا۔ پھر سب لوگ وہاں سے چلے گئے۔ وزیر نے راجہ سے کہا کہ مہاراج! آپ نے خدا کی شان دیکھی۔ میں تو درحقیقت نماز ہی پڑھ رہا تھا۔ اور لوگوں کو تسلی دینے کی خاطر سانپ کا بہانہ کیا۔ مگر خدا کے حکم سے واقعی سانپ نکل پڑا۔ بیشک نماز میں بڑی برکت ہے، اسی کے سبب میں سب لوگوں میں سُرخرو ہوا۔ اب آئندہ انشاءاللہ بڑی احتیاط سے نماز پڑھا کروں گا۔ تاکہ کوئی دیکھ نہ سکے۔

اے مہاراج! آپ بھی سنبھال کر نماز پڑھا کیجئے۔ راجہ نے ہنس کر جواب دیا کہ ہاں بےشک بڑی احتیاط سے آئندہ نماز پڑھا کروں گا، تاکہ کوئی دیکھ نہ سکے۔

کچھ دنوں کے بعد مولانا عبداللہ نے پجاری سے کہا کہ تم راجہ کے دربار میں جاکر کہو کہ مہاراج! آج ہم نے خواب دیکھا ہے کہ لوہے کا ہاتھی کہتا تھا کہ سالہا سال سے اس طرح کھڑا کھڑا تھک گیا ہوں، اس لئے چاہتا ہوں کہ ایک ایک کرکے اپنا قدم زمین پر رکھدوں۔ یہہ سن کر راجہ فکرمند ہوا۔ اور سر نیچا کرکے سوچنے لگا۔ مولانا عبداللہ نے مندر جاکر دیوار کے ایک کونہ کا پتھر جو مقناطیس کا تھا نکال ڈالا، ہاتھی نے ایک پیر زمین پر رکھدیا۔ اس طرح دوسرے دن دوسرا اور تیسرے دن تیسرا، اور چوتھے دن چوتھا پتھر نکالنے سے چاروں پیر ہاتھی نے زمین پر رکھدیئے، لوگوں میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ کہ ہزاروں برس کا مہادیو نیچے گر پڑا۔ کیا کوئی زلزلہ آیا۔ یا کوئی جدید مذہب ظاہر ہوا۔ پھر لوگوں میں چرچا ہونے لگا۔ کہ تین پردیسی پنڈت جو آئے ہیں۔ شاید انہیں کا یہہ کام ہو۔ ہم کو ستانے کے لئے ایسا کیا ہے۔ سب لوگ یہہ مشورہ کرکے راجہ کے یہاں فریاد لے گئے۔ اور عرض کیا کہ اے مہاراج! ہمارے بڑے

مندر کا پجاری بدل گیا ہے، اور مسلمان ہو کر تینوں پردیسیوں کے ساتھ یہہ کام کیا ہے۔ تا[illegible] ہم لوگوں کو روحانی تکلیف پہنچائے، راجہ تو سب بات جانتا تھا، مگر لوگوں کو دکھانے ک[illegible] ایک فوج کو حکم دیا کہ تینوں کو بلالاؤ۔ تاکہ بحث و تکرار کرکے معلوم کیا جائے کہ نیا دین س[illegible] ہے کہ نہیں۔

راوی لکھتا ہے کہ تینوں بڑے مندر کے پاس ان دنوں رہتے تھے، اور قرآن تلاوت میں معروف تھے، علم دین جو پڑھا تھا، اس کی تعلیم دیتے تھے، کہ اتنے میں راجہ کی [illegible] پہنچی، اور مکان کا محاصرہ کر لیا۔ یہہ دیکھ کر تینوں کو غصہ آگیا، یہہ امام زماں کے نائب ت[illegible] غصہ کی نظر سے دیکھتے ہی فوج میں آگ لگ گئی، کپڑے جلنے لگے، پھر تو بھاگڑ مچ گئی۔ یہہ خبر ج[illegible] راجہ کو ملی، تو راجہ خود وزیر تارمل کو مع ارکین دولت مکان پر آیا۔ اور ادب کے سا[illegible] دست بستہ کھڑے ہو کر عرض کیا کہ

"اے صاحبو! میری رعیت کہتی ہے، کہ جب سے آپ لوگ آئے ہیں، ہما[illegible] دل دکھتا ہے، آپ کے آنے کے بعد ہمارا ہاتھی جو ایک عرصہ سے معلق کھڑا تھا، گر گیا، آ[illegible] حضرات کچھ دیر تک خاموش رہے، پھر مولائی عبداللہ نے سب کو بیٹھنے کی اجازت دی، [illegible] کے پاس ہی ایک بت (مورتی) پتھر کا تھا۔ آپ نے اس کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ ا[illegible] پتھر کے بت سے کہو کہ تمہارے مہادیو (ہاتھی) کو بلند کرکے تمہارے درد دل کو دور ک[illegible] راجہ نے کہا کہ حضرت یہہ تو پتھر کی مورتی ہے، بھلا یہہ سن یا بول سکتی ہے۔ یا کچھ کا[illegible] کر سکتی ہے۔

آپ نے فرمایا کہ، اے راجہ! یہہ تو تم سمجھتے ہو، کہ پتھر کا بت بولتا نہیں۔ لیکن [illegible] وقت اگر بولے، یا جو سوال کریں اس کا جواب دے، تو پھر کیا؟ اس وقت راجہ نے [illegible]

سے کہا کہ اے وزیر! تمام لوگوں کو جو آپ فرماتے ہیں کہہ دو۔ تاکہ جس کو کچھ پوچھنا ہو یا جواب دینا ہو تو وہ گفتگو کرے۔ جب وزیر نے حضرت عبداللہ کی بات سنائی تو کسی نے کچھ جواب نہ دیا، سب لوگ خاموش رہے، تب راجہ نے حضرت عبداللہ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر یہہ پتھر کا بت جو آپ سے باتیں کرے یا ہمارا کچھ کام کر دے، اور یہہ کہدے کہ آپ کا دین سچا اور ہمارا جھوٹا، تو پھر ہم سب اس بت کو چھوڑ دیں گے، اور آپ کے مقلد ہو جائیں گے۔ پھر راجہ نے سب کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ کیوں بھائیو، میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نہ؟ تمام لوگوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہاں مہاراج! بالکل ٹھیک آپ نے فرمایا۔ اگر ایسا ہو تو پھر ہم سب اس بت کو چھوڑ دیں گے، اور آپ کی پیروی کریں گے۔

مولائی عبداللہ یہ سن کر ہنس دیئے۔ اور اپنے سامنے جو بت تھا، اس کو مخاطب کرکے کہا کہ "اے بت! تو یہاں آ" حکم کے ساتھ ہی فوراً آگیا۔ آپ نے فرمایا،

"بتلا کون دین ٹھیک ہے، اور کون غلط"

بت نے جواب دیا کہ "آپ کا دین سچا ہے، اور ہمارا دین غلط ہے"

یہہ سن کر راجہ اور وزیر بلکہ سب لوگ متحیر ہو گئے، اور کہنے لگے کہ دیکھو ان حضرات کی کرامت سے یہہ بت بولنے لگا۔ اس کے بعد مولائی عبداللہ نے ایک خالی لوٹا دیکر فرمایا کہ جاؤ فلاں تالاب سے پانی بھر لاؤ، وہ بت دوڑ کر گیا۔ اور پانی بھر لایا، مگر ان حضرات کی کرامت سے سارے تالاب کا پانی ایک لوٹے میں سما گیا، اور تالاب خشک ہو گیا، سارے شہر میں ایک دھوم مچ گئی، کہ پانی پانی، راجہ نے عرض کیا کہ حضرت! یہہ بت لوٹے میں پانی لے آیا، اس سے تالاب خشک ہو گیا، اس کو حکم کیجئے کہ تالاب میں پانی واپس کر دے۔ مولائی عبداللہ نے اس بت سے فرمایا کہ جا "نگینہ تالاب" میں پانی ڈال

آؤ۔ وہ بُت جاکر پانی ڈال آیا۔ ہر طرف سے شور مچ گیا کہ پانی آگیا پانی آگیا۔ تب مولائی عبداللہ نے تمام لوگوں سے کہا کہ اب تم سب اپنا اپنا جنیو (زُنار) توڑ ڈالو' اور اس طرح کلمہ پڑھو، لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، سب لوگ سر بسجود ہوگئے، اور اپنا اپنا جُنیو توڑ ڈالا۔

راوی لکھتا ہے کہ اس دن صرف برہمنوں کا جُنیو وزن میں سوا من تھا[1]۔ اس کے علاوہ دوسرے اور صدہا لوگوں نے بھی اسلام کا اعلان کیا۔ یہ وہ لوگ تھے' جو ابھی تک خفیہ مسلم تھے' اور اسلام کے اعلان کی جرأت نہ پاتے تھے' اب جب کہ غیر مسلموں کا ایک گروہ اسلام لے آیا، تو انہوں نے بھی اسلام کا اعلان کر دیا۔ پھر ان لوگوں کو سورۂ کافرون تک قرآن یاد کرایا۔ وضو اور تشہد ہندی (گجراتی) میں سکھایا، اور نماز پڑھانے لگے، ان کے لئے مسجد بھی تیار کر دی۔ پھر تو تمام لوگ اپنے اپنے لڑکے اور لڑکیوں کو قرآن کی تعلیم دلانے لگے۔

مولائی عبداللہ اور مولائی نورالدین نے چار پانچ لڑکوں کو جو عمر میں ذرا بڑے تھے، ذہین اور چالاک بھی نظر آتے تھے' خود پڑھانا شروع کیا۔ دوسرے چھوٹے لڑکوں کو یہ بڑے لڑکے تعلیم دیتے۔ اس وقت ظاہری ریاست اور سیاست سدھ راج جے سنگھ کی تھی۔ تارمل اور بھارمل انتظام ریاست میں مددگار تھے۔

---

[1] مصری من ایک سو بیس[۱۲۰] مثقال کا ہوتا تھا۔ جس کے ۴۰ تولے ہوئے، ایک جنیو اگر آدھے تولہ کا مان لیا جائے۔ تو سوا من جنیو کے تقریباً سوا سو (۱۲۵) آدمی ہوئے، اس عہد میں اسقدر آدمی کا مسلمان ہوجانا پھر غیر مسلم سلطنت میں کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ موسم بہار میں (۲۶۰) رطل لکھا ہے۔ اس حساب سے بھی چار پانچ سو سے زیادہ آدمی نہ ہوئے۔

لیکن دینی احکام اور شریعت کی تعلیم یہ تینوں مولانا دیتے تھے۔ خصوصاً مولائی عبداللہ اور مولائی نورالدین بھارمل کے لڑکے یعقوب اور تارمل کے لڑکے فخرالدین کی تعلیم و تربیت پر بہت محنت صرف کرتے تھے، یہاں تک کہ یہ لوگ علم میں باکمال ہو گئے۔ تب مولائی عبداللہ پٹن تشریف لے گئے، اخبار میں ہے کہ پٹن کے بھی بہت لوگ ایمان لائے۔ اس کے بعد مولائی عبداللہ پٹن سے سدھ پور گئے۔ وہاں بھی بکثرت لوگ مومن بنے، غرض گجرات میں چاروں طرف ایمان کی روشنی پھیلی۔ کفر و شرک کی ظلمت دور ہوئی۔ ہر طرف مسجدیں تیار کرا کر آباد کی گئیں۔ ہر کوچہ سے اللہ اکبر کی آواز آتی تھی۔

راوی لکھتا ہے کہ جے سنگھ راجہ کی ایک لڑکی تھی، جس کی شادی مولائی یعقوب بن بھارمل سے کر دی گئی، مولائی یعقوب اور مولائی فخرالدین دونوں علم و فضل کے آفتاب اور ماہتاب تھے۔ مولائی عبداللہ اور مولائی نورالدین کی طرح دونوں علم و فضل، بحث و مناظرہ میں بڑے ہوشیار تھے، اور علم مجلسی سے بھی باخبر۔ راجہ جے سنگھ اور اس کے دونوں وزیر بھارمل اور تارمل، گجرات میں دین کے ارکان تھے۔ یہ تینوں دینی امور کے اجرا میں بڑی مدد دیتے تھے۔ ۱۴ ماہ صفر میں کاکا اکیلا اور کاکی اکیلی دونوں ایک ہی دن بمقام کھمبائت انتقال کر گئے۔ دونوں کھمبائت کے کھیت میں دفن کئے گئے۔ اور جس کنوئیں سے پانی نکالا گیا تھا وہ اس وقت تک اس کھیت کے پاس موجود ہے' اس کے بعد مولائی احمد صاحب نے دعوت کے تمام امور مولائی عبداللہ کو سپرد کر کے خود دسویں محرم کو کھمبائت میں وفات پائی۔ ساحل دریا کے پاس آپ کی قبر ہے[1]۔ اور ۱۰ جنوری ۱۸۸۶ء

---

[1] اب مقبرہ دریا سے دور ہو گیا ہے۔

کے ایک دستاویز سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق جائدادیں دی گئیں۔ آپ کی
وفات سے مولائی عبداللہ اور مولائی نورالدین کو بے حد صدمہ ہوا۔ اور مومنین بھی مبتلائے غم ہوئے
اس کے بعد ۵۳۶ھ ۴۳ ۶ ہیں راجہ جے سنگھ نے وفات پائی۔ پھر بھارمل اور تارمل
کا انتقال ہوا۔ ان تینوں کی قبریں کہاں ہیں کسی تاریخ میں اس کا ذکر ملا نہیں[1]۔ اگلے
زمانہ میں لوگ ان کی زیارت کو جاتے تھے۔ لیکن متأخرین بہ سبب انقلاب زمانہ اور طویل

---

[1] بوہرہ قوم کے قدیم ہندی مورخ نے ستر رسائل میں لکھا ہے کہ جب سدھ راج مر گیا تو وزیر
نے لوگوں سے کہا اے لوگو راجہ بڑا پاکباز تھا۔ اس وقت فرشتوں (یا دیوتاؤں) کی آمد ہے اس لئے
تم سب یہاں سے تھوڑی دیر کے لئے چلے جاؤ چنانچہ سب چلے گئے صرف چند مسلمان رہ گئے تو مسلمانوں
نے فوراً ہی گھر میں قبر کھود کر اسے دفن کر دیا۔ اور اس کے پلنگ پر پھول اور گلاب ڈال دیا۔ اور پھر جب باہر
کے لوگ آئے تو سب سے کہا کہ راجہ کو فرشتے اٹھالے گئے۔ دیکھو وہ جا رہا ہے۔ جو شخص پاکباز پاک
طینت ہوگا اس کو نظر آئے گا۔ چنانچہ لوگوں نے اس کی تصدیق کی کہ ہاں ہاں وہ جا رہا ہے۔ اس طرح
معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ چنانچہ مرآۃ احمدی کے خاتمہ میں درج ہے کہ

(ترجمہ) آخرکار راجہ بھی باطن مسلمان ہو گیا۔ لیکن مصلحت عامہ کے خیال سے
اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھتا تھا۔ اور وفات کا وقت قریب ہوا تو وصیت کی کہ کفاروں
کے طریقہ پر مجھے نہ جلائیں۔ اہل اسلام کے طریقہ پر مجھے دفن کر دیں۔

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ ....

(ترجمہ) شیخ احمد دہلوی سدھ راج جے سنگھ کے عہد حکومت ۵۲۵ھ میں کہ لفظ
"رونق اسلام آمد" سے ظاہر ہے مقام پٹن تشریف لائے۔ اور ۴۲ سال زندہ

مدت گزر جانے کے اس سے بے خبر ہو گئے۔ مولائی عبداللہ نے مولائی نورالدین کو دکھن کی طرف
ہدایت کے لئے بھیجا جہاں بہت لوگ آپ کے ہاتھ پر ایمان لائے۔ آپ کا انتقال اسی طرف
ہوا۔ اور آپکی قبر سے بھی بہت کرامات ظاہر ہوئیں اور جب خبر وفات مولائی عبداللہ کو ملی تو بیحد غمگین
ہوئے۔ مولائی عبداللہ مولائی یعقوب ابن بھارمل نے بابا فخرالدین ابن تارمل کو "واگڑ"
کے ہدایت کے واسطے بھیجا۔ آپ کے ذریعہ سے بھی بہت لوگ مومن بنے۔ مگر دشمنوں نے قلیہ واگڑ
کے گلیاکوٹ موضع میں آپ کو ۲۷ محرم کو شہید کر ڈالا۔ اس مقام پر آپکی قبر مشہور و معروف ہے[1]

رہ کر ۵۵۵ھ میں کہ "نور کبریا اللہ" سے ظاہر ہے کہ وفات پا گئے۔ بعض کہتے ہیں سدھراج جے سنگھ کو محمد بہن
نے مسلمان کیا تھا۔ لیکن وہ مرتد ہو گیا۔ اور ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حاجی بابا جب نے انکو مسلمان
کر کے کلمۂ شہادت کی تلقین کی۔ اور اس کے بعد وہ غائب ہو گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ حاجی بابا ہی نے اس کو مار ڈالا۔
(شاید مرتد ہونے کے بعد) لیکن اصلی حقیقت نہ معلوم ہو سکی کہ وہ مسلمان ہوا یا مار ڈالا گیا۔ ہندوؤں کی زبانی سنا
کہ بعض جوگی کہتے تھے کہ سدھ راج نہ مسلمان ہوا نہ مارا گیا۔ بلکہ اب تک زندہ ہے۔ خدا نے اس کو پوشیدہ
کر ڈالا ہے۔ واللہ اعلم۔ بہر حال اس قول کا اعتبار نہیں ہے جس طرح ہو۔ اصل واقعہ یہی ہے کہ سدھ راج
گم ہو گیا۔ ان دونوں شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنین کا بیان صحیح ہے اور ٹھیک کبیر داس کی طرح
مسلمانوں نے اس کی لاش مخفی طور پر دفن کر دی اور پھول رکھ دیئے۔

[1] گلیاکوٹ ریاست ڈونگر پور کا ایک قصبہ مہی ندی کے کنارے ہے۔ لوگ رتلام دوحد سے جاتے تھے
اب تو احمدآباد سے بذریعہ موٹر جا سکتے ہیں۔ سیدی فخرالدین کے صاحبزادے سیدی داؤد بھائی کا مزار بھی اسی کے قریب ہے
گلیاکوٹ کی زیارت گاہ مشہور و معروف ہے۔ جو لوگ زیارت کے لئے جاتے ہیں ان کے قیام اور طعام کا بندوبست معقول ہے۔
اور اس کیلئے بمبئی میں ایک فنڈ کھولا گیا ہے۔ جو ایک کمیٹی کے ماتحت ہے۔ اور سارے انتظامات اسی کے سپرد ہیں۔ سالانہ حساب بھی شائع

مولائی عبداللہ کا انتقال بھی کھنبایت میں ہوا[1] اور مولائی یعقوب کو اپنا قائم مقام بنایا۔ اس کے بعد مولائی یعقوب صاحب پٹن میں الامام زمان کی طرف سے دعوت کرتے رہے۔ اور دعاۃ یمن کے ذریعہ تمام مومنین کے حالات بھیجتے رہے۔ اور ان کے حکم کے بموجب دعوت کا کام سنبھالتے رہے۔ پٹن میں آپ کی وفات ہوئی اور آپ کی قبر بھی مشہور ہے۔ مولانا یعقوب پہلے ہندی فرزند ہیں جو ہند کے والی مقرر ہوئے۔ خالص اچھوت تھے۔ اور آباؤ اجداد سے اہل دول میں شمار ہوتے تھے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ مولائی عبداللہ کے صاحبزادے مُلّا علی موجود تھے۔ مگر آپ نے اپنی نیابت کی تعلیم مولائی یعقوب کو دی اور اپنی وفات کے وقت آپ نے امر دعوت کے متعلق اپنے لڑکے مولائی اسحاق کو منصوص کیا۔ آپ نے بھی پٹن میں وفات پائی۔ آپ کی تربت بھی مشہور و معروف ہے۔ آپ نے اپنے لڑکے مولائی علی کو قائم مقام کیا۔ آپ کے تین شاگرد تھے۔ آپ کے فرزند مُلّا آدم، اور مُلّا داؤد اور تیسرے حسن پیر۔ سب کی جب تکمیل و تعلیم ہوگئی تو ۸۱۳ھ میں مُلّا آدم[2] کو احمد آباد،

---

[1] مولائی عبداللہ کا روضہ کھنبائت کے شہر پناہ کے باہر لوہرہ محلہ کے قریب ہے۔ موجودہ ریلوے اسٹیشن سے جو سڑک شہر کو جاتی ہے اور جو دروازہ ملتا ہے اس کے قریب ہی ہے۔ ایک بڑا قبرستان (سُنیوں کا) روضے کو گھیرے ہوئے ہے۔

[2] میرے خیال میں یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ احمد آباد اس وقت آباد نہیں ہوا تھا۔ البتہ مولائی حسن پیر کے وقت آباد ہوگیا تھا۔ اس کے علاوہ باقاعدہ تاریخ درمیان کی چند کڑیاں مفقود نظر آتی ہیں، کیونکہ سدھ راج نے ۵۳۶ھ میں انتقال کیا۔ اور مولائی حسن پیر نے ۸۱۳ھ کے قریب وفات پائی اس تین سو برس میں صرف تین پُشت کا ہونا قرین قیاس نہیں ہے۔

اور پیر حسن کو سدھپور بھیجا۔ اور مُلّا داؤد کو اپنے پاس پٹن میں رکھا۔ اپنی وفات کے وقت مولائی حسن پیر کو نائب کیا۔ آپ بڑے عالم فاضل تھے۔ آپ کے علم کی شہرت دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔ بادشاہ وقت نے آپ کو جڑاؤ کرسی تحفۃً بھجوائی۔ مگر آپ نے واپس کر دیئے۔ اور نواب نے (شائد اس سے مراد گورنر ہو) آپ کو تخت پر بٹھایا اور خود دست بستہ کھڑا اُستادہ رہا۔ آپ نے قرآن کی آیت "حتی یلج الجمل فی سم الخیاط" کی تفسیر فرمائی۔ نواب بہت متاثر ہوا۔ اور آپ کی بڑی عزت کرتا تھا۔ اسی باعث دشمنوں نے عداوت سے آپ کو شہید کر ڈالا۔ وفات کے وقت آپ نے امور دعوت مُلّا آدم کے سپرد کیا۔ اور پھر انتقال کے وقت آپ نے دعوت کا کام اپنے لڑکے ملا حسن کے سپرد کیا۔ اور مُلّا حسن نے اپنے لڑکے مُلّا راج کو یہ مرتبہ بذریعہ نص عطا کیا۔ اور مُلّا راج نے مُلّا جعفر کو اپنا جانشین بنایا۔ اسی عہد میں یمن کے داعی نے ایک ادنیٰ بھشتی کو ہند کا والی بنا کر بھیجا۔ جس سے مقصود فقط امتحان تھا۔ کہ آیا ہند کے لوگ داعیانِ یمن کی صحیح پیروی کرتے ہیں یا نہیں۔ ہند کے مومنین اس آزمائش میں پورے اُترے۔ تب داعی یمن نے ایک فاضل اجل سیدنا و مولانا یوسف بن سلیمان کو داعی مطلق کا رتبہ بامر نص عطا فرمایا۔ آپ کے داعی مطلق ہونے پر داعی جعفر آپ کے ماتحت ہوگئے۔

اوپر جو کچھ تحریر ہوا وہ مجالس سیفیہ کی روایت ہے۔ راس مالا میں لکھا ہے کہ یعقوب نامی ایک آدمی اپنے گھر کے خانگی تنازعہ سے گھبرا کر ۵۳۲ھ ۱۱۳۷ء میں مصر سے کھنبائت پہونچا۔ اسماعیلیہ فرقہ کا یہ پہلا شخص ہے جو ہند میں وارد ہوا۔ ان کا بڑا داعی اس وقت یمن میں ذویب بن موسیٰ تھا۔ مصر میں امام مستنصر باللہ تھے۔ اور گجرات میں سدھ راج جے سنگھ۔ یعقوب کھنبائت میں ایک مالی کے گھر فروکش ہوا۔ اور پھر اس کو اپنے مذہب میں داخل کیا۔ یہ

ہند کا پہلا شخص تھا جو اس مذہب میں داخل ہوا۔ کچھ دنوں کے بعد برہمن کے ایک لڑکے کو مسلمان کیا۔ سدھ راج کے دو دیوان بھارمل اور تارمل دو بھائی تھے۔ جو کھنبائت کے مندر میں اکثر آیا کرتے تھے۔ وہاں ایک ہاتھی لوہے کا سنگِ مقناطیس کے عمل سے معلق تھا۔ یعقوب نے ان تھپروں کو نکال ڈالا۔ اور برہمنوں سے مباحثہ کرکے جیتا۔ جب سدھراج اور اس کے درباریوں کو ایسی کرامات دکھلائیں تو انہوں نے اس کا مذہب اختیار کر لیا۔ اور ان کی متابعت دوسروں نے کی۔ اور پھر ان نومسلموں نے عرب سے بیوہار (تجارت) شروع کر دیا جس سے بیوہارے اور پھر بوہرے کہلانے لگے۔ یہ دونوں روایتیں تقریباً ایک ہی ہیں۔ فقط ابتدائی حصہ میں اختلاف ہے[1]۔ مورخوں نے مجالس سیفیہ کی اس روایت کو درائت کی نظر سے دیکھا ہے۔ اور متعدد تنقیدیں کیں ہیں۔ الامام المستنصر باللہ کا عہد امامت ۴۲۷ھ سے ۴۸۷ھ تک ہے سدھراج جے سنگھ سولنکی جو گجرات کا راجہ تھا۔ اس کی پیدائش بمقام پالنپور ۱۰۹۱ء میں ہوئی جب اس کے باپ کرن نے وفات پائی تو یہ صرف تین سال کا بچہ تھا۔ اس کی ماں مینل دیوی اس کی طرف سے حکومت کرتی تھی۔ جس وقت اس کو حکومت ملی تو وہ دودھ پیتا بچہ تھا ۱۰۹۴ء/۴۸۷ھ سے ۱۱۴۳ء/۵۳۸ھ تک حکومت کی۔ اس لحاظ سے امام مستنصر کی وفات اور راجہ کی تخت نشینی دونوں ایک ہی سال ۴۸۷ھ کا واقعہ ہے۔ اس لئے یہ واقعہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ میرے خیال میں تطابق اس طرح ممکن ہے کہ یہ واقعہ کم از کم یوں ہو سکتا ہے کہ امام موصوف کے عہد میں مع لائی اور یہاں بغرض تبلیغ آئے ہوں اور دو لڑکے یہاں سے لیجا کر تعلیم و تربیت کے بعد واپس لاکر تبلیغ کا کام ان کے ذریعہ سے انجام دیا ہوگا۔ اس کے بعد امام موصوف کا انتقال ہو گیا ہوگا۔

---

[1] راس مالا گجراتی ص ۲۱۵

پس راوی نے ابتدائی عہد سدھراج اور آخری عہد الامام المستنصر کا واقعہ ذکر کیا ہے۔ راوی کا یہ منشا نہیں کہ شروع سے آخر تک دونوں کا عہد ایک ہی ہے۔ چنانچہ اس کی تائید اس بیان سے ہوتی ہے کہ بعض لوگوں نے داعی عبداللہ کی آمد ۱۰۶۷ء/۴۶۰ھ تحریر کی ہے[1]۔ اس صورت میں مسئلہ صاف ہے یہی داعی عبداللہ بھیم دیو کے آخری عہد میں تشریف لائے اور تبلیغ میں مشغول ہو گئے۔ راجہ کرن کے بعد جب سدھراج تخت نشین ہوا۔ تو اس کے عہد میں تبلیغی جدوجہد کے نتائج برآمد ہوئے۔ پھر یہی راوی آگے چل کر لکھتا ہے کہ ۱۱۳۰ء/۴۸۲ھ تک اس مذہب کی اشاعت اور نفوذ میں کوئی بات حارج و مانع نہ ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس سے پہلے جو تبلیغی جدوجہد ہوئی اس میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن سنہ ۱۱۳۰ء (جو سدھراج کے عہد کا متوسط زمانہ ہے) سے آسانی ہوگئی (راس مالا جلد دوم دیکھو بوہروں کا حال) امر دوم یہ ہے کہ بھارمل اور تارمل دو وزیروں کا پتہ کسی تاریخ سے نہیں ملتا۔ اس لئے امکان ہے کہ راوی نے اس معاملہ میں غلطی کی ہو۔ گزارش یہ ہے کہ اول تو ہندوؤں میں تاریخ لکھنے کا رواج ہی نہ تھا۔ چنانچہ کوئی کتاب اس وقت تک قدیم زمانہ کی تاریخ گجرات کے متعلق دستیاب نہیں ہوئی۔ بجز ایک رتن مالا کے، اور وہ بھی ناقص اور مبالغہ سے پر ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بھاٹ یا بعض تاریخ نویسوں کا ہند میں یہ دستور تھا۔ کہ جو بادشاہ یا اراکین میں سے ان کے خیال میں ناقابل ہوتا اس کا یا تو ذکر ہی نہیں کرتے ہیں۔ یا فقط اس قدر لکھنے پر اکتفا کرتے

---

[1] خوج بن ملک صاحب نے سنہ رسائل میں ایک روایت یہ بیان کی ہے کہ سیدی عبداللہ سنہ ۴۶۰ھ میں آئے۔ یہ زمانہ بھیم دیو سولنکی کا ہے۔ مگر خود ہی آگے چل کر امام المستنصر کے عہد کی روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

ہیں کہ پیدا ہوا اور مرگیا۔ ایسی صورت میں بھارمل اور تارمل کو قدیم تاریخ ہند کے اوراق میں
تلاش کرنا چاند پکڑنے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا، اس کے علاوہ راجہ کے مختلف قسم کے
وزراء ہوتے ہیں۔ مثلاً وزیراعظم، وزیر جنگ، وزیر مال، وزیر بحری وغیرہ، بہت ممکن
ہے کہ بھارمل اور تارمل معمولی وزیر ہوں اور وزیراعظم کوئی دوسرا ہو۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے
کہ اغلباً یہ دونوں بحری چونگی (محصول) کے وزیر ہوں گے۔ اور اسی سبب سے ان کا کھنبائت
آنا جانا زیادہ ہوتا تھا۔ سدھراج کے دو وزیروں کا نام گجراتی تاریخوں میں سامتو، اور
منجال ملتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ان کا اصل نام بھارمل اور تارمل ہو۔ ایک دفعہ سدھراج
ایک ملکی معاملہ میں غلطی کرنے سے سامتو سے ناراض ہوگیا۔ ہوسکتا ہے کہ اسی طرح دنیا سے
بیزار ہوکر اس جدید مذہب میں داخل ہوکر روح کو تسکین دی ہو۔ جینی کتابوں میں ایک اور وزیر
کا نام ملتا ہے۔ جو سدھراج کی آخری عمر میں وزیراعظم تھا، جس کا نام "باھڑ" تھا جو ممکن
ہے تغیر زبان سے "بھار" ہوگیا ہو۔ اور پھر لوگوں نے "مل" اس پر اضافہ کردیا ہو۔ کیونکہ
بھارمل اور تارمل گجراتیوں کے نام اس عہد میں نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ کچھ اور سندھیوں کے
ہوتے تھے۔ اغلب ہے کہ یہی شخص ہو جس کو مومنین نے بھارمل کہا ہو۔ لیکن سدھراج جے سنگھ
کے اسلام کے متعلق معاملہ بہت پیچیدہ ہے؂۔ کیونکہ وہ عام طور پر بہت پکا ہندو تھا۔ اور اسی
لئے سدھراج کا خطاب اس کو دیا گیا تھا۔ اور تمام تاریخیں [illegible] جو دہیں۔ اور جین مذہب کی

؂ منتزع الاخبار نعمی، اور ریلی منڈی مصنفہ سیدی صفی الدین میں بسدھ راج جے سنگھ
اور بھارمل جی کو متحد اور ایک ہی شخصیت [illegible] ہے۔ جس سے پیچیدگی اور زیادہ ہوجاتی ہے
میرے خیال میں ان دونوں مصنفوں کو غلط فہمی ہوگئی ہے۔

کتابوں سے بھی اس کا ہندو ہونا ہی ثابت ہوتا ہے۔ شائد سدھراج جو ایک عادل راجہ تھا۔ اور
ہر قوم و ملت کے ساتھ ملتا جلتا تھا۔ اس لئے ہر ملت کا آدمی یہی سمجھتا تھا کہ یہ راجہ میرے ہی مذہب
کا ہے۔ ان مبلغین اسلام کے ساتھ بھی اس نے فیاضانہ برتاؤ کیا ہوگا۔ اور ان کے تبلیغی کاموں میں
کسی طرح سے رکاوٹ نہ ڈالی ہوگی۔ بدیں سبب ان نومسلموں کو ایسا ہی معلوم ہوا ہوگا۔ کہ ہمارے
مذہب میں داخل ہے۔ جیسا کہ اکبر بادشاہ کا حال تھا۔ جس کو ہندو، جینی، پارسی، عیسائی سب اپنے
اپنے مذہب کا آدمی سمجھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ محمد عوفی جس کی مشہور کتاب جامع الحکایات ہے۔
اس نے سدھراج کے متعلق بہت سی حکایات نقل کی ہیں۔ لیکن اس نے تبدیل مذہب کے متعلق
ایک لفظ نہیں لکھا ہے۔ حالانکہ وہ خود بھی محب اہل بیت (شیعہ) تھا۔ اور کچھ عرصہ تک۔۔
کھنبائت میں مقیم بھی رہا تھا۔ لیکن عوفی کا اپنی کتاب میں قطب علی امام مسجد کا واقعہ خود اس بات
کا شاہد ہے کہ سدھراج کو ضرور کوئی خصوصیت کھنبائت کے مسلمانوں سے تھی۔ اور اسی لئے خاموشی
کے ساتھ خود کھنبایت آکر اس نے تحقیقات کی۔ اور سب سے آخری بات یہ ہے کہ یہ سب
باتیں ایسی تھیں کہ جن کے اظہار سے ملک میں بدامنی کا اندیشہ تھا۔ کیونکہ ملک کا کثیر حصہ ہندو
آبادی پر مشتمل تھا۔ بدیں وجہ ملک میں امن وامان قائم رکھنے کے لئے ضرور تھا کہ اگر سدھراج
نے تبدیل مذہب بھی کرلیا ہو تو [illegible] راز سے لوگوں کو بے خبر رکھے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہہ
سکتے ہیں کہ وہ مسلمان [illegible] سے عمر بھر ہندو بنا رہا۔ راس مالا کی روایت میں متعدد
غلطیاں [illegible] ہیں، اول تو ۵۳۳ھ / ۱۱۳۰ء میں امام مستنصر باللہ تھے ہی نہیں۔ کیونکہ ان کا عہد [illegible]
تک ہے۔ دوم یہ بھی غلط ہے کہ اس مذہب کا پہلا شخص یعقوب نامی ہے۔ جس نے اس کی زمین
پر قدم رکھا۔ تاریخی تحقیقات سے ثابت [illegible] محمدی کے واسطے سے سندھ و گجرات میں
اس فرقے کے لوگ اپنے کام میں مصروف تھے۔ بلکہ اسماعیلیہ فرقہ کے لوگ ملتان اور منصورہ

راویوں کا جو حال ہوتا ہے وہ یہاں بھی ظاہر ہے۔ اس لئے مبالغہ سے قطع نظر کر کے اصل مواد کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ شیخ فیض اللہ بھائی شیخ لقمان جی نے اپنی تصنیف میں کیا ہے۔[1]

[1] ان کی تصنیف آدم جی پیر بھائی کے مقدمہ ۱۳۲۲ھ سے پہلے کی ہے۔ اور مُلا صاحب کی اجازت سے تحریر کی گئی ہے۔

پر قابض ہو گئے تھے۔ چنانچہ العزیز باللہ متوفی ۳۸۶ھ کے حکم سے جلّم بن شیبان نے ملتان اور سندھ پر قبضہ کر لیا، جس کا خاندان سلطان محمود غزنوی تک قابض رہا۔ ابن شیبان نے متعدد راجوں کو شکست دے کر ان کے ملک پر قبضہ کیا۔ ایک راجہ خود ہی مسلمان ہو گیا۔ غالباً اسی کی لڑکی سے اس نے شادی کر لی۔ ملتان کا مشہور بُت خانہ اسی نے تباہ کر دیا۔ بعض مؤرخوں نے ان کو قرامطہ اور کسی نے۔ ملاحدہ لکھا ہے۔ لیکن بشاری مقدسی جو چوتھی صدی کے آخر میں سندھ آیا تھا۔ اس نے صاف صاف لکھا ہے۔ کہ یہاں کی حکومت مصر کے ماتحت ہے۔ مصر کے فاطمی ائمہ کا حکم یہاں جاری ہے۔ ان کی اجازت بغیر کوئی کام نہیں ہوتا۔ بلکہ اسماعیلی تاریخوں میں لکھا ہے کہ سندھ سے ائمہ فاطمین (خلفاء فاطمین) کی خدمت میں سالانہ تحائف بہ کثرت آتے تھے۔ اور ایک دفعہ جب تمام دنیائے اسلام کے دعاۃ جمع ہوئے تو سندھ کا داعی بھی آیا تھا۔ اور اس نے سوال کیا کہ ہم میں اور امام میں کیا فرق ہے۔ جواب دیا گیا کہ یوں تو برابر ہیں لیکن فرق مفید اور مستفید کا ہے۔ ایسی صورت میں یہ یاد کرنا کس قدر مشکل ہے کہ۔ یعقوب اس مذہب کا پہلا شخص ہے جو ہند آیا۔ ۴۰۱ھ میں محمود غزنوی کی فتح ملتان کے بعد اکثر اسماعیلی گجرات چلے آئے تھے۔ جو راجہ کے ماتحت زندگی بسر کر رہے تھے۔ بات یہ ہے کہ داعیوں کے بہت سے مدارج ہیں۔ اس وقت تک گجرات میں جس قدر آئے ہوں گے۔ وہ سب صرف دعوت کا کام کرتے ہوں گے۔ غالباً مولائی احمد پہلے داعی ہیں۔ جو سرکاری طور پر، امر و نہی کا اختیار حاصل کر کے گجرات آئے۔ اور اعلانیہ دعوت کا کام شروع کیا۔ مجالس سیفیہ کی روایت بدیں سبب بھی معتبر ہے کہ اس کی تائید منتزع الاخبار سے بھی ہوتی ہے۔ اور صاحب سندہ رسائل بھی اسی کا مؤید ہے۔ دوسرے "صاحب البیت ادریٰ بما فیہ" (آدمی اپنے گھر کا حال خوب جانتا ہے) کے مطابق بھی اسی کو صحیح ماننا چاہیئے۔ لیکن مذہبی

فہرست والیانِ ہند مع مختصر حالات

نمبر	اسماء ولاۃ ہند	سنہ وفات	مدفن	کیفیت
۱	مولائی احمد	۱۰ محرم	کھنبائت	آپ مصر سے یمن ہوکر گجرات تشریف لائے اور دو غیر مسلم لڑکوں کو مصر لے جاکر تعلیم دی۔ اور واپسی گجرات پر ان دونوں کے توسط سے تبلیغ اسلام میں تمام عمر مصروف رہے ۔
۲	مولائی عبداللہ	یکم محرم تقریباً بعد ۵۳۶ھ	کھنبائت	آپ ان دو لڑکوں میں سے ایک ہیں جن کو مولائی احمد مصر سے واپس لائے ۔ اور آپ کے تبلیغ سے راجہ جے سنگھ، وزیر تارمل اور بھارمل و دیگر اشخاص دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ۔ سیدی و مولائی احمد کی قبر پر جو گنبد ہے ۔ وہ سیٹھ قائم علی طیب علی صاحب رئیس کھنبائت کا تعمیر کردہ ہے ۔ اور مولائی عبداللہ کی قبر پر گنبد تعمیر کردہ خان صاحب سیٹھ مُلا غلام عباس صاحب بن غلام علی بن قائم علی رئیس کھنبائت کا ہے ۔ اس پر جو قدیم کتبہ ہے اس کی عبارت مندرجہ ذیل ہے ۔

نمبر	اسماء ولاۃ ہند	سنہ وفات	مدفن	کیفیت
				ھذا قبر الداعی مولائی عبداللہ وھو اول من قام بالدعوۃ بامر الامام ۔ المستنصر باللہ داعیۃ داعی الجزائر ثلث، فھدی اللہ اکثر اھل الھند بصاحبہ مولائی احمد و کان لھما نزول فی عصر ج سنگہ سدھ راج وقد استجاب لھما واسلم ذالک بین ما سنہ ۴۶۵ و سنہ ۴۸۷ و بین سنہ ۵۳۶ وفاتہ قدس اللہ و نور روحہ و ضریحہ فی الاول من شھر محرم الحرام ۔ یہ قبر بوہروں کے قبرستان میں بلندی پر واقع ہے ۔ سنگِ مرمر کا کام اچھا ہے ۔ قدیم عمارت کے عوض جدید گنبد بعہد سیدنا طاہر سیف الدین تعمیر ہوا ہے ۔ ساتھ ہی فاتحہ خوانی اور عرس کے لئے جماعت خانہ بھی ہے ۔ نیم کے درختوں کے نیچے بنچیں بھی مسافروں کے آرام کے لئے رکھی ہیں ۔ صبح کے وقت عموماً عورتیں اور شام کو مرد زیارت کے لئے آتے ہیں ۔ آس پاس کی زمین بھی خرید لی ہے ۔ پُر فضا جگہ ہے ۔ برسر بالیں قدیم کتبہ ہے

نمبر	اسماء ولاۃ ہند	سنہ وفات	مدفن	کیفیت
				اور دیوار کے پاس جدید ۔ مولائی احمد کی قبر پر جو گنبد ہے، وہ سیدنا برہان الدین کے عہد کا ہے ۔ آپ کی قبر سُنی قبرستان کے وسط میں واقع ہے ۔ قبر پر عالیشان گنبد ہے ۔ جماعت خانہ بھی ساتھ ہے ۔ چھت پر سے بڑا پُر لطف نظارہ پیش نظر ہو جاتا ہے ۔ صحن کے نیچے ٹانکہ ہے ۔ جو برساتی پانی سے لبریز رہتا ہے ۔ ایک گوشہ میں بشکل کنواں بنادیا ہے، جہاں سے پانی نکال کر استعمال کرتے ہیں، قبر پر آپ کی وفات کی تاریخ ۱۰ ارمحرم ہے ۔ لیکن ۱۶ ارمحرم کو عرس ہوتا ہے، یہ جگہ پہلے سمندر سے قریب تھی اور اب دور ہو گئی ہے ۔ افسوس کہ سنہ وفات تحریر نہیں ہے ۔
۳	اجے پال عرف مولائی یعقوب بن بھارمل	۵۶۶ھ	پٹن	آپ تمام عمر تبلیغ میں مصروف رہے ۔ اور دعاۃ یمن کے ذریعہ مومنین کا حال امام وقت کے پاس ارسال فرماتے رہے ۔ آپ کی قبر پٹن میں ہے ایک قبر مولائی یعقوب کے نام جو مشہور ہے وہ سُنیوں کے قبضہ میں ہے ۔ اور کہتے ہیں کہ مولانا

نمبر	اسماء ولاۃ ہند	سنہ وفات	مدفن	کیفیت
				موصوف دہلی سے آئے تھے ۔ ایک تاریخ میں مولانا یعقوب کا سنہ ۵۸۴ھ میں آکر پٹن میں فوت ہونا مذکور ہے ۔ ان کی ایک مسجد بھی تھی ۔ جہاں تفسیر کا درس دیتے تھے ۔ ممکن ہے کہ سنہ ۵۸۴ھ میں دہلی ہو کر آئے ہوں اور دونوں ایک ہی ہوں بہر حال بوہرے مدعی کہتے ہیں کہ یہی قبر مولائی یعقوب بن بھارمل کی ہے ۔ واللہ اعلم بالصواب آپ کا انتقال بعہد کمار پال سولنکی ہوا ۔
۴	مولائی اسحاق بن یعقوب	۵۸۸ھ	پٹن	آپ کا انتقال بعہد بھیم دیو ثانی (سولنکی) ہوا ہے ۔
۵	مولائی علی بن مولائی اسحاق بن یعقوب		پٹن	
۶	شیخ ابراہیم بن یوسف		سدھپور	آپ کے حالات معلوم نہیں ہوئے ۔ کوکب فلک میں لکھا ہے کہ نہروالہ کے باشندے تھے، ہند کے والی رہے ۔ سدھپور میں انتقال فرمایا ۔

نمبر	اسماء ولاۃ ہند	سنہ وفات	مدفن	کیفیت
۷	مولائی حسن پیر بن مُلا علی	تقریباً ۸۱۴ھ	دیتمال	آپ[1] اپنے وقت کے بڑے علامہ تھے۔ آپکی علمی شہرت دُور دُور تھی تکمیل تعلیم کے بعد آپ کو سدھپور بھیجدیا گیا۔ جب والی ہند کا انتقال ہوگیا تو آپ ہند کے والی ہوئے اور پٹن میں مستقل قیام فرمایا۔ آپ کے عہد کا مشہور واقعہ یہ ہے کہ مظفر شاہ اول کا لڑکا تاتار خاں جو ناصرالدین محمد شاہ اول کے نام سے تخت نشین ہوا تھا، ایک دن تلاوت قرآن کے وقت یہ آیت اس کی نظر سے گزری

[1] مولائی حسن پیر کا انتقال مسلمہ طور پر محمد شاہ تاتار خاں کے بعد ہوا (۸۱۴ھ) عام داؤدی مورخین مولائی حسن پیر سے پہلے مولائی علی پھر مولائی اسحاق پھر مولائی یعقوب کا ذکر کرتے ہیں۔ اس طرح کل چار پشتیں ہوتی ہیں۔ حالانکہ ۵۵۶ھ سے ۸۱۴ھ تک تقریباً اڑھائی سو برس میں صرف چار پشتوں کا ہونا کسی طرح عقل میں نہیں آتا۔ اس لئے قرینہ یہ چاہتا ہے کہ والیوں کے اور نام تحریر سے مورخین کے رہ گئے۔ تلاش سے صرف ایک نام ابراہیم بن یوسف کا ملا ہے مگر سنہ معلوم نہیں۔ سدھپور میں وفات پانے سے قیاس ہوتا ہے کہ بناء احمدآباد سے پہلے کے تھے۔

نمبر	اسماء ولاۃ ہند	سنہ وفات	مدفن	کیفیت
				ان الذین کذبوا بآیاتنا واستکبروا علیھا لاتفتح لھم ابواب السموات ولایدخلون الجنۃ حتیٰ یلج الجمل فی سم الخیاط وکذالک نجزی المجرمین ۵ اس کے معانی علماء دربار سے دریافت کئے مگر تسلی نہ ہوئی کسی شخص نے سیدی حسن پیر کا پتہ بتایا کہ آپ اہل علم میں خاص مرتبہ رکھتے ہیں۔ اور دریائے علم کے شناور ہیں۔ چنانچہ آپ کو دربار میں طلب کیا گیا۔ اور آیت کریمہ کا مفہوم دریافت کیا گیا۔ آپ نے دیکھا کہ علماء دربار علمی طریقہ سے اس آیت کا مفہوم بتلا چکے ہیں۔ مگر بات اس کے ذہن نشین نہیں ہوئی۔ اس لئے آپ نے عملی پہلو اختیار کیا۔ اور فرمایا کہ جان کی امان پاؤں تو عرض کروں۔ تاتار خاں نے اجازت دی، آپ نے فرمایا کہ ایک شرط میری مان لیں تو جواب کا سمجھنا سہل تر ہو جائے گا۔ یعنی میرا درویشانہ لباس آپ زیب تن فرمائیں۔ اور شاہانہ لباس میں پہن کر

نمبر	اسماء ولاۃ ہند	سنہ وفات	مدفن	کیفیت
				تخت پر بیٹھوں۔ تاتار خاں نے قبول کر کے تبدیل لباس کیا۔ اور ادب سے تخت آگے کھڑا ہو گیا۔ معاً اس کا ذہن معنی کی طرف منتقل ہوا، پھر مولائی حسن پیر نے تشریح سے غرور اور تکبر کی برائی اور اطاعت خدا، رسول اور علماء کی فضیلت بیان کی۔ تاتار خاں بہت خوش ہوا۔ اور اس نے بڑی عزت افزائی کی۔ آپ پھر تبدیل لباس فرما کر واپس مکان تشریف لائے۔ تاتار خاں کی نسبت یہ روایت مشہور ہے کہ آپ سے بڑی عقیدت رکھتا تھا۔ اور اسی بنا پر اس نے پٹن کا نام "پیران پٹن" رکھا جو آج تک مشہور ہے۔ اس عزت افزائی کے سبب آپ کے حاسد بہت جلے، اور عداوت پر کمر باندھی۔ لیکن جب تک تاتار خاں زندہ رہا آپ کا کوئی کچھ نہ کر سکا بلکہ آپ استاد شہ کہلاتے تھے اور مومنین بادشاہ کو پیران شاہ کہتے۔ جو آج تک مشہور ہے

نمبر	اسماء ولاۃ ہند	سنہ وفات	مدفن	کیفیت
				تاتار خاں کے وفات پا جانے پر حاسدوں کو موقع ملا، اور دینال جاتے ہوئے آپ کو شہید کر ڈالا۔ یہ واقعہ تقریباً ۸۱۰ھ سے ۸۱۴ھ تک کا ہے (ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ کو "کولی قزاقوں" نے مال کی طمع سے شہید کیا[1]) جہاں آپ شہید ہوئے اسی جگہ آپ کا مقبرہ ہے۔ یہ مقام موضع دینال کے قریب بنا ہوا ہے۔ اور کمبوئی اسٹیشن سے چھ میل دور ہے۔ اور گائیکواڑ سرکار کے ماتحت ہے۔ آپ کا مقبرہ عہد قدیم سے بنا ہوا تھا، موجودہ داعی شمس الدعاۃ سیدنا ابو محمد طاہر سیف الدین کے عہد میں تین لاکھ کے صرف سے تجدید عمارت کی گئی ہے، آس پاس زائرین کے لئے خوشنما عمارت بطور مسافر خانہ کے ہے، اور پانی کے لئے بورنگ بھی کی گئی ہے۔ جس سے شب و روز فوارہ کی طرح پانی جوش مارتا رہتا ہے۔

[1] کوکب فلک

نمبر	اسماء ولاۃ ہند	سنہ وفات	مدفن	کیفیت
				لوگ بکثرت فاتحہ خوانی اور زیارت کے لئے جاتے ہیں ۔
۸	مُلا آدم بن سلیمان	۱۳ رصفر ۸۲۵ھ	احمد آباد	شجاع الدین مُلا آدم بن سلیمان بن مسعود، نہروالہ پٹن میں پیدا ہوئے ۔ اور اسی جگہ علوم کی تکمیل کی ۔ سیدی حسن پیر کے وقت میں آپ احمد آباد کے عامل ہو کر آئے ۔ ۸۱۴ھ کے عہد والی ہند مقرر ہوئے ۔ آپ بڑے صاحب علم وفضل تھے ۔ اور احمد آباد کے پہلے والی ہیں ۔
۹	مُلا حسن بن مُلا آدم	۸۸۳ھ	احمد آباد	حسن نام ، حسام الدین لقب، تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی ۔ غالباً ۸۲۵ھ میں والی ہند ہوئے ۔ احمد آباد میں قیام تھا پٹن میں مُلا راج آپ کے طرف سے عامل تھے آپ نے دو داعیوں کا عہد پایا ۔ اول سیدنا علی شمس الدین بن عبداللہ فخر الدین ، دوسرے سیدنا ادریس عماد الدین ۔ آپ کے عہد کا مشہور واقعہ مُلا جعفر پٹنی کا ہے ۔ غالباً ۸۲۶ھ یا

نمبر	اسماء ولاۃ ہند	سنہ وفات	مدفن	کیفیت
				[illegible]ھ میں ملا جعفر پٹن سے احمد آباد آئے اور سیدی ملا حسن کے مدرسہ میں داخل ہوئے ایک برس تعلیم حاصل کرنے کے بعد یمن چلے گئے اور تین برس کے بعد سیدنا علی شمس الدین سے تعلیم حاصل کر کے واپس آئے ۔ مگر چونکہ اجازت نہیں دی گئی تھی ۔ اس لئے امور دینی کا سرانجام دینے کے مجاز نہ تھے تاہم بھروچ وغیرہ میں نماز باجماعت پڑھا دی ، سیدی مُلا حسن نے اس پر مواخذہ کیا ۔ مُلا جعفر کو یہ بات ناگوار گزری ، شب ہی کو احمد آباد سے روانہ ہو گئے اور پٹن پہونچکر نقض میثاق کیا ۔ اور اسماعیلیہ بوہروں کے خلاف وعظ شروع کیا ۔ غالباً علماء اہل تسنن اور اراکین دولت سے مل کر اس کام کو انجام دیا ۔ گو کہ ملا جعفر کا انتقال ہو گیا ۔ مگر آپ کو تمام عمر اس کاوش اور جد و جہد میں بسر کرنا پڑا کہ کسی طرح تفرقہ کی بنیاد محو ہو جائے آپ ہی کے زمانہ میں سیدنا ادریس نے یمن سے

نمبر	اسمائے ولاۃ ہند	سنہ وفات	مدفن	کیفیت
				ایک سقہ کو نماز باجماعت ادا کرنے کی اجازت عطا فرمائی جس کی تعمیل کی گئی۔ سلطان محمود بیگڑہ کے عہد میں وفات پائی۔ یہ عجب اتفاق ہے کہ آپ اور اس عہد کے داعی سیدنا ادریس طویل العمر ہوئے۔ اور ساتھ ہی اس ملک کے بادشاہ نے بھی ۵۰ برس سلطنت کی۔
۱۰	مُلّا جعفر بن خواجہ محمد بن اسحاق		احمدآباد	مُلّا جعفر بن خواجہ کا کچھ حال معلوم نہیں ہوا۔ صرف اسقدر ملا کہ وہ ہند کے والی تھے، اور احمدآباد میں وفات پانے سے معلوم ہوتا ہے کہ بنائے احمدآباد کے بعد والیٔ ہند ہوئے۔
۱۱	مُلّا راج بن حسن بن آدم	۲۹ محرم تقریباً ۹۱۷/۹۱۸ھ	احمدآباد	آپ بڑے فاضل اجل تھے، صابون سازی کا بڑا کارخانہ آپ کے زیر اہتمام تھا۔ آپ والی کے عہدہ پر سرفراز ہوئے تو بھی کارخانہ چلاتے رہے۔ جعفریہ کا اس وقت بڑا زور تھا اور ہر جگہ اسماعیلی بوہروں کے خلاف کارروائی میں مصروف تھے، اسماعیلیوں کے لئے یہ بڑا نازک وقت تھا۔ آپ تن، من

نمبر	اسمائے ولاۃ ہند	سنہ وفات	مدفن	کیفیت
				دھن سے خدمت مذہب و ملت میں مشغول رہے۔ دشمنوں کے سبب دن کے وقت خانہ نشین رہتے اور رات کے وقت فقیروں کا لباس پہن کر بھیک مانگتے ہوئے محلوں میں گھومتے، اور جو بھیک دینے کے لئے نکلتے، لطائف الحیل سے ان کو فہمائش کرتے، اور دلائل سے ان کو واپس ملت پر آمادہ کرتے۔ اس طرح سے عمر بھر خدمت کرتے گذری۔ انھیں دنوں بادشاہ کے پاس خراسان کے سلطان نے تین سر سونے کے بھیج کر دریافت کیا کہ سب سے قیمتی سر کونسا ہے؟ اہل دربار متحیر تھے کیونکہ تینوں ایک وزن۔ ایک ہی شکل و صورت اور ایک ہی قسم کے سونے کا تھا، کسی نے آپ سے بھی اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ سونے کا امتحان مدنظر نہیں ہے۔ بلکہ عقل کا ہے، جب یہ خبر بادشاہ کو پہونچی تو آپکو طلب فرماکر اصل حقیقت دریافت کی۔ آپ نے پانی منگوایا اور ایک سر کے کان میں ڈالا جو دوسرے

نمبر	اسماء ولاۃ ہند	سنہ وفات	مدفن	کیفیت
			آپکی قبر سرسپور کے بوہرہ قبرستان میں ہے۔ ۲۹ محرم کو آپ کا عرس ہوتا ہے۔ قبرستان تک آپکی لاش خوج بن داؤد کپڑونجی اٹھا کر لے گئے۔	کان سے نکل گیا۔ پھر دوسرے کے کان میں ڈالا جو منہ سے نکل گیا۔ پھر تیسرے کے کان میں ڈالا جو حلق سے نکل گیا۔ تب آپ نے فرمایا کہ پہلا سر بے پرواہ ہے۔ ایک کان سے سنتا ہے دوسرے کان سے نکال دیتا ہے۔ دوسرا احمق ہے جو سنتا ہے دوسروں سے کہدیتا ہے۔ تیسرا سر سب سے زیادہ قیمتی ہے جو سنتا ہے سینہ میں محفوظ رکھتا ہے۔ اس کیفیت کو معلوم کرکے بادشاہ بہت خوش ہوا۔ اور آپ کی بڑی عزت افزائی فرمائی۔ دربار کے وہ لوگ جو اس حقیقت کو معلوم نہ کر سکے تھے، شرمندہ ہوکر آپ سے حسد رکھنے لگے اور پھر طرح طرح کے الزامات آپ پر لگائے اور آپ کے قتل کے درپے ہوئے۔ کسی نے آپ کو جادوگر کہا کسی نے بدمذہب قرار دیا۔ غرضکہ لوگوں کی جدوجہد سے گرفتار کئے گئے۔ اور دوسرے دن شہید ہوئے۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ آپکی شہادت

نمبر	اسماء ولاۃ ہند	سنہ وفات	مدفن	کیفیت
				زیادہ تر مقلدین ملا جعفر کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ نفس بادشاہ وقت کو اس معاملہ میں کچھ دخل نہیں ہے۔ کیونکہ اسماعیلیوں کے بھی بڑے دشمن تھے جو ہر جگہ ان کے برخلاف تبلیغ میں مصروف تھے۔ بعض مؤرخوں نے اس واقعہ راس الذہب کو سیدی ملا حسن پیر کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن قدیم مؤرخ خوج بن ملک نے ملا راج ہی کے متعلق تحریر کیا ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ سیدی حسن پیر کا زمانہ مظفر شاہ اول اور تاتار خاں کا ہے۔ اور ان دنوں میں گجرات کی سلطنت ابھی مستقل اور مضبوط نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے خراسان، ایران، مصر، عرب وغیرہ سے ان کے روابط قائم نہیں ہوئے تھے، محمود بیگڑہ پہلا بادشاہ ہے جس کے روابط غیر ممالک سے مستحکم ہوئے۔ اور یہ بادشاہ آپ کا ہم عصر تھا۔ اور داعی وقت سیدنا حسن بن ادریس تھے۔ لیکن خراسانی سفیر محمود کے آخری عہد میں اور مظفر دوم کے ابتدائی سلطنت میں پہونچا ہے اس لئے یہ واقعہ اسی عہد کا ہونا چاہئے۔

اسی عہد میں ایک بڑے عالم اور فاضل بے بدل مُلا راجہ بن داؤد بن محمد بن عیسیٰ بن احمد تھے ۹ صفر ۸۷۱ھ میں بمقام احمد آباد ولادت ہوئی۔ اور دوسرے ہی سال ۸۷۲ھ میں والد کے وفات پاجانے کے سبب یتیمی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ محمد حنفی بن محمود المقری حنفی سے صرف و نحو، منطق، عروض وغیرہ کی کتابیں پڑھیں اور ان سے بے حد علمی فائدہ اٹھایا۔ پھر مخدوم بن برہان الدین حنفی سے معانی اور بیان اور محمد بن تاج حنفی سے ہیئت اور کلام کی تعلیم حاصل کی۔ بڑے طباع اور ذہین تھے۔ علوم و فنون میں کامل دستگاہ تھا۔ شعر سے بھی ذوق رکھتے تھے، خود بھی کہہ لیتے ۸۹۲ھ میں اپنے بھائی قاسم اور چچا کے ساتھ حج کے لئے مکہ تشریف لے گئے۔ پھر بعد حج مدینہ گئے، مکہ جب واپس آئے۔ تو علامہ محمد سخاوی سے الفیہ الحدیث کی شرح پڑھنی شروع کی۔ جو ربیع الاول تک ختم ہوگئی پھر علامہ سخاوی نے ان کو اپنے ہاتھ سے اجازت نامہ لکھ کر دیا[1]۔ قیام مکہ میں ایک عالم سے ملاقات ہوگئی، جو ان دنوں ایک کتاب تصنیف کر رہے تھے۔ اور مُلا راجہ کو ایک ایک جز پڑھنے کے لئے دیتے تھے۔ مُلا راج پڑھ کر اس کی شرح لکھ ڈالتے۔ اس طرح جس وقت کتاب کی متن ختم ہوئی۔ اسی دن شرح بھی اختتام کو پہونچی۔ جب یہ حال اس عالم مصنف کو معلوم ہوا۔ تو آپ کی ذہانت اور علمیت کا بے حد اثر ان پر پڑا۔ اور ملا صاحب کے بہت مداح ہوئے[2]۔ احمد آباد واپس آکر اشاعت علوم میں مشغول ہوگئے، درویشانہ لباس میں رہتے بہ ۹۱۷ھ میں بعہد سلطان مظفر دوم خراسان سے سفیر آیا۔ کچھ علمی مسائل بھی لوگوں سے دریافت کئے، کسی نے مُلا راجہ کا پتہ بتایا۔ وہ ان

لہ ضوء اللامع للسخاوی قلمی باب الراء ۲۵ کو کب ذلک صفحہ ۲ میرا خیال ہے کہ یہ واقعہ بھی علامہ سخاوی ہی کے ساتھ پیش آیا جس کو ستر رسائل کے مصنف نے بغیر اظہار نام درج کر دیا ہے۔

سے ملنے آیا۔ درویشانہ صورت اور سیرت دیکھ کر پہلے تو گھبرایا، پھر جب علمی گفتگو ہوئی اور اس کے سوال کے جواب باقاعدہ مُلا نے دیا۔ تو بے حد متاثر ہوا۔ مظفر شاہ سے جب ملا تو اس نے بڑی غیرت دلائی کہ ایسا بڑا علامہ تمہارے شہر میں موجود ہے، اور تم اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ درباری علماء کو اس سے بڑا حسد پیدا ہوا پھر مکر و حیلہ سے ایک فتویٰ لکھا کر مظفر شاہ سے دستخط کرائے اور اس فتوے کے ذریعہ وہ شہید کر ڈالے گئے[1]۔ قتل گاہ سے آپ کی لاش میاں تاج فخر الدین کپڑونجی نے اٹھائی اور (سرسپور) احمد آباد کے بوہرے قبرستان میں دفن کئے گئے۔ آپ کے مزار پر یہ نام درج ہے " مولائی راج ابن داؤد ابن محمد رجب شنبہ ۸۲۵ھ" جو کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اول تو یہ عہد احمد شاہ اول کا ہے۔ اور اس کے عہد میں کوئی سفیر غیر ممالک کا گجرات میں نہیں آیا۔ کیونکہ اس عہد میں گجرات کی سلطنت ایسی مشہور اور بارعب نہ تھی کہ غیر ممالک کے بادشاہ اپنے سفرا بھیجتے۔ "یاد ایام" کے مصنف نے ۹۰۴ھ وفات تحریر کی ہے۔ اس لئے ان کی موت ۹۱۷ھ کے بعد ہونی چاہئے۔ یہ عہد محمود بیگڑہ کا ہے، اور ممکن ہے کہ صحیح ہو۔ لیکن اس صورت میں خراسانی سفیر کا قصہ چسپاں نہیں ہوتا ہے۔ ضوء الامع کے مطالعہ سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ مُلا راجہ بن داؤد بن محمد بن عیسیٰ کوئی دوسرے عالم تھے جو قطعاً شیعہ بوہرہ نہ تھے۔ میرے خیال میں اشتراک نام کے سبب سے سمجھنے میں مغالطہ ہوا ہے۔

لہ ستر رسائل کے مصنف نے افسوس ہے کہ ان الزامات کو تحریر نہ کیا جس کی بنا پر یہ شہادت وقوع میں آئی۔

نمبر	اسماء ولاۃ ہند	سنہ وفات	مدفن	کیفیت
۱۲	مُلا جعفر بن مُلا راج[1]	۲۶ ربیع الاوّل ۹۴۶ھ معزول ہوئے	احمدآباد	اس کے بعد والی ہند آپ ہوئے ۔ آپ بھی علم و فضل میں لاجواب تھے ۔ اپنے بزرگ باپ کی طرح تبلیغ میں مصروف رہے ۔ اور جہاں تک ممکن ہو سکا جعفریوں کو اسماعیلی بنانے میں مصروف رہے ۔ آپ کے زمانہ میں بھی جعفریوں کا بڑا کافی زور رہا ۔ اکثر لوگ تقیہ میں رہتے ، و راجہ اور ان کی رفیقہ محترمہ زلیخا بائی جو موربی سے احمدآباد آ گئے تھے ، پھر واپس موربی گئے ، اور اپنے قدیم پیشہ نوربافی میں مصروف ہو گئے ، والی کی طرف سے وہاں کے عامل مقرر ہوئے ۔ کچھ عرصہ کے بعد ذرا امن ہوا تو اپنے لڑکے مُلا داؤد بھائی کو احمدآباد کے مدرسہ میں داخل کر دیا ۔ جو چند برس میں فاضل اجل ہو کر موربی واپس گئے ۔ اور اپنے والد کے انتقال کے بعد

[1] کوکب فلک میں آپ کا نسب اس طرح تحریر ہے ۔ مولائی جعفر بن مولائی راج بن مولائی جعفر بن ہابیل المعروف بہ سید بن حسن پیر بن علی بن عبداللہ

نمبر	اسماء ولاۃ ہند	سنہ وفات	مدفن	کیفیت
				ان کی جگہ عامل موربی کے ہوئے ۔ سیدی مُلا جعفر بن مُلا راج کے عہد میں متعدد سلاطین گجرات ہوئے ، سلطان مظفر دوم متوفی ۹۳۲ھ سلطان سکندر متوفی سنہ مذکور ، سلطان محمود دوم سنہ مذکور ، سلطان بہادر شاہ متوفی ۹۴۳ھ ، سلطان محمد شاہ فاروقی سنہ مذکور ۔ یمن کے آخری داعی نے جب سیدنا یوسف نجم الدین سدھپوری کو اپنا جانشین ۹۴۶ھ میں بنایا تو سیدی مُلا جعفر اپنی ولاۃ سے معزول ہوئے یہ واقعہ سلطان محمود ثالث کے ابتدائی عہد کا ہے ۔ لیکن آپ کی وفات ۲۶ ربیع الاول ۹۸۱ھ میں ہوئی ۔ عزل کے بعد آپ سیدنا یوسف کے ساتھ یمن تشریف لے گئے تھے ۔
۱۳	سیدنا جلال بن حسن	۹۸۴ھ	سرسپور احمدآباد	آپ سیدنا یوسف نجم الدین قس کے یمن جانے کے بعد والی ہند ہوئے اور تقریباً ۲۲ - ۲۳ برس تک امور دعوت انجام دیتے رہے ۔
۱۴	سیدنا قاسم زین الدین	۱۰۵۴ھ	احمدآباد	آپ ۱۰۴۲ھ میں سیدنا علی شمس الدین یمنی آخری داعی یمن کے عہد میں ہند کے والی رہے ۔

باب چوتھا

بھرہ یا بوھرہ

راس مالا گجراتی میں لکھا ہے کہ بھاٹ لوگوں کا خیال ہے کہ احمد شاہ اول کے عہد میں برہمنوں اور مہاجنوں کو مسلمان بنایا گیا۔ وہی بوہرے کہلائے۔ کیونکہ ان لوگوں نے عرب کے ساتھ بیوہار (بیوپار یعنی تجارت) شروع کر دیا۔ اس سبب سے ان کو بیوہارے اور کثرت استعمال سے بوہرے کہنے لگے[۱]۔ اس روایت سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ احمد شاہ سے قبل ان کا وجود نہ تھا۔ حالانکہ تاریخ اس کی شاہد ہے کہ بوہرے اس سے قبل گجرات میں موجود تھے۔ سلطان احمد شاہ کے دادا مظفر شاہ کے عہد میں شیخ احمد کھٹو جب احمد آباد کے قریب سرکھیج میں تشریف لائے تو سب سے پہلے ایک بوہرے کے گھر میں مقیم ہوئے[۲]۔ اور اس سے بھی قبل عہد تغلق میں ابن بطوطہ جب گندھار پہنچا ہے تو راجہ کے علاوہ بھروں کے سردار کے لڑکے بھی استقبال کے لئے آئے تھے[۳]۔ اس سے معلوم ہوا کہ بھرے بکثرت اس وقت موجود تھے۔ اور منظم تھے۔ کیونکہ ان کا ایک سردار تھا۔ اور لوگ اس کے احکام کی تعمیل کرتے تھے۔ قاضی نور اللہ شوستری متوفی ۱۰۱۹ھ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ آج سے تین سو برس قبل اس مذہب کا ایک فاضل اجل "ملا علی" نامی وارد ہند ہو کر لوگوں کو

---

[۱] جلد اول صفحہ ۲۱۵ [۲] دیکھو ملفوظات محمود ایرجی [۳] رحلہ ابن بطوطہ صفحہ ۱۳۰ مصر۔

بذریعہ تبلیغ اس مذہب میں داخل کیا۔ اور اسی عہد سے یہ لوگ ہند میں پھیلے ہیں اور ان کا مزار کھنبائت میں ہے۔ میرے خیال میں دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں۔ اول تو بھرے اس سے بہت پہلے (۷۰۰ھ سے) ہند میں آچکے تھے۔ جیسا کہ مجالس سیفیہ اور دیگر کتب سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ کمار پال چرتر مولفہ ۱۱۰۰ء ۵۴۵ھ سے معلوم ہوتا ہے کہ پٹن اور دیگر گام میں بوہرے بکثرت تھے۔ اس تحریر سے بھی مجالس سیفیہ کی تائید ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ ملا علی نامی ممکن ہے کہ کوئی مبلغ آیا ہو۔ مگر صحیح روایت یہی ہے کہ سرکاری طور پر داعی کی حیثیت سے سب سے پہلے گجرات میں مولائی احمد تشریف لائے۔ اور آپ کے ساتھ مولائی عبداللہ اور... مولائی نور الدین شریک کار رہے۔ بھرامجی ملباری کا خیال یہ ہے کہ بوہرے دراصل ہندو تھے۔ اور اسی سبب سے ابھی تک ان میں بعض ہندو عقائد اور رسم و رواج موجود ہے[۱]۔ چنانچہ بوہروں کے نسلی بھائی" مارواڑ، راجپوتانہ اور صوبجات متحدہ میں آباد ہیں۔ اور وہ ہندو بوہرے کہلاتے ہیں۔ مسٹر آرنلڈ اپنی بہترین کتاب میں لکھتے ہیں کہ یہ لوگ ۱۱۰۰ء ۴۰۰ھ اور ۱۳۰۰ء ۷۰۰ھ کے درمیان مسلمان ہوئے۔ کیونکہ شمالی گجرات کے ہندو راجہ انہل واڑا پٹن میں شیعہ داعیوں (مبلغوں) کے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے۔ غالباً کئی نسلوں میں وہاں اسلام پھیلا ہوگا[۳]۔ ان بیانات سے یہ بات تو صاف ہو گئی کہ یہ قوم (بوہرہ) عرصہ دراز سے مسلمان ہے۔ اب صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ (۱) بوہرہ یا (بھرہ) کے معنی کیا ہے۔ (۲) ہند میں کب آئے۔ (۳) کیا یہ سب نومسلم ہیں؟ ۔ راس مالا کا بیان اوپر لکھ چکا ہوں کہ چونکہ

---

[۱] مجالس المومنین جلد اول ۔ [۲] گجرات اینڈ گجراتی صفحہ ۲۸۹ ۔ [۳] پریچنگ آف اسلام صفحہ ۲۲۵ ۔

ان نومسلموں نے عرب سے بیوپار شروع کردیا۔ اس لئے ان کو بیوہارے اا ور پھر بوہرے، کہنے لگے۔ میر نوراللہ شوستری متوفی ۱۰۱۹ھ نے لکھا ہے کہ "یہ لوگ (بھرہ) اپنا معاش حرفت اور تجارت کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں۔ جیسا کہ لفظ "بوہرہ" خود اپنے معنی پر دلالت کرتا ہے جس کے معنی ہندی میں تاجر کے ہیں[1] احمد آباد میں ایک صاحب محمد صدیق واعظ متوفی ۱۰۲۱ھ تھے۔ جو میر نوراللہ شوستری کے تقریباً ہم عصر ہیں۔ ان کے برادر نے ایک کتاب لکھی ہے کہ اس کے حاشیہ پر ہے "هو مشتق" من البهرة وهي الاستعمال في البيع والشرا في التجارت والكسب، یعنی بواھر بوہرہ سے نکلا ہوا ہے۔ جو تجارت وحرفت اور خرید و فروخت میں مستعمل ہے۔ تاریخ مرات احمدی میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ اور اس کے نزدیک بھی تاجر ہی کے معنی ہے۔ لیکن اصل سوال یہ ہے کہ یہ لفظ کس زبان کا ہے۔ عربی ہے یا ہندی ہے۔ بوہرہ (بھرہ) لفظ ہندی ہونے کی صورت میں تو تجارت اور تاجر کے معنی ہوں گے۔ جیسا کہ راس مالا اور آزاد بلگرامی نے لکھا ہے جو خود سنسکرت اور ہندی کے بڑے عالم اور شاعر تھے۔ بعض لوگوں نے "بوہ راہ" بمعنی صراطِ مستقیم، اور بھوراہ (بہت راستے) یعنی مختلف قبیلوں کا مجموعہ۔ اور "بُھرے" اونٹوں کی قطار کے معنی لکھا ہے جس سے مراد غالباً تاجر ہی ہوں گے۔ اور بھراج بمعنی دوراندیش بھی لوگوں نے لکھے ہیں عربی لغت قاموس میں ہے "بھراو قبیلہ" وبهرة بالضم بنواحي المدينه و باليمامه[2] اور صراح میں ہے کہ بھراء قبيلته از قضاعه۔ پس ممکن ہے کہ یہ لفظ عربی ہو جیسا کہ نرمہ والے (بھرہ) اور ولی اللہ اور کم کوڑی والے خاندان کے لوگوں کا دعویٰ ہے

---

[1] بسحته المرجان ص۴۵ م بمبئی [2] قاموس جلد اول ص۲۳۴

کہ طائف اور مدینہ سے ہم آئے ہیں[1]۔ ۳۰۳ھ میں مسعودی بھروچ اور کھنبائت آیا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ چے مور کے بندرگاہ (متصل بھروچ) میں علاوہ بغداد و بصرہ کے دس ہزار "بیسرہ" مسلمان ہیں۔ اور بیسرہ کے معنی لکھتا ہے کہ اُن لوگوں کو کہتے ہیں۔ جو ہند میں پیدا ہوئے۔ قاموس میں ہے "والبياسرة جيل بالسند يستاجرهم النواخذة لمحاربته العدو، والواحد "بيسرى"۔ یعنی بیاسرہ سندھ میں ایک قوم ہے جن کو ناخدا کرایہ پر دشمنوں سے لڑنے کے لئے لیتے تھے۔ اس کا واحد "بیسری[2]" ہے۔ ممکن ہے کہ ابتدا میں جو تاجر جہازوں پر ان لوگوں کو نوکر رکھ کر ہندوستان آتے ہوں۔ ان کو بھی بیاسرہ کہنے لگے ہوں۔ اور پھر یہ لفظ صرف ان کے لئے مستعمل ہونے لگا ہو جو عرب سے آکر یہاں مقیم ہو جاتے ہوں اور رفتہ رفتہ ان کی اولاد (یعنی ہند میں پیدا ہونے والے) کے لئے مخصوص ہوگیا ہو۔ اس کی مثال دوسری زبانوں میں بھی موجود ہے۔ برمی زبان میں ایک لفظ "کلا" ہے۔ اس کا اصلی تلفظ "کولا" بضم کاف ہے۔ جس کے معنی "تیر کر آنے والا" کے ہیں۔ یعنی سمندر پار ہوکر جو شخص آیا ہو۔ مُراد اس سے غیر ملکی لوگ ہیں۔ ابتدا میں یہ لفظ ہر غیر ملکی کے لئے استعمال کرتے تھے۔ جب انگریزوں نے برما پر قبضہ کیا تو پھر ان کے لئے ایک لفظ۔ بُو ایجاد کیا۔ اور کلا (کولا) ہندوستانیوں کے لئے اور بعض اوقات صرف مسلمانوں کے لئے مستعمل ہونے لگا[3]۔ اس طرح ممکن ہے کہ کثرت استعمال سے بیسرہ، بوہرہ ہوگیا ہو۔ کیونکہ گجراتی میں "س" اور "ہ" کا اکثر تبادلہ ہوتا ہے۔ جیسے سارو۔ ہارو۔ ڈوسا سے ڈوہا، کنارا سے "کنھاما"۔ میرے ایک دوست نے

---

[1] یہ لوگ احمد آباد میں مقیم ہیں [2] قاموس جلد اول [3] سفرنامہ برما ص۴۵ م محبوب المطابع دہلی

اس لفظ کی تو ایک دوسری توضیح کی ہے۔ یعنی یہ لفظ دراصل گجراتی ہے۔ اور دو لفظ سے مرکب ہے "بے" اور "سرا" گجراتی زبان میں "بے" کے معنی "دو" کے ہیں اور "سرا" کے معنی "سر" بے سرا یعنی دو سروالا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک عرب اور دوسرا ہندی کے ملاپ سے جو شخص پیدا ہوا ہو۔ جس طرح ایران میں مولدین تھے۔ یا آج کل اینگلو انڈین۔ چنانچہ آج بھی جس شخص کی تحقیر کرنی ہوتی ہے۔ تو گجراتی میں بلاتکلف کہہ دیتے ہیں۔ کہ "بے سرا ہے" بہرحال بوہرہ کے معنی عام تاجر کے ہوں۔ یا عرب سے (یمامہ) آنے والے تاجر کو کہتے ہوں۔ یا قبیلہ قفاعہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ ہر صورت میں بلاتفریق مذہب و نسل زیادہ تر مسلم تاجر کیلئے استعمال ہوا۔ اور عرب تاجروں کا ہند میں آنا پہلی صدی ہجری سے ثابت ہے۔ بلاذری نے محمد بن قاسم کی فتح سندھ کا سبب ہی عرب تاجروں کے جہاز کا لٹ جانا بتلایا ہے[1]۔ سلیمان بصری اور ابوزید سیرافی نے اپنے سفرناموں میں کھنبائت، بھروچ، چیمور، گندھار تھانہ، سوپارہ میں بہ تعداد کثیر مسلمان عرب تاجروں کا رہنا بیان کیا ہے۔ یہ دونوں تیسری صدی کے وسط میں آئے تھے[2]۔ چوتھی صدی کے ابتدا میں مسعودی آیا ہے۔ اس نے صرف ایک مقام پر دس ہزار مسلمانوں کی آبادی لکھی ہے[3]۔ ابن حوقل، اصطخری، بشاری وغیرہ نے بھی مسلمانوں کی آبادی کے متعلق لکھا ہے۔ بعض مبلغین کی آمد کا بھی پتہ چلتا ہے کہ پٹن میں ایک قبر نورالدین ستاگر (ست گورو) کی موجود ہے۔ جن کی وفات ۴۸۷ھ میں ہوئی ہے جو لفظ لاہوت سے ظاہر ہے۔ یہ ایک اسماعیلی مبلغ تھے۔ جو سات امام کی تبلیغ کرتے تھے۔ آج بھی کثیر تعداد آپ کے مقلدوں کی موجود ہے۔ غالباً یہ خشکی کی راہ سے ملتان،

---

[1] بلاذری فتح سندھ [2] کتاب الہند والسند بیرونی [3] مسعودی جلد دوم مصر

سندھ ہو کر گجرات آئے ہوں۔ اور یہ سب فتح گجرات سے پہلے کے ہیں۔ بہرحال شواہد کی بنا پر عرب تاجروں (بوہروں) کا ساتویں صدی سے پہلے بلکہ پہلی ہی صدی میں آنا یقینی ہے۔ اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اور ان کی آمد و رفت، اور عرب سے تجارت اس وقت تک قائم رہی۔ جب تک پرتگیزوں نے بحر سمندر پر قبضہ کرکے ان کا آنا جانا بند نہ کر دیا۔ جیسا کہ تحفۃ المجاہدین میں تفصیل مذکور ہے۔ اب صرف ایک ہی سوال حل طلب ہے کہ کیا یہ سب نو مسلم ہیں؟ اس کے متعلق مؤلف راس مالا و دیگر لوگوں کی رائے اس سے قبل تحریر کر چکا ہوں جن کا خیال یہ ہے کہ یہ سب نو مسلم ہیں۔ مولانا آزاد بلگرامی نے بھی لکھا ہے کہ۔ والاصل ان اسلاف البواهر جديد الاسلام منهم[1]۔ اور صحیح یہ ہے کہ بوہروں کے آباؤ اجداد نو مسلم تھے۔

لیکن اس عہد جدید میں ایسے شواہد میرے نظر سے گزرے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیان صحیح نہیں ہے۔ میں نے اوپر ذکر کیا ہے کہ "کم کوری" خاندان کے بوہروں میں (جو احمدآباد میں مقیم ہیں) ایک صاحب محمد صدیق واعظ متوفی ۱۰۴۱ھ گزرے ہیں۔ یہ بڑے پایہ کے عالم تھے ان کی ایک تفسیر اور دوسری "تنبیہ الجہال" مشہور کتاب ہے۔ ان کے بھائی محمد صالح نے رسالہ "صدق اللہ" تحریر کیا ہے۔ اس کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ شیخ احمد قریشی مدینہ سے کھنبائت میں تشریف لائے، اور یہاں مقیم ہو گئے۔ ان کے لڑکے یعقوب سے نسلاً بعد نسلاً اس وقت تک (۱۰۴۱ھ) سلسلہ جاری ہے۔ حاشیہ پر پورا نسب نامہ درج ہے۔ جو حضرت ابوبکر صدیق رض تک اور پھر عدنان تک ملتا ہے[2]۔ اسی طرح سے نرمہ والے (بوہرے) (مقیم احمدآباد و سورت) اس بات کے مدعی ہیں کہ اصل طائف سے یہ لوگ آئے۔ ابتداءً تجارت

---

[1] سبحۃ المرجان ص۱۲ م بمبئی [2] یہ قلمی کتاب کتبخانہ درگاہ حضرت پیر محمد شاہ احمدآباد میں موجود ہے۔

کے سلسلہ سے ان کا آنا جانا ہوتا رہا۔ اور پھر بندر سورت میں مقیم ہو گئے۔ اور آخر میں احمدآباد منتقل ہوئے۔ ان میں بعض بڑے علامہ بھی گزرے ہیں۔ جیسے مُلا عبدالشکور صاحب جن کو شاہ عالم۔ اور محمد شاہ کے عہد میں ننّو بیگھہ زمین بطور مدد معاش عطا ہوئی تھی۔ اور فرخ سیر کے عہد میں احمدآباد، سورت، بروده، بھروچ، کھنبائت سے مختلف قسم کے ٹیکس معاف کئے گئے[1]۔ حاجی عبدالرحمٰن صاحب نرمہ والے۔ راوی ہیں کہ آج سے تیس چالیس برس پہلے ان کے خاندان کے بعض افراد طائف میں موجود تھے۔ ولی اللہ (بوہرے) کا خاندان بھی اسی طرح مدینہ یا جدہ سے آیا ہوا ہے۔ جن کے آباؤاجداد اپنے عصر کے بہترین علماء تھے۔ مولانا نورالدین اور مولانا عمادالدین اور مولانا ولی اللہ کا علمی پایہ بے حد بلند تھا۔ تجارت کے ساتھ ساتھ ان کی علمی درسگاہ احمدآباد کے لئے باعث فخر تھی۔ مولانا عمادالدین الموجود ۱۱۵۵ھ کا مزار آج اس جگہ ہے جہاں تیلیا مل واقع ہے۔ آپ کے پاس بڑا کتب خانہ تھا۔ اسی جگہ ایک مسجد میں درس دیتے تھے۔ یہ مسجد ابھی تک موجود ہے۔ مرہٹہ کے عہد میں اندرون فصیل متصل کالوپور دروازہ چلے آئے۔ اور اسی جگہ ایک مسجد میں وہیں رہنے لگے۔ حال میں ان کی اولاد میں سے سیٹھ عبدالقادر ولی اللہ نے اس مسجد کی مرمت جدید طور پر کرائی ہے۔ اور اب اس مسجد کو "ولی اللہ کی مسجد" کہتے ہیں۔ خاندان ولی اللہ کی چند قبریں بھی دروازے کے متصل موجود ہیں۔ وفات کے دن فاتحہ خوانی اور پھول چڑھاتے ہیں۔ ہر بدھ کو مثنوی مولوی روم کا درس ہوتا تھا۔ اور خود ولی اللہ اور عمادالدین جیسے علامہ روزگار اس کو انجام دیتے تھے۔ جب اس خاندان سے علم حقیقی جاتا رہا تو یہ کام دوسرے

[1] یہ دونوں فرمان ابھی تک نرمہ والوں کے پاس موجود ہیں۔ اور میں ان کا شکرگزار ہوں کہ نہایت فراخدلی سے اپنے خاندان کے تمام دستاویز مجھے دیکھنے کا موقع عنایت فرمایا۔

خاندان کو سپرد ہوا۔ چنانچہ آج کل اسی خدمت کو مولوی خوب میاں صاحب انجام دیتے ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ مولوی محمد خوب میاں بن شمس الدین عرف حاجی میاں بن محمد میاں بن محمد عثمان بن محمد قاسم بن محمد یحییٰ بن محمد امین بن محمد عارف فاروقی۔ محمد یحییٰ صاحب آپ کی چھٹی پشت میں ہیں۔ اس لئے تاریخی قواعد کے مطابق تقریباً بارھویں صدی کے آخر میں عرب سے ہند تشریف لائے۔ لیکن مولوی خوب میاں صاحب کا خیال ہے کہ ۲½ سو برس پہلے یعنی گیارھویں صدی میں آپ کا خاندان ہند پہنچا۔ بہرحال مولانا یحییٰ صاحب بڑے عالم، فاضل اور صاحب تصانیف بزرگ تھے۔ مولانا یحییٰ اور ان کے صاحبزادے مولانا قاسم کی قبر کالوپور بڑی کیڑی واڑ باغ مسجد میں ہے۔ چونکہ تدریس کا شغلہ ہمیشہ جاری رہا۔ اس لئے لوگ آپکو "اخوند" کہتے تھے۔ چنانچہ آج تک اس خاندان کے افراد آخوندجی کے نام سے مشہور ہیں۔ مولوی محمد خوب میاں صاحب کے جدِ امجد، مولوی محمد میاں صاحب احمدآباد کے مشاہیر علماء میں سے تھے۔ متعدد پیرزادے، اور کئی سجادہ نشین اور بعض امراء کبار آپ کے شاگردی پر فخر کرتے تھے۔ قاضی شہر بھی فتووں میں آپ سے مشورہ لیتے۔ مثنوی مولانا روم ولی اللہ کی مسجد میں ہر چہارشنبہ کو، اور ہر جمعہ کو صبح کو حضرت محمد امین خم نشین رسول نما کی مسجد میں (جو پیر خری کی مسجد کے نام سے مشہور ہے) معالم التنزیل کا وعظ، سلسلہ بہ سلسلہ آپ کے خاندان میں اس وقت (۱۳۵۰) تک کرتے آئے ہیں۔ قاضی علی کی مسجد میں ایک مدرسہ بھی جاری تھا۔ جو ابھی حال میں مسلمانوں کی بے دلی کے باعث بند کردیا گیا۔ سلسلہ نقشبندیہ کے صوفی صافی حضرت غلام محمد منصوری صاحب کے خلیفہ مولوی محمد میاں صاحب ہوئے۔ اور ان کے خلیفہ حاجی میاں صاحب ہوئے۔ جن کا ۲۸ ذوالحجہ ۱۳۴۶ھ میں انتقال ہوگیا۔ اور آپ اس فرض کو ان کے لائق فرزند مولوی محمد خوب میاں صاحب انجام دیتے ہیں۔ آپ لاہور کے تعلیم یافتہ ہیں۔ اور

خدام الصوفیہ پنجاب کے تمغہ یافتہ ۔ وعظ خوب کہتے ہیں اور طبابت کا مشغلہ رکھتے ہیں ۔
خلاصہ یہ ہے کہ آپ کا خاندان بوہرہ کہلاتا ہے ۔ شیخ فاروقی ہونے کا مدعی ہیں اور عرب سے
آنا اپنا ظاہر کرتا ہے ۔ ولی اللہ کا مدرسہ اور کتب خانہ عرصہ ہوا کہ برباد ہوگیا ۔ البتہ ان کے کتبخانہ
کی بقیہ کتابیں درگاہ حضرت پیر محمد شاہ کے کتب خانہ میں بطور وقف موجود ہیں جن میں سے
بعض اس وقت نایاب ہیں ۔ ولی اللہ خاندان کے اسماء جو اس وقت تک دستیاب ہوئے
ہیں ۔ ان میں سے آخری نام نورالدین بن محمود ہے ۔ جو محمود بیگڑے کے ہم عصر معلوم ہوتے
ہیں ۔ ممکن ہے کہ یہی پہلے شخص ہوں جو عرب سے آئے ہوں ۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس سے
بہت پہلے وارد گجرات ہوئے ہوں ۔ اس خاندان میں مختلف قسم کے تبرکات موجود ہیں ۔ مثلاً
موئے مبارک ۔ نقش قدم ، غلاف مبارک ، آیت الکرسی میں قرآن مجید کامل اور مختلف
بزرگان دین کی قلمی تصویریں ، جو اپنے فن کے لحاظ سے لائق قدر ہیں ۔ اور روایات خاندانی
کے اعتبار سے قابل یادگار ۔ اسی طرح راندیر والوں کا دعویٰ ہے کہ خلیفہ سفاح عباسی
(۱۳۲ھ) کے عہد میں مومن قبیلہ کوفہ سے بغرض تجارت راندیر آیا ۔ اور پھر اس کا قبیلہ یہاں آباد
ہوگیا ۔ اس لئے راندیری اپنے آپ کو نومسلم نہیں سمجھتے ہیں بلکہ عربی النسل خیال کرتے ہیں ۔[1] یہ
سب آج بھی بوہرے کہے جاتے ہیں ۔ عبدالغنی صاحب محتسب اور شیخ قاضی اصح الدین ۱۱۰۶ھ
میں مکہ سے آئے اور پٹن میں مقیم ہو گئے ۔ ان کا خاندان آج بھی بوہرہ کہلاتا ہے ۔ اسی طرح
سورت ، بھروچ ، کھنبائت وغیرہ میں متعدد خاندان ایسے ہیں جو بوہرہ ہیں ۔ مگر اپنے خاندان کا
عرب سے آنا تحریر یا تقریر سے ثابت کرتے ہیں ۔ آزاد بلگرامی نے علامہ محمد بن طاہر پٹنی کے ترجمہ

---

[1] گجرات اور بوہرہ قوم مصنفہ محمد عارف داخلی راندیری

میں لکھا ہے کہ ان کے پوتوں میں سے شیخ عبدالقادر بن شیخ ابوبکر متوفی ۱۱۳۸ھ مفتی مکہ معظمہ
میں تھے ۔ ان کی تالیفات میں سے چار جلدیں فتاویٰ کی ہیں ۔ ان کے استاد شیخ عبداللہ
انصاری مکی شافعی تھے ۔ مفتی موصوف کے انتقال پر استاد نے جو مرثیہ لکھا ہے ۔ اس کے
ایک شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ محمد بن طاہر صاحب کا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ تک
پہونچتا ہے ۔ اس کے بعد آزاد بلگرامی نے اس کی تردید اس طرح کی ہے کہ ان کو نومسلم
قرار دیا ہے ، اور اس کی تائید میں نوراللہ شوشتری کا کلام نقل کیا ہے ، جس کی تردید
ان کے ہم عصر محمد صدیق واعظ کے بھائی کی کتاب سے ثابت کر چکا ہوں ۔ اور پھر لفظ شیخ
کی توجیہ آزاد بلگرامی نے یہ کی ہے کہ ہند میں ایسا دستور ہے کہ جو شخص نومسلم ہوتا ہے وہ
اپنے آپ کو شیخ صدیقی کہتا ہے ۔ کیونکہ تصدیق اسلام میں اس نے صدیق اکبر کی تقلید کی ۔[1]
لیکن یہ توجیہ ہندوستان کے بعض نومسلم خاندان کے متعلق تو صحیح ہے ۔ مگر کلیہ کے طور پر اس
کا استعمال میرے خیال میں قطعی غلط ہے ۔ راجپوتوں کے ہزاروں خاندان نومسلم اس وقت بھی موجود
ہیں جو اپنے کو راجپوت ہی کہتے ہیں ۔ کوئی بھی شیخ صدیقی اپنے کو نہیں کہتا ۔ میرے خیال میں شیخ
کہنے کا اصل سبب یہ ہے کہ عرب میں عہد قدیم سے یہ دستور چلا آرہا ہے (اور اب بھی موجود ہے)
کہ خاندان کے سب سے بڑے کو شیخ القبیلہ اور اختصار فقط شیخ کہا کرتے تھے ۔ بلکہ آج بھی ہر
بڑے شخص (عالم ، مرشد وغیرہ) کو یا شیخ کہدیتے ہیں ۔ چونکہ یہ لوگ عام طور سے صاحب علم یا
صاحب ثروت ہوتے تھے اس لئے ان کی دینی و دنیاوی وجاہت کو مدنظر رکھ کر لوگوں نے لفظ
شیخ ان کے ساتھ استعمال کرنا شروع کیا جس کو خود لوگ بھی قبول کر کے اپنے نام کے

---

[1] سبحۃ المرجان ص۴۳ م بمبئی

ساتھ لکھنے لگے۔ اس کے علاوہ اسماعیلی لوگوں میں دینی عہدوں کے لئے جو خطابات مقرر ہیں ان میں سے ایک "شیخ" بھی ہے۔ جس کو فخریہ اپنے نام کے ساتھ لگاتے ہیں۔ اور غالباً اسی سے علامہ غلام علی آزاد جیسے لوگ بھی غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے۔ اکثر مقامات کے بھرے (بوہرے، خصوصاً داؤدیہ فرقہ کا خط و خال ہندوستانی خط و خال سے بالکل مختلف ہے بعض مقامات کے بوہروں میں عربی خون کی جھلک نمایاں طور سے معلوم ہوتی ہے ان کی عورتوں کا چہرہ مہرہ، نوک پلک، خط و خال، رنگ، روپ یہ سب شاہد عادل ہیں کہ مصر اور یمن کے جلاوطنوں کی آخری یادگار ہیں۔ چوتھی صدی ہجری کے آخر میں اسماعیلی عرب سندھ پر قابض ہوگئے تھے۔ محمود غزنوی نے جب سندھ پر قبضہ کیا تو بڑی تعداد سندھ سے ہجرت کرکے گجرات پہونچ گئی۔[1] ۵۶۵ھ میں جب صلاح الدین ایوبی کا مصر پر مکمل قبضہ ہوگیا۔ اور مذہب اسماعیلی کے عوض شافعی مذہب کی ترویج شروع ہوئی۔ تو اسماعیلی لوگوں کی ایک بڑی تعداد یمن اور گجرات میں آکر آباد ہوگئی۔ ۹۴۶ھ میں جب یمن پر زیدیوں کا قبضہ ہوگیا۔ اور زیدیوں نے مذہبی رواداری نہیں برتی۔ اور ترکوں نے بھی اس کی پرواہ نہیں کی۔ تو داؤدیوں نے نہ صرف مرکز دعوۃ یمن سے تبدیل کرکے گجرات کو بنایا۔ بلکہ بعض خاندان کے لوگ بھی گجرات پہونچے۔ جن کی معقول طور پر یہاں دستگیری کی گئی۔ اور اپنی حالت کو درست کرنے کا کافی موقعہ دیا گیا۔ یہ تمام تاریخی شہادتیں اس امر کی دلیل ہیں کہ بوہروں کی آبادی میں ایسا عنصر موجود ہے جو قدیم الاسلام ہے۔ اور غیر ہندی ہے۔ چنانچہ محمد امین مدنی (سنہ ۱۲۰۰ھ) نے لکھا ہے کہ

[1] تاریخ سندھ مصنفہ عبدالحلیم شرر جلد ۲

البوهرة الخ الذی یدل علیه التواریخ ان اصل البوهرة اسلامهم قدیم....

بوھرہ الخ تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ بوہرہ قدیم الاسلام ہیں۔

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں۔

ولما انقرضت دولتهم من مصر فی قرن السادس هاجر اکثرهم وسکن الیمن، ثم منه رحلوا الی الهند۔ وتوطنوفیه[1]

جب مصر سے ان کی (فاطمی) سلطنت چھٹی صدی میں ختم ہوگئی۔ تو یہ لوگ وہاں سے نکل کر یمن میں آگئے۔ اور پھر وہاں سے ہند میں آئے اور اسی جگہ رہ پڑے۔

اب بعض باتیں البتہ غور طلب ہیں۔ احمدآباد میں بعض بوہروں کے خاندان ایسے بھی ہیں جن کا انک (خاندانی لقب) خان ہے۔ اور جو نسلاً افغان ہیں۔ اس کے علاوہ گجرات، کاٹھیاواڑ، دکن وغیرہ کے علاقہ میں اور خصوصاً گاؤں میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اپنے کو بہرہ (بوہرہ) کہتے ہیں۔ مگر تاجر نہیں ہیں۔ بلکہ کاشتکار، برہمن، راجپوت کولی وغیرہ ہیں۔ تو اصل یہ ہے کہ درحقیقت یہ لوگ نومسلم ہیں۔ اور بلاشبہ نومسلم ہیں۔ یہ وہ نومسلم ہیں جن کو بوہرہ مبلغین نے دعوت اسلام دے کر اپنے میں شامل کیا جیسا کہ مجالس سیفیہ اور دیگر کتب میں تحریر ہے۔

محمد امین مدنی بھی اس کی تائید کرتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ

ثم منه رحلوا الی الهند وتوطنوفیه ودعوا مجوس الهند الی مذهبهم فتبعهم خلق کثیرون۔ ولعل من بعضهم آزاد

پھر یمن سے ہند (گجرات سندھ) چلے آئے، اور اسی جگہ وطن بنالیا۔ اور ہندوؤں کو دعوت اسلام دی۔ تو ایک بڑی تعداد مسلمان ہوگئی۔

[1] حاشیہ سبحۃ المرجان ص۴۵ م بمبئی

بلگرامی بقولہ ۔ انھم اسلموا منذ ثلاثمائۃ سنہ ۔ ان ھم اللذین اسلموا علی ید البوھرۃ المھاجرین من الدیار المصریۃ[1]	اور شائد آزاد بلگرامی نے نومسلموں سے انھیں کو مُراد لیا ہے جس کی نسبت لکھا ہے کہ تین سو برس سے مسلمان ہیں ۔ جو مصری مہاجرین بوہروں کی تبلیغی کوشش سے مسلمان ہوئے ۔

میرے خیال میں گزیٹیر نے جو کچھ لکھا ہے اور دیگر کتب مثلاً راس مالا وغیرہ میں نومسلموں کی جو روایت درج ہے ان سب کا مطلب یہی ہے اور ان کو بوہرہ کہنے کی وجہ یا تو یہ ہوگی کہ آباؤ اجداد پہلے تجارت کرتے ہوں گے ۔ پھر بعد میں ان کے اخلاف نے اپنا اپنا نیا شغلہ پیدا کر لیا ہوگا جیسا کہ آج بھی بعض معزز خاندان (بوہرہ) کے لوگ ڈاکٹر، بیرسٹر، پروفیسر وغیرہ ہو گئے ہیں ۔ مگر پھر بھی بوہرہ کہلاتے ہیں ۔ اور یا یہ کہ چونکہ یہ سب لوگ عموماً بوہرہ کے ہاتھوں مسلمان ہوئے اور اکثر نومسلموں کو ان لوگوں نے اپنے میں جذب کر لیا اس لئے علی العموم ہر نومسلم کو اس عہد میں بوہرہ کہہ دیتے ہوں گے ۔ جیسا کہ یورپ میں "مور" کا لفظ ہے کہ ہر مسلم کو مور کہتے تھے (کیونکہ ابتداء میں مسلمان مراکش سے یورپ گئے تھے) یا ہندوستان میں "ترک" کا لفظ ہے، کہ مغلیہ خاندان سے پہلے ہر مسلمان کو ہندو "ترک" کہتے تھے ۔ حالانکہ ہندوستان میں مسلمان سب ترک نہ تھے ۔ خلاصہ یہ ہے کہ شمالی ہند میں ہندوؤں نے ہر مسلم کو ترک اور جنوبی ہند میں ہر مسلم کو بوہرہ کہہ دیا ۔ اور سہولت کے سبب ان دونوں لفظوں نے عوام میں قبولیت حاصل کر لی ۔ اور اسی لئے خوجہ بمعنی ٹھاکر (اصل لفظ خواجہ ہے) جو فاتحانہ اور تاجرانہ حیثیت سے نہ آئے بلکہ سندھ سے تبلیغ کرتے ہوئے آئے ۔ نہ ترک کہلائے اور نہ بوہرہ بلکہ خوجہ (خواجہ) ہی رہے،

---

[1] کتاب مذکور

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب پانچواں

فصل اول (پٹن)

انہل واڑہ پٹن

چونکہ تفریق دعوت کی ابتدا پٹن ہی سے شروع ہوئی ۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مختصر تاریخی زمانہ بھی درج کر دیا جائے ۔ عام تاریخوں میں درج ہے کہ بن راج بانی پٹن کا ایک ساتھی رباڑی (چرواہا) انہل نامی تھا جس کے انتخاب پر یہ زمین پسند کر کے آباد کی گئی ۔ اور اسی کے نام سے انہل واڑا موسوم ہوا، پھر عربوں نے اپنے لہجہ میں اس کو نہروالہ کر ڈالا ۔ تمام عربی تاریخوں میں یہی نام درج ہے ۔ آخری عہد میں لوگ اس کو صرف "پٹن" کہنے لگے ۔ کیونکہ ہندوؤں کی اصطلاح میں راجدھانی یا بڑے شہر کو پٹن کہتے ہیں ۔ بوہروں کی روایت کے مطابق سیدی حسن پیر کے نام پر محمد شاہ تاتار خاں نے اس کا نام پیران پٹن رکھا ۔ لیکن عام مسلمانوں کے خیال کے بموجب پیروں کی کثرت اور مزارات کی زیادتی کے سبب پیران پٹن کہتے ہیں[1] ۔ گوجر راجپوتوں میں سے خاندان چاوڑا، اور سولنکی کے بعد باگھیلا لوگوں نے یہاں حکومت کی ۔ مسلمانوں میں سے سب سے پہلے ۴۱۶ھ میں محمود غزنوی نے بھیم دیو کو شکست دے کر پٹن پر قبضہ کیا ۔ اس کے چلے جانے پر بھیم دیو قابض ہو گیا ۔ ۵۹۱ھ میں قطب الدین ایبک نے پٹن پر حملہ کر کے فتح کیا ۔ مگر تاوان جنگ وصول کر کے واپس گیا ۔ ۵۹۳ھ

---

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی صفحہ ۱۱ م کلکتہ

میں دوبارہ پٹن پر جنگ کرکے قابض ہوا۔ اور ایک نائب مقرر کردیا۔ لیکن خانہ جنگی میں مصروف ہوجانے کے بعد اس طرف کافی امدادی فوج نہ بھیج سکا اس لئے دوبارہ راجہ پٹن کا قبضہ ہوگیا۔ ۶۹۶ھ میں علاؤالدین خلجی نے راجہ کرن باگھیلا کے وزیر مادھو کی استدعا پر اُلغ خاں کو فتح گجرات کے لئے بھیجا جس نے شکست دے کر گجرات کو ممالک مقبوضہ میں شامل کیا۔ خلجیوں کے بعد اس پر تغلق کا قبضہ ہوا، خاندان تغلق کا آخری بادشاہ محمود تغلق کے عہد آخر ۸۰۱ھ میں نہروالہ کی سلطنت آزاد ہوگئی۔ اور ظفر خاں سابق وائسرائے، سلطان مظفر شاہ کے نام سے پٹن کو راجدھانی بناکر تخت نشین ہوا، دراصل نہروالہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ اول قلعہ، دوسرا شہر، پٹن کا حصہ بیرون حصار بھی اس قدر وسیع ہوگیا تھا کہ میلوں تک اس کی آبادی چلی گئی تھی پٹن کی ویرانی گو اعتماد خاں (گجراتی بادشاہوں کا آخری وزیر) کے وقت سے ہی شروع ہوئی کیونکہ بار بار فوج کشی اور حملہ کے سبب لوگ دوسری جگہ آباد ہوگئے اور مغلیہ عہد میں اس کو کچھ ترقی تو نہ ہوئی، مگر تنزل کی رفتار رک گئی۔ اس کی اصلی ویرانی مرہٹوں کے وقت سے شروع ہوکر آج انتہا کو پہونچ گئی۔ اس وقت اس پر قبضہ گائکواڑ مرہٹوں کا ہے۔ قلعہ کا ایک برج اور تھوڑی سی دیوار سلامت ہے۔ جس کے پیچھے ایک مندر نو تعمیر ہے باقی قدیم پٹن کی ایک اینٹ بھی سلامت نہیں ہے۔ اور ہر جگہ ویران ہوکر زرعی زمین ہوگئی ہے۔ کھیتوں میں کہیں مقبرے، کسی جگہ گورستان، کوئی جا کسی عمارت کی دیوار نظر آتی ہے، جیسا کہ مشہور بھی ہے۔ اور آبادی بھی ندی کے دوسری جانب تک پھیلی ہوئی تھی۔ سولنکی خاندان کا مشہور فرماں روا سدھراج نے قلعہ کے سامنے ہی سہنگ تالاب لاکھوں روپے کے خرچ سے تیار کرایا تھا۔ جو افسوس ہے کہ بھر گیا۔ اس کے ایک حصہ میں حضرت رکن الدین نبیرۂ حضرت فریدالدین شکر گنج کا مزار ہے جو سلطان احمد بانیٔ احمدآباد کے مرشد ہیں۔ لوگ فاتحہ خوانی کے

لئے اکثر جاتے ہیں۔ وسط میں ٹیکری پر قطب بی بی کا روضہ مسلمانوں میں مشہور ہے۔ اور ہندوؤں میں اور کچھ، مگر قیاس چاہتا ہے کہ احمدآباد کے کانکریہ تالاب میں نگینہ باڑی کے طرح کوئی پُرفضا شہ نشین ہوگا۔ کنارے پر سید حسین صاحب کا مزار ہے۔ اس تالاب کے پُر ہوجانے پر بھی چاروں طرف اس کے احاطہ کی بلندی موجود ہے۔ قلعہ سے تھوڑے فاصلہ پر رانی کا باؤ ہے۔ جو بہت مشہور ہے۔ یہ بھی بھر گیا تھا، حال میں بڑودہ اسٹیٹ کی طرف سے کچھ حصہ درست کرایا گیا ہے۔ جس سے صرف اسقدر حفاظت ہوگئی ہے کہ اچانک، کوئی اس میں گر نہیں سکتا۔ اس باؤ (باؤلی) کا پانی کم نہیں ہوتا۔ برسات کا بھی پانی اس میں آکر جمع ہوتا ہے۔ کھانسی، نزلہ اور اسی قسم کی بیماریوں کی شفا سمجھ کر اس پانی کا ہندو بکثرت استعمال کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس کے نیچے کسی چشمہ کا سوت ہے جس کے باعث پانی کم نہیں ہوتا۔ پٹن کے دوسری جانب خان سرور کا مشہور تالاب ہے جو خان اعظم سرور خاں غوری کا تیار کیا ہوا ہے۔ جو علاؤالدین خلجی کے عہد میں یہاں تھے[۱] یہ اس وقت اگرچہ بے مرمت ہے۔ پھر بھی پانی سے بھرا رہتا ہے۔ اور لوگ نہاتے ہیں، کپڑے دھوتے ہیں۔ جانوروں کو پانی پلاتے ہیں۔ شہر پناہ اور تالاب کے درمیان قبرستان ہے۔ اس میں ایک قبر سلطان حاجی ہود کی ہے۔ جن کی نسبت مشہور ہے کہ کرن سولنکی کے عہد میں آئے اور راجہ کو مسلمان بنایا۔ تاریخ الاولیاء میں بھی یہی لکھا ہے، مگر ان کی آمد کی تاریخ "یلوح الشمس" ۴۵۲ھ سے نکلتی ہے اور یہ عہد بھیم دیو کا ہے۔ اور "عشق اللہ" ۵۳۶ھ، تاریخ وفات ہے جو سدھراج جے سنگھ کا عہد ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بھیم کے عہد میں آئے اور سدھراج کے عہد میں وفات پائی۔

---

[۱] خاتمہ مرآۃ احمدی ص ۱۱۰ م کلکتہ

اس سے کچھ دور ایک مقبرہ ہے۔ جس میں مختلف قسم کی پتھر کی جالیاں لگی ہیں۔ مشہور ہے کہ صاحب قبر ایک سنگ تراش تھے اور ساتھ ہی صاحب حال۔ اپنے مقبرہ کے لئے خود ہی جالیاں تیار کیں۔ ان جالیوں کو پانی سے دھوکر اکثر مسلمان اس کا پانی مختلف امراض کی شفایابی کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ موجودہ عہد میں متعدد جالیاں نہیں ہیں۔ شائد بہ تبرک لوگ اپنے گھر اٹھالے گئے۔ اس سے تھوڑے فاصلہ پر مشہور و معروف مقبرہ علامہ محمد بن طاہر پٹنی کا ہے، جو مجمع البحار اور تذکرۃ الموضوعات کے مصنف ہیں۔ آپ سُنی بوہروں میں سے تھے، اور فرقہ مہدویہ (متبعین سید محمد جونپوری) کے خلاف جدوجہد کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ آپ کا مقبرہ قابل مرمت ہوگیا ہے، بعہد اکبر ۹۸۶ھ میں وفات ہوئی ہے۔ تقریباً سو برس کے بعد وہ مکان جس میں آپ فروکش تھے آپ کے اعزہ نے بعہد ابوالبرکات بن قاضی عبدالوہاب فروخت کرڈالا۔ محمد نور قطب پٹنی کے ذاتی کتب خانہ میں ایک دستاویز نظر سے گزرا، جس میں علامہ موصوف کے مکان کی کیفیت مندرجہ ذیل تھی،

(خلاصہ دستاویز)

مکان علامہ محمد طاہر مشتمل بر عمارت دیوارہا دخشت پختہ یک صف یا دو حجرہا، ہر یک بابام مسقف و بچوب و گچ بندہ بالائے نیز صفہ یا دو حجرہ، ہر یک بہ پوشش چوب و نے نیزہ و نلیہ، و صحن بعہد ابو برکات بن قاضی عبدالوہاب بمعاوضہ ۴۰۰ (چہار صد) ۴ ر جمادی الثانی ۱۰۸۰ھ،

مکان علامہ محمد طاہر پٹنی جو عمارت پختہ اینٹ کی دیواروں ایک صفہ دو حجروں پر شامل ہے ہر ایک چھپر لکڑی اور گچ کیا ہوا ہے۔ چھت اوپر بھی، ایک صفہ دو حجرے ہیں۔ جن پر لکڑی اور کھپرے (نلیہ) کا چھپر ہے۔ ساتھ ہی ایک صحن بھی ہے۔ ابوالبرکات بن قاضی عبدالوہاب کے عہد میں بمعاوضہ چارسو (۴۰۰) روپے ۴ ر جمادی الثانی ۱۰۸۰ھ میں فروخت ہوا

یہ مکان آجکل ایک دوسرے بوہرہ محمد نور ولی صاحب کے قبضہ میں ہے۔ از سر نو تعمیر کیا ہے، لیکن وہ حجرہ جس میں آپ عبادت کرتے تھے، بطور یادگار اب بھی قائم رکھا ہے۔ راقم الحروف جب ۱۹۳۲ء کے ابتدا میں پٹن گیا تھا تو اس حجرہ کی زیارت سے بھی مشرف ہوا، جہاں ہزاروں نمازیں تہجد کی ادا کی گئیں۔ ایک چھوٹا سا تاریک حجرہ ہے۔ جس میں ایک مصلے سے شاید ہی کچھ زیادہ جگہ ہو۔ ممکن ہے کہ پہلے اس سے زیادہ کشادہ ہو۔ کہتے ہیں کہ استاذنا مولانا عبدالحی فرنگی محلی رح کا ذاتی حجرہ بھی اسی طرح چھوٹا تھا۔ جہاں روشنی کا کم گزر ہوتا تھا۔ آپ درمیان میں ہوتے اور چاروں طرف کتابوں کا انبار ہوتا۔ موجودہ پٹن کا شہر پناہ جابجا سے شکستہ ہے، خان سرور تالاب کی طرف جو دیوار شہر میں گنیتی کی مورتی بنی ہے، وہ مرہٹوں کی جدت ہے، متعدد آباد و غیر آباد مساجد وہاں موجود ہیں قدیم جامع مسجد شہر سے باہر ہے، اس کی دیوار اور محرابیں تو قدیم ہیں مگر چھت جواب گر گئی ہے غالباً بابیوں کے وقت کی ہے۔ اس کے صحن میں چند مزار ہیں۔ وسط میں غالباً مولانا حسام الدین رح کی قبر ہے۔ یہ وہی مسجد ہے جس کا ذکر مؤلف ظفر الوالہ نے سلطان قطب الدین احمد خاں اور محمود خلجی کے جنگ کے موقعہ پر کیا ہے۔ اندرون شہر پناہ جو جامع مسجد آجکل ہے۔ اس کی تجدید عمارت کی گئی ہے۔ اس میں ایک کتبہ ہے۔ مگر لوگوں کی بدمذاقی سے اس پر چونہ کاری کردی گئی ہے۔ جس کے باعث عبارت پڑھی نہیں گئی، شہر میں ایک ہائی اسکول، ڈاکٹری مدرسہ مع ہاسپٹل مختلف گجراتی مدارس، متعدد اردو مدارس طلبہ و طالبات کے لئے سرکاری و غیر سرکاری موجود ہیں۔ فتح سنگھ کے نام سے

ایک فتح لائبریری بھی سرکاری انتظام میں ہے۔ جس میں گجراتی اور انگریزی کے علاوہ اردو کتابوں کی بھی معقول تعداد ہے۔ ایک عربی مدرسہ مع مسجد موجود ہے۔ جس کا نام فیض صفا تھا لیکن اب کنز مرغوب ہے۔ اس کی بنیاد عالمگیر کے عہد میں رکھی گئی ایک کتبہ اوپر لگا ہوا ہے۔ عرصہ سے بند تھا۔ حال میں اس کا افتتاح ہوا ہے۔ بلا تنخواہ بعض علماء پٹن تعلیم دیتے ہیں۔ کچھ سرکار کی طرف سے مدد ملتی ہے۔ کچھ چندہ اور زمین کے کرایہ سے کسی نہ کسی طرح یہ مدرسہ چلایا جاتا ہے۔ یہاں کا قلمی کتب خانہ بڑے ردی حال میں ہے، کاش اہل پٹن اس پر توجہ کرتے۔ یہاں کا بازار معمولی ہے، گلیاں تنگ، عام مکانات دو منزلہ اور بعض سہ منزلہ بھی ہیں۔ چند سال سے ایک گھنٹہ گھر بھی تعمیر ہوا ہے۔ تین دروازہ بھی کچھ قدیم نظر نہیں آیا۔ لوگوں کو کہتے سنا کہ مرہٹی راج کا تعمیر شدہ ہے۔ مٹی کے برتن اچھے بنتے ہیں کاجل بھی یہاں کا مشہور ہے۔ قدیم صنعت میں سے صرف ایک چیز رہ گئی ہے، جس کو پٹولہ کہتے ہیں۔ یہ عجیب و غریب صنعت بھی لب گور ہے، کاریگر اس کپڑے میں تانا بانا کے ہیر پھیر سے مختلف قسم کی تصاویر اس عمدگی کے ساتھ تیار کرتے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ اگر دولتمند بوہرے اس طرف توجہ کریں تو آسانی سے ہندوستان بلکہ خاص گجرات کی یہ صنعت دوبارہ زندہ ہو سکتی ہے۔ مسلمانوں کی ایک انجمن بھی جامع مسجد کے پاس ہے، دہنج جہاں خشکی کی راہ سے سندھی عربوں کا پہلا حملہ گجرات پر ہوا ہے۔ وہ پٹن سے بہت قریب ہے، فی الحال یہاں کی آبادی ۲۶ ہزار ہے۔ جس میں سے مسلمان صرف چھ ہزار ہیں۔ سپاہی، پیرزادے اور بوہرے زیادہ تر ہیں۔ یہ بوہرے سُنی ہیں، اور پٹن کے بوہرہ واڑ میں رہتے ہیں۔ ان کے مکانات بلند، عالیشان، اور نمائشی چیزوں سے سجے ہوئے ہوتے ہیں۔ اسوقت بھی محمد نور قطب صاحب کے مکان میں قدیم چینی کے سامان

بکثرت ہیں اور بعض بہت ہی دلچسپ ہیں۔ ان مکانوں کے درمیان کی گلیاں بہت تنگ ہیں اور یہ مکانات سو سو برس کے تعمیر کئے ہوئے ہیں۔ پٹنی بوہرے عموماً تاجر پیشہ ہیں۔ جدہ، مکہ وغیرہ میں تجارت کرتے ہیں۔ پہلے ان کی حالت بہت اچھی تھی۔ اب گرتی جاتی ہے، ان کے مکانات بھی بوسیدہ ہو کر منہدم ہو رہے ہیں۔ اور دوبارہ تعمیر کی سکت نہیں ہونے کے سبب غیر بوہروں کو فروخت کر رہے ہیں۔ اور اس طرح بوہرے محلوں میں غیر بوہرے آہستہ آہستہ دخل پا رہے ہیں۔ ان کے ہر محلہ میں ایک ایک مسجد ہے۔ جہاں پانچوں وقت کی نماز پڑھتے ہیں اور جمعہ کی نماز ادا کرتے ہیں۔ مگر عجیب ترین بات یہ ہے کہ ان مسجدوں میں اذان کے بعد گھنٹہ بجتا ہے۔ گویا اذان برائے نام ہے۔ اور اصل لوگ گھنٹہ کی آواز پر مسجد میں آتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ رسم مرہٹوں کے عہد سے شروع ہوئی۔ مرہٹے اذان دینے میں ہارج اور مانع ہوئے ہوں گے تو یہ رسم نکالی۔ چونکہ بوہرے ابتدائی ہجری صدی سے تجارت اہل عرب سے کرتے آئے ہیں۔ اس لئے ان کا لباس ابھی بھی عربی طرز کا ہے۔ اور ان کے کھانے کا وقت بھی صبح ۹ بجے اور شام کو بعد عصر قبل مغرب مقرر ہے یہ لوگ گھڑیوں میں عربی وقت رکھتے ہیں یعنی طلوع صبح کے وقت ایک بجتا ہے۔ دوپہر کو چھ بجتے ہیں۔ اور غروب کے وقت بارہ۔ پٹنی بوہرے جب ایک دوسرے کو بلاتے ہیں یا اُن کا ذکر کرتے ہیں تو نام کے بجائے عموماً ابجدی اعداد کا اظہار کرتے ہیں۔ مثلاً ۵ بدھ آئے تھے، ۵۵ ۲ گئے، یہاں شادیوں میں دہی بنانے کی رسم بڑی دلچسپ ہے۔ شادی اپنے ہی لوگوں میں کرتے ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ جب تک ایک دفعہ عرب نہ ہو آئے اسکی شادی نہیں ہوتی ہے۔

فصل (۲)

جعفریہ

ان سُنی بوہروں کو جعفریہ بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ مُلا جعفر پٹنی نے ان کو اسماعیلیہ شیعہ سے سُنی بنایا۔ اور انھیں کے مقلد اور متبع ہوئے۔

مُلا جعفر پٹنی

مُلا جعفر صاحب پٹن کے رہنے والے تھے، اور والد کا نام خواجہ تھا۔ ابتدائی تعلیم انہل واڑا (نہروالہ) پٹن ہی میں ہوئی۔ چونکہ خواجہ صاحب کو علم کا بڑا شوق تھا۔ اس لئے مزید تعلیم کے واسطے احمدآباد کے مدرسہ میں بھیجا گیا۔ جو مولائی مُلا حسن بن آدم داعی ہند کے زیرِ نگرانی اچھے پیمانہ پر چل رہا تھا۔ یہاں تعلیم حاصل کر کے حدود کے درجہ پر پہونچے[۱] کچھ دنوں کے بعد مُلا جعفر نے مولائی سے یمن جانے کی اجازت طلب کی۔ مولائی نے کہا کہ تمہارا مقررہ نصاب ختم نہیں ہوا ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ بعد ختم نصاب اگلے سال جانے کا ارادہ کرو لیکن مُلا جعفر نہ مانے۔ اور بھروچ چلے گئے۔ اور وہاں سے جہاز پر سوار ہو کر یمن روانہ ہو گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس درمیان میں ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور بزرگوں میں کوئی ایسا نہ تھا جس کا دباؤ ان پر پڑتا، ورنہ ایسی بڑی جرأت نہ کرتے مولائی مُلا حسن بن آدم کو جب اس کی خبر لگی تو تمام حالات تحریر کر کے داعی وقت سیدنا

---

[۱] کوکب فلک صـ۲۴

شمس الدین علی بن سیدنا عبداللہ کے پاس یمن روانہ کر دیا۔ اتفاقاً یہ جہاز پہلے پہونچا۔ اور سیدنا کو تمام حالات سے آگاہی ہو گئی پھر مُلا جعفر کا جہاز پہونچا۔ اور سیدنا سے ملاقات کی۔ سیدنا نے مُلا جعفر سے ہند کے متعلق حالات دریافت کئے۔ مُلا صاحب نے عرض کیا کہ ہند میں ہر طرح سے امن و امان ہے۔ اور استاذی مُلا حسن صاحب کے عمالت سے سب لوگ خوش ہیں۔ اور احمدآباد کا مدرسہ طلبہ سے بھرپور ہے۔ عجلت میں مُلا صاحب نے یہ بھی دریافت نہ کیا کہ جو لوگ ہند سے یمن جاتے ہیں ان کو کن کن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، اور اس بات سے بالکل بے خبر تھے کہ جو لوگ ہند سے جاتے تھے ان کے لئے سند کے علاوہ والی کی سفارش ایک ضروری شے ہے۔ چنانچہ جب سیدنا نے دریافت کیا کہ تمہارے پاس سیدی حسن بن آدم والی ہند کا کوئی سفارشی خط ہے؟ مُلا صاحب کو اب معلوم ہوا کہ غلطی ہوئی لیکن تھے ذہین آدمی کہنے لگے کہ جلدی میں خط لانا بھول گیا۔ لیکن سیدی حسن صاحب کی اجازت سے آیا ہوں۔ بلکہ مجھے رخصت کرنے شہر سے باہر تک تشریف لائے تھے۔ اور آپ کو بہت بہت سلام کہا ہے۔ سیدنا یہ سُن کر خاموش ہو گئے، چونکہ دُور دراز سے سفر کر کے آئے تھے، اس لئے ازراہِ ترحم ان سے کچھ نہ کہا۔ مُلا جعفر دو سال تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اس کے بعد سیدنا سے ہند جانے کی اجازت طلب کی۔ اور وقت وداع دریافت کیا کہ مجلس کی ترتیب میں میرے واسطے کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہند کے والی سیدی حسن جو تمہارے واسطے تجویز کریں، یہ سنتے ہی مُلا صاحب گھبرائے۔ کہنے لگے۔ اجازت ہو تو ایک برس اور یہاں مقیم ہو کر تعلیم حاصل کروں۔ سیدنا نے فرمایا کہ یہ تمہارے اختیار کی بات ہے۔ کہ یہاں رہو یا ہند جا کر اپنے اہل وطن سے ملو۔ غرض ایک سال اور مقیم رہے۔ اور تین برس کے بعد جب ہند واپس آنے لگے تو سیدنا سے رخصت چاہی۔ جو حسب خواہش مل گئی۔ ترتیب مجلس کا جب سوال

کیا تو پھر دہی سیدی حسن کی تجویز کا جواب ملا جس سے مُلا صاحب بہت پریشان ہوئے، پھر نماز پڑھانے کی اجازت طلب کی۔ تو آپ نے عدن تک کی اجازت دی۔ ہند کی اجازت نہ عطا فرمائی۔ مُلا صاحب یمن سے جہاز پر سوار ہو کر دیو بندر میں پہونچے۔ گاؤں کے مومنین بڑی عزت سے اتار کر اپنے گھر لے گئے۔ نماز کے وقت لوگوں نے آپ سے نماز پڑھانے کی استدعاء کی۔ مُلا صاحب نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ مجھ کو اس کی اجازت نہیں ملی ہے۔ لیکن لوگوں کے مکرر استدعاء پر محراب میں جا کھڑے ہوئے اور نماز پڑھا دی۔ پھر یہاں سے بھروچ پہونچے اور یہاں بھی نماز پڑھائی۔ بھروچ سے کھنبائت آئے۔ یہاں بھی اسی طرح کیا۔ پھر احمد آباد پہونچے، اور سیدی حسن سے ملنے گئے، سیدی حسن کو مُلا جعفر کے تمام حرکات سے آگاہی ہو چکی تھی۔ مُلا جعفر جب ملے تو سیدنا کا کاغذ (خط) دیا۔ جس میں تحریر تھا کہ "سیدی حسن صاحب اگر آپ مناسب سمجھیں تو کسی گاؤں میں ان کو نماز پڑھانے اور دینی امور انجام دینے کے لئے بھیجدیں"۔ خط پڑھ کر سیدی حسن نے دریافت کیا کہ بغیر اجازت تم نے ہند کے مختلف مقامات میں نماز کیوں پڑھائی۔ مُلا صاحب نے عرض کیا کہ غلطی ہوئی، معاف کیجئے، آپ نے کہا کہ لوگوں کو لکھدو کہ جو نماز ہم نے پڑھائی وہ بغیر اجازت کے پڑھائی اس لئے لوگ اس کو دوبارہ ادا کریں۔ مُلا صاحب نے کہا کہ مجھے تو شرم معلوم ہوتی ہے۔ آپ ہی تحریر فرمادیں۔ مولائی نے کہا کہ بھائی دینی معاملات میں شرم کی کیا بات ہے۔ تم نے مثل نہیں سُنی کہ توڑے سو جوڑے، اور لگائے سو بجھائے۔ لہٰذا تمہارا ہی فرض ہے کہ تم سب کو اپنی غلطی سے آگاہ کردو۔ مُلا صاحب نے جواب دیا کہ بہت خوب آپ اس وقت تو اجازت دیجئے کہ گھر جاؤں۔ کل صبح آکر حسب ارشاد تحریر کردوں گا۔ مُلا جعفر جب رخصت ہو کر قیام گاہ میں پہونچے تو ان کی رائے بدل گئی، اور احمد آباد سے سیدھے پٹن پہونچے۔ پٹن کے لوگوں نے بھی اس کی بڑی عزت افزائی کی۔ اور

یمن کے حالات دریافت کرنے لگے۔ مُلا صاحب بھی سب حالات سُناتے رہے، اور دیکھا کہ لوگ ان کے گرویدہ ہو گئے ہیں تو کہنے لگے کہ میں تین چار سال یمن میں رہا۔ اور سچ پوچھو تو وہاں حق کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ لوگ صرف نام کے مسلمان ہیں۔ اور اہل بیت کی دعوت صرف سیاسی چال ہے ورنہ دعوت اہل بیت کی کچھ حقیقت نہیں۔ آہستہ آہستہ لوگ ان کے ہم عقیدہ ہونے لگ گئے۔ اور کچھ دنوں کے بعد اپنے ہم عقیدوں کے راہ نما ہو گئے۔ اس وقت سیدی مُلا حسن والی ہند کے طرف سے پٹن کے عامل "ملا راجا" تھے، تمام حالات مُلا راجا عامل پٹن نے مُلا حسن والی ہند کو لکھ بھیجے۔ اور والی ہند نے یمن کے سیدنا کو لکھا، سیدنا نے جواب دیا کہ دلیل قاطع اور بُرہان ساطع سے مُلا جعفر اور ان کے مقلدوں کو سمجھاؤ، اگر نہ مانے تو ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو اور ان سے قطع تعلق کرلو۔ چنانچہ مُلا راجہ نے تنہائی میں مُلا جعفر صاحب کو بہت سمجھایا۔ اور ہر دلیل و برہان سے ان کے سامنے بحث کی، مُلا جعفر نے کہا کہ میں سب جانتا ہوں۔ حق اور باطل خوب پہچانتا ہوں۔ کوئی بھول چوک سے میں نے یہ کام شروع نہیں کیا ہے، بلکہ قصداً جان بوجھ کر عالم ہوشیاری اور بیداری میں اس کام کی ابتدا کی ہے، اور چونکہ ہم آپ بچپن کے دوست ہیں اس لئے قبل از وقت آپ کو آگاہ کرتا ہوں کہ آپ کے لئے بہتر یہی ہے کہ پٹن چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلے جائیں۔ ورنہ آپ یہاں رہے تو ضرور قتل ہو جائیں گے۔ اور لوگ آپ پر رافضی ہونے کی تہمت لگائیں گے[1] غالباً مُلا راجہ نے اس کی رپورٹ والی ہند کو کی۔ اور وہاں سے اجازت ملنے پر مُلا راجہ نے مع اہل و عیال

---

[1] اس عہد میں تمام مومنین تقیہ کر کے عام سلمانوں کے ساتھ مل جل کر بظاہر رہتے تھے، اور بظاہر کوئی ایسا کام نہ کرتے تھے جس سے عام مسلمانوں سے الگ ہونا ظاہر ہو۔ اکبر کے عہد سے کھُلم کھلا الگ ہو گئے۔

کے پٹن کو خیرباد کہا۔ اور ہجرت کر کے موربی (کاٹھیاواڑ) چلے گئے۔ اور چونکہ مُلا جعفر کی والدہ نے تبدیل مذہب نہیں کیا۔ اس لئے اس خیال سے کہ ان کو بھی اذیت نہ پہنچے، ملا راجہ کے ساتھ کر دیا۔ ملا راجہ نے موربی پہونچکر نور بافی کا پیشہ اختیار کر لیا، اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ اُدھر مُلا جعفر صاحب پٹن میں مقیم رہے۔ اور اب ان کے لئے راستہ صاف تھا۔ تمام پٹن میں ان کا اقتدار قائم ہوگیا۔ اور تقریباً کل پٹن کے مومنین مُلا جعفر کے مقلد ہوگئے مُلا جعفر صاحب کو جب پٹن کی طرف سے اطمینان ہوگیا تو ویسانگر (ویسل نگر) گئے اور وہاں سے ورنگر (ڈھ نگر)، پھر پراتی (پرانتیج)، بیسانہ، موڑاسہ، کرڈی ہوکر احمدآباد آئے، ہر جگہ اپنے خیالات کی تبلیغ کی، اور کامیابی ان کے ہمرکاب رہی۔ اس طرح ان کی جمعیت بڑی ہوگئی، اور ہزاروں کی تعداد میں ان کے مقلدین ہوگئے۔ مُلا جعفر صاحب احمدآباد بڑی شان و شوکت سے پہونچے۔ اور محمد شاہ[1] بن احمد شاہ بانی احمدآباد سے دربار میں ملاقات کی۔ بادشاہ سے لے کر امراء تک نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اس پشت پناہی سے آپ نے اپنے عقائد کی تبلیغ احمدآباد میں بھی شروع کر دی، اور جماعت کے بعد جماعت ان کی تقلید کرنے لگی جس سے مومنین گھبرا گئے۔ سیدی ملا حسن والی ہندستر میں ہوگئے۔ اور عام مومنین نے تقیہ کا بڑا دبیز جامہ پہن لیا۔ جعفریوں کا زور اس قدر بڑھ گیا تھا۔ کہ اسماعیلیوں میں سے کوئی بھی باہر نکلتا اور معلوم ہو جاتا تو لوگ سخت ذلیل کرتے۔ اس زمانہ میں ان کی تمام مسجدیں ویران ہوگئی

---

[1] موسم بہار میں محمود بن احمد شاہ لکھا ہے۔ لیکن اہل تاریخ اچھی طرح جانتے ہیں کہ احمد شاہ کا کوئی لڑکا محمود شاہ کے نام سے تخت نشین نہیں ہوا۔ بلکہ محمد شاہ ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مُلا جعفر اپنے عقائد کی تبلیغ کرتے ہوئے بہت عرصہ تک نڈر رہے۔ کیونکہ احمد شاہ کے بعد محمد شاہ ۸۴۶ھ میں تخت نشین ہوا ہے۔ اور واقعہ ملا جعفر کی ابتداء ۸۳۲ھ سے ہوئی۔

تھیں، خوف سے کوئی نمازی اس میں داخل نہ ہوتا۔ مسجدوں میں گھانس پیدا ہوگئی تھی۔ غرض دو برس تک مُلا جعفر بڑے عروج پر رہے۔

آخر چانپانیر میں لوگوں نے تبلیغ کے نام سے بلایا اور تیرہ صفر کو بر سر بازار قتل کر ڈالا۔[1] مشہور ہے کہ قبر ان کی اسی جگہ ہے۔ اس خبر کی شہرت پاتے ہی اسماعیلیوں کے جان میں جان آئی۔ مولائی سیدی حسن ستر سے ظاہر ہوئے۔ مولائی رات کو لوگوں کے گھر جاتے اور

---

[1] یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ چانپانیر اسوقت تک سلمان بادشاہوں کے قبضہ میں نہیں آیا تھا۔ بلکہ یہاں راجہ کی حکومت تھی۔ اور اسی لئے مُلا جعفر کے قتل کے لئے یہ سرزمین منتخب کی گئی۔ تاکہ بعد قتل ہندو عملداروں کو رشوت وے دلا کر معاملہ رفع دفع کیا جا سکے۔ کیونکہ مسلم راج میں ایسا نہ ہو سکتا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ قاتل کا کوئی پتہ نہ لگایا گیا۔ اور اسی واقعہ سے ایک مورخ ایسی رائے قائم کرنے پر مجبور ہے کہ سلطنت کے حکام طمع یا تعصب سے مُلا جعفر کے طرفدار ضرور تھے۔ مگر عملاً سلطان نے اس معاملہ میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ کیونکہ اگر دل سے اس معاملہ میں کوئی عملی حصہ لیا ہوتا تو اس قتل کے عوض میں راجہ سے ایک بڑی رقم خون بہا کی طلب کرتا۔ یا قاتل کے سپردگی کا مطالبہ کرتا۔ اور انکار کی صورت میں جنگ عظیم یقینی تھی۔ مگر مورخین پر یہ امر روشن ہے کہ ان میں سے کچھ بھی نہ ہوا۔ پس معلوم ہوا کہ خود سلطان محمد شاہ نے اس میں عملی حصہ کچھ نہ لیا۔ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ حکام یا پولس ان فسادات میں عملاً خود کوئی حصہ نہیں لیتی۔ میرا خیال ہے کہ یہی واقعہ مُلا جعفر کے معاملہ میں بھی پیش آیا کہ حکام اور پولس نے مُلا جعفر اور ان کے مقلدوں کے کارروائیوں سے بوجہ جانبدار ہونے کے چشم پوشی کی ہوگی۔ اور میرے دعوے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مُلا جعفر کے واقعہ قتل کے بعد ہی سیدی مُلا حسن والی ہندستر سے ظاہر ہوگئے اور تمام مومنین کو مصائب سے نجات مل گئی، اگر سلطان نے خود عملی حصہ لیا ہوتا تو مُلا جعفر کے وفات سے مومنین

سمجھا کر اپنے مذہب پر واپس لاتے۔ اس طرح مُلا راجہ پٹن کے عامل جہاجسر سودبی نے بھی اس معاملہ میں بڑی جدوجہد کی۔ غرض مومنین جو آٹے میں نمک کی تعداد میں ہو گئے تھے۔ ان دونوں کی سعی سے ان کا ایک حصہ واپس آیا۔ لیکن بڑی جماعت جعفریہ ہی رہی۔ اور احمدآباد میں آج تک یہ بڑی جماعت کے نام سے موسوم ہے۔ اور داؤدی بوہروں کو چھوٹی جماعت کہتے ہیں مُلا جعفر ٹمنی تقریباً بیس برس اپنے خیالات کی تبلیغ کرتے رہے۔ ان کی جدوجہد کا تعمیری پہلو جو بھی ہو، لیکن تخریبی پہلو کا نتیجہ یہ نکلا کہ تقریباً چھ ہزار آدمی دنیا سے چل بسے۔ انکے مبلغین ضلع سورت، بھروچ، کھنبائت، نڑیاد غرض تمام گجرات میں پھیل گئے۔ بلکہ کپڑونج کے لوگوں پر تو جزیہ تک قائم کرادیا۔ عہد محمود بیگڑا تک یہی حال رہا۔ کہ بوہرے از روئے مذہب تو مختلف خیالات رکھتے۔ لیکن معاشرتی تعلقات ابھی تک ایک دوسرے کے ساتھ قائم تھے چنانچہ ہم نسل ہونے کے سبب ایک دوسرے کے یہاں شادی ہوتی تھی۔ دعوتوں میں ایک

کو نجات نہ ملتی کیونکہ خود سلطان تو ابھی زندہ تھا۔ اس کی مثال عہد اکبر کی ہے۔ کہ مُلا سلیمان اور ان کے مقلدین کے سبب مومنین پر بڑے بڑے مصائب آئے۔ داؤدی بوہروں کے تمام مکانوں پر مہریں لگ گئیں، باہر نکلنا دشوار تھا۔ قاسم اعمیٰ نے کیا کچھ نہ کیا اور عہد شاہزادہ مُراد میں سیدنا کو کیسی تکلیف دی گئی مگر ان تمام معاملات میں مال کے طمع سے حکام احمدآباد مقلدین ملا سلیمان کے طرفدار تھے خود اکبر بادشاہ کو ان معاملات میں کوئی دخل نہ تھا۔ بلکہ شاہزادہ مُراد نے بھی کوئی حصہ اس میں نہ لیا۔ اور معمولی تحقیقات کے بعد ماتحت حکام کے سپرد کرکے خود دکن چلا گیا۔ اور کبھی کسی دلچسپی کا اظہار نہ کیا۔ ان دلائل سے یہ بات واضح ہو گئی۔ کہ مُلا جعفر کے معاملہ میں سلطنت اور بادشاہ نے کوئی عملی حصہ نہ لیا۔

دوسرے کے یہاں جاتے تھے۔ غمی میں بھی آپس میں شرکت کرتے تھے لیکن مصیبت یہ ہوئی کہ ان تعلقات کے سبب نے "تنازعات" میں بڑا اضافہ ہو گیا، خصوصاً وراثت کے مسائل اکثر تنازعہ فیہ رہتے علامہ سید جعفر شیرازی پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اس تکلیف کو محسوس کیا۔ اور اپنے مواعظ حسنہ سے ہر طرح کی کوشش کی کہ یہ تکلیف رفع ہو۔ آخر اس کی صحیح صورت یہ نکالی گئی کہ ہر دو میں ہر قسم کے ترکِ تعلقات کا اعلان کر دیا جائے۔ چنانچہ اُس دن سے معاشرتی تعلقات ہر قسم کے آپس میں منقطع ہو گئے۔ نہ کوئی ایک دوسرے کے یہاں شادی بیاہ میں شرکت کرتا ہے نہ دعوتوں میں بلایا جاتا ہے۔ نہ کوئی ایک دوسرے کو لڑکی دیتا ہے۔ مشہور ہے کہ یہ کام پٹن میں مولائی محمد طاہر نے کیا۔ اس معاشرتی تعلقات کے منقطع ہو جانے سے اس میں شک نہیں کہ ہر طرح سے امن و امان قائم ہو گیا لیکن یہ دونوں آپس میں پھر ایسے ہو گئے کہ دو علیحدہ قوم نظر آنے لگے اس کا عام مسلمانوں پر یہ اثر پڑا کہ ان داؤدی بوہروں کو مسلمانوں سے الگ قوم سمجھنے لگے۔ اور افسوس ہے کہ یہ اثر عوام میں آج بھی موجود ہے۔ اور اس کا آخری نتیجہ آپس کا تنافر ہے جو دو مسلمان فرقوں میں حد درجہ افسوسناک ہے۔ مری اس کتاب کا منشا بھی یہی ہے کہ ان حالات اور واقعات کے مطالعہ کے بعد ہر دو فریق ایک دوسرے کو محبت کی نظر سے دیکھیں کہ ہماری آپس کی نااتفاقیوں نے ہم کو غیر اقوام کی نظر میں کس درجہ پست اور ذلیل بنا رکھا ہے۔ پس اتفاق ہی ایسی مبارک چیز ہے جس سے قومیں بلند مرتبہ پر پہونچتی ہیں۔

مظفر سوم (گجرات کا آخری بادشاہ) کے عہد میں سلطنت کی بدنظمی سے جعفریوں نے بہت فائدہ اٹھایا اور داؤدیوں کو ہر جگہ پریشان کیا۔ مصنف ستہ رسائل راوی ہے کہ حکام سے ملکر جعفریوں نے کپڑونج کے بوہروں کو بہت تنگ کر رکھا تھا۔ ایک دن کچھ لوگ حلوئی اور سنبوسہ وغیرہ لے کر تفریح طبع کے لئے باہر نکلے اور یہاں کے مشہور حوض پر پہونچے۔

اتفاقاً مظفر شاہ کا وزیر شمس الدین نویلیہ بھی آیا ہوا تھا۔ اور مُنہ دھو رہا تھا۔ اس کو بھی کھانے میں شامل کر لیا۔ پھر اس نے چلتے وقت کہا کہ اگر کبھی ضرورت پڑے تو میرے پاس آنا۔ حاجت روائی کر دوں گا۔ چنانچہ جعفریوں کے طرف سے جب حکام کے ذریعہ تکلیف ہونے لگی تو کچھ لوگ مخفی طور پر چانپانیر وزیر کے پاس پہونچے۔ اور عرض کیا جو ٹیکس جعفریوں پر ہے وہی ہم لوگوں پر بھی ہو باقی معاف کر دیا جائے۔ کہا کہ کچھ دنوں ابھی قیام کرو۔ کیونکہ ابھی گھر میں ایک شادی ہونے والی ہے۔ چنانچہ کچھ دن قیام کر کے شادی میں شریک ہوئے۔ ان کی بڑی عزت افزائی کی۔ اور کھانوں میں بھی شریک کیا۔ پھر فارغ ہو کر یہ فرمان لکھ دیا کہ آج کے دن سے ان پر کوئی محصول نہ لگایا جائے۔ اور جعفریوں سے اس کے عوض میں لیا جائے[1]۔ ان کے بعد بھی ان کا تبلیغی سلسلہ عہد عالمگیر تک جاری رہا۔ اور مرہٹوں کی سورش نے مسلمانوں کو جب ہر طرف سے اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ اسوقت سے اس جد و جہد کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ جس طرح یمن کے سیدنا نے مُلا جعفر کے خطاؤں سے چشم پوشی کی تھی اور صبر و تحمل سے کام لیا تھا۔ اگر سیدی مُلا حسن بھی ان کے ساتھ تلطف اور نرمی سے کام لیتے تو معاملہ اس قدر طول نہ پکڑتا۔ آخری عہد میں بمقام احمد آباد داؤدی بوہروں کے بڑے چھوٹے کل ۸۴ محلّے تھے، اور ہر محلہ میں ایک مسجد تھی۔ اور کالوپور سے لے کر سرسپور تک (مع احاطۂ اسٹیشن)

---

[1] کوکب فلک۔ اس سے بھی میرے قول کی تائید ہوتی ہے کہ نفس سلطنت اور شاہ کو مومنین سے کوئی پرخاش نہ تھی۔ بلکہ حکام وقت سلیمانی اور جعفریوں کے ورغلانے سے طمع کے سبب ظلم پر اتر آئے تھے۔ جیسا کہ دُنیا کی ہر سلطنت میں ماتحت حکام اور پولس کا حال ہوتا ہے۔ لیکن دیکھو کہ اس وزیر کو جب اصل حقیقت کا علم ہوا۔ تو فوراً اس نے اس کا تدارک کیا۔

میں ان کی آبادی تھی۔ جعفری اگرچہ تعداد میں بہت زیادہ ہو گئے۔ مگر افسوس کہ ان میں وہ تنظیم نہ رہی جو داؤدی بوہروں میں ہے۔ یا جس طرح سلیمانی اور علیوں نے اپنے گروہ میں قائم رکھی، اگر ان میں انہیں قسم کی تنظیم ہوتی تو آج بہت زیادہ فائدہ مسلمانوں کو پہونچا سکتے تھے۔ پھر ان جعفریوں میں عرب کے نووارد تاجر گجرات کے قدیم الاسلام مومنین، اور نو مسلم سب مل گئے، کسی زمانہ میں ان کی سب سے بڑی تعداد احمد آباد میں تھی۔ اس وقت بھی احمد آباد میں ان کی بڑی تعداد موجود ہے۔ مگر آج کل (۱۳۶۲ھ) ان کو جعفریہ کوئی بھی نہیں کہتا۔ بلکہ سب سُنی بوہرہ کہلاتے ہیں۔ اور تمام گجرات میں ان کو اسی نام سے یاد کرتے ہیں۔ اور فریق ثانی کو داؤدی بوہرے (یا شیعہ بوہرے) بعض مقامات پر بوہروں کو لوٹیا بوہرے بھی کہتے ہیں جس کا سبب یہ ہے کہ ہندوؤں کی لوٹیا قوم سے یہ مسلمان ہوئے۔ اسی لئے یہ اَنک باقی رہ گئی ہے۔ احمد آباد کے سُنی بوہروں کی ایک کمیٹی ہے۔ جس میں انتخاب سے ممبر اور صدر بنائے جاتے ہیں۔ اور ایک سکریٹری تمام امور انجام دیتا ہے۔ ایک جماعت خانہ بھی ہے۔ جماعت کی کچھ ملکیت بھی بطور وقف علی الجماعت کے ہے۔ جس کی آمدنی سے ضروری اخراجات میں مدد لیتے ہیں۔ اور ایک باقاعدہ آفس بھی ہے۔ ان میں سے بعض لوگ صابر اور قانع ہیں۔ آباؤ اجداد سے جو ملکیت ورثہ در ورثہ چلی آتی ہے، اسی پر صبر و قناعت سے گزارا کرتے ہیں۔ بعض دولتمند تاجر ہیں۔ مگر سورتیوں اور راندیریوں کے طرح بلند حوصلہ اور فیاض نہیں ہیں۔ ابتداء عہد انگلشیہ سے اسوقت تک کوئی قابل ذکر خدمت عام مسلمانوں کی نہیں کی۔ اسٹیشن سے قریب ایک مسجد "آمینہ مسجد" کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں ۱۶ کمرے مسلمان سُنی حنفی مسافروں کے لئے مخصوص ہیں۔ تاکہ متولی، مذہبی، مباحثہ اور فساد سے بری رہیں۔ یہ مسافر خانہ بیادگار مسماۃ امینہ بی بی زوجہ حاجی ابوبکر محمد طاہر احمد آبادی الایلچی

والے المعروف بہ مورس والا نے اپنی بیوی کے ثواب کے لئے تیار کرایا۔ ابتدا میں ۲۱ ہزار روپے صرف کئے، اس کے بعد اسی کی آمدنی سے ترقی ہوتی گئی۔ فی الحال مولوی عبدالرحیم عبدالقادر مرش والا اور عبدالرحمٰن محمد قاسم کاغذی اس کے متولی اور منتظم ہیں اور اچھا انتظام ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس سے مسافروں کو بڑا آرام ہے۔ اور بنانے والے کی حسن نیت کی دلیل ہے۔ خداوند تعالےٰ ان کے گناہوں کو معاف کرے۔ اور جنت میں بہترین جگہ عنایت کریں۔ اور کالوپور چوک میں ایک ہماصاحب کا "ہواٹاور" بنایا ہوا ہے۔ لیکن محکمۂ بلدیہ کی غفلت سے اکثر بند رہتا ہے۔ اپنی قوم کے لئے ایک شفاخانہ بھی سوداگر کی پول میں کھول رکھا ہے۔ جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ لڑکے اور لڑکیوں کے لئے مخصوص ابتدائی مدارس کھول رکھے ہیں، لڑکیوں کے مدرسوں میں معمولی سوزن کاری کے کام بھی سکھلاتے ہیں۔ ان میں بعض خاندانوں کے نام یہ ہیں (۱) کنکوری (کم کوڑی) والے (۲) کاغذی والے (۳) ولی اللہ (۴) نرمہ والے (۵) سفری (۶) ہوا (۷) لاہوری۔ احمدآباد کے سُنی بوہروں کی مخصوص جماعت جو حضرت شاہ پیر محمدؒ سے عقیدت رکھتی ہے۔ اور آپ کے درگاہ کا انتظام کرتی ہے۔ اس نے درگاہ کی طرف سے ایک کتب خانہ اسلامی علوم وفنون کا ۱۳ سنہ سے عام مسلمانوں کے لئے کھولا ہے۔ اور حال ہی میں ایک عربی مدرسہ کا بھی افتتاح کیا ہے۔ یہ لوگ شادی آپس ہی میں کرتے ہیں اور دیگر صوبہ کے مسلمانوں کی طرح بہت رسمیں ان میں رائج ہیں۔ جن کے سبب ہزارہا روپیہ مفت ضائع ہوجاتا ہے۔ یہ بات قابل تعریف ہے کہ ان کے شادیوں میں کسی قسم کا ناچ نہیں ہوتا اور اس کو قطعاً ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اور اس سال سنہ ۱۳۶۰ھ ان کی جماعت کے نوجوانوں نے مختلف رسوم کی اصلاحات کا بیڑا اٹھایا ہے۔ امید ہے کہ آئندہ یہ قوم اصلاح پذیر ہوکر پاکیزہ قوم بنجائے گی۔ فی الحال

سُنی بوہروں کی مختلف قسمیں ہیں۔ پٹنی، کاغذی، کانہ میاں، گھانچی، سورت وبھروچ کے دیہاتی۔ ان میں سے پٹنی اور کانہ میاں عموماً جعفری ہیں۔ گھانچی لوگ غالباً خالص ملکی ہیں۔ سورت شہر تو اسوقت نہ تھا مگر آس پاس کے گاؤں اور بھروچ والے سنہ ۱۰۰ھ میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ بعض تابعی اور تبع تابعی کے ذریعہ اشاعت ہوئی۔ راندیر کے سُنی بوہرے مالدار اور خوشحال تھے۔ بنات خود تجارت میں کم تر حصہ لیتے ہیں۔ ذاتی ملکیت۔ کمپنیوں کے شیئرز حصے، اور اوقاف کے انتظام سے خوشحالی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک کروڑ سے زیادہ کے اوقاف ہیں۔ یہ لوگ غیر گجراتیوں سے میل جول کم رکھتے ہیں لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سورت اور راندیر کے سُنی بوہرے دوسروں کے بہ نسبت فیاض اور بلند حوصلہ ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ عہد سفاح عباسی سنہ ۱۳۲ھ میں کوفہ سے مومن قبیلہ راندیر آیا۔ اور بسلسلہ تجارت یہاں مقیم ہوگیا، یہاں اس قبیلہ کے لوگ نوتیاں کہنے لگے۔ ان کی اولاد سے کچھ عرصہ کے بعد خاص آبادی ہوگئی، اسوقت یہاں ایک جینی راجہ حکمران تھا۔ جو آہستہ آہستہ انکو تکلیف پہونچانے لگا۔ آخر جب پیمانہ لبریز ہوگیا تو شہر کو راجہ سے چھین لیا۔ اور علاؤالدین خلجی کے عہد تک اسکے آثار موجود تھے۔ سنہ ۶۲۱ھ میں ایک مسجد راندیر میں بنائی گئی۔ سنہ ۱۶۰۰ء میں جہانگیر راندیر آیا۔ سونے چاندی کے ظروف میں ان کی دعوت کی۔ پھر یہ بادشاہ کی نذر کردیے۔ جہانگیر نے جس جگہ قیام کیا اس کا نام جہانگیرآباد اور لشکر کے قیام گاہ کو جہانگیر پورہ کہا۔ جس کو آج کل جنگی پورہ کہتے ہیں۔ اور اس جگہ ہندوؤں کا مسان واقع ہے۔ آج سے پچاس برس پہلے قلعہ اور فصیل کے آثار موجود تھے، فی الحال راندیر میں ۱۹ مسجدیں ہیں۔ اور تین بازار ہیں۔ لڑکیوں کے لئے متعدد خاص مدرسے قائم کئے گئے ہیں۔ انگلش گجراتی ہائی اسکول بھی ہے۔ اردو سے شوق رکھنے والوں کے لئے اردو اینگلو اسکول الگ کھولدیا گیا ہے، چونکہ راندیر میں زیادہ تر تاجر ہی ہیں۔ اس لئے ان کے

فوائد کو مدنظر رکھ کر ایک کامرس اسکول کا قیام بھی ضروری سمجھا گیا۔ دو عربی مدرسے بھی کامیابی سے چل رہے ہیں۔ مدرسہ محمدیہ اور مدرسہ اشرفیہ۔ ایک مسافر خانہ بھی ہے جہاں عام مسلمان مسافر تین دن تک مقیم رہتے ہیں۔ ان کو کھانا دیا جاتا ہے۔ ان مساجد کے اخراجات کے لئے علاوہ چندہ کے ایک لاکھ ۲۵ ہزار کا مکان لوئس اسٹریٹ رنگون میں خرید کر محمد ابراہیم دانلی صاحب نے وقف کیا ہے۔ ایک کتب خانہ (لائبریری) بھی ہے۔ جس میں عربی، فارسی، اردو کی کم اور زیادہ تر گجراتی کی تقریباً پانچ ہزار کتابیں ہیں۔ اس شہر کی آبادی دس گیارہ ہزار کی ہے، نصف مسلم اور نصف غیر مسلم آباد ہیں۔ غیر مسلموں میں ہندو زیادہ ہیں۔ اور کچھ مکانات پارسیوں کے ہیں جو سب ایک ہی محلہ میں رہتے ہیں۔ مسلمانوں میں پٹھان، ہوڑی والے، گاڑی بان، پان جری گوا وغیرہ پیشہ ور لوگ ہیں۔ تجارت پیشہ لوگوں میں بوہرے اور میاں بھائی زیادہ شہرت رکھتے ہیں۔ ان میں مالم (معلم یعنی کپتین جہاز) خاندان عربی ہے۔ جو "نوتیا" کے وقت سے شافعی ہیں حضیرہ میں کچھ قبریں ہیں۔ جن کی نسبت یہ خیال کیا جاتا ہے۔ کہ تابعی یا تبع تابعین میں سے کسی کی ہے۔ یہ حضیرہ گاڑی کے اڈہ کے سامنے ہے۔ سپاہی واڑ کے محلہ میں ایک شاندار مسجد ہے جس کا منارہ ۶۰۔۷۰ فٹ بلند ہے یہ بہت ہی قدیم مسجد ہے۔ اور ایسا خیال کیا جاتا ہے کہ وہ دیول جو ۱۱۰۰ھ میں تیار ہوا تھا ۱۱۵۹ھ میں بہ شکل مسجد تبدیل ہوا۔ ۱۳۳۳ھ میں تجدید عمارت کر کے موجودہ شاندار طریقہ سے بنائی گئی۔ اس وقت شمال سے جنوب ۳۱ فٹ، مغرب سے مشرق ۱۶ فٹ ہے۔ تین طرف گیلری ۱۶ فٹ عریض اور ۴۳ فٹ طویل ہے اور اس کے چاروں طرف شاہراہ ہونے سے پُر رونق ہو گئی ہے۔ خانقاہ بھی قابل تذکرہ ہے۔ جو شاہ سیف اللہ کی ہے۔ یہ سید احمد کبیر رفاعی کی اولاد سے ہیں۔ بغداد سے تشریف لائے۔ مغلوں کے عہد میں ان کو جاگیر ملی۔ اور بعد وفات مقبرہ اور خانقاہ تیار

ہو گئے۔ بوہرہ واڑ کے پانچ محلے ہیں۔ ہر جگہ شاندار مسجد ہے۔ اس میں چکلہ واڑ کی مسجد بڑی اور قدیم ہے۔ اس کی بنیاد ۹۷۶ھ میں رکھی گئی ۱۲۹۰ھ میں تجدید عمارت شاندار طریقہ سے کی گئی۔ اس میں سائبان ایک ہی طرف ہے۔ دالان ۵۶ فٹ طویل اور ۲۷ فٹ عریض ہے۔ درانڈہ طویل ۴۹ فٹ اور عریض ۱۱ فٹ ہے۔ صحن ۵۵ ½ فٹ طویل اور ۱۸ فٹ عریض ہے۔ اس مسجد کے اخراجات کے لئے چھ سات لاکھ کا سرمایہ ہے۔ اسی طرح ہر مسجد کا خرچ اسی کی آمدنی سے ہے، کسی کی ۵۰۰ کسی کی ۳۰۰ کسی کی ۲۰۰ ہے۔ جمعہ مسجد بھی قدیم شاہی وقت کی ہے۔ مسجد قوت الاسلام سہ منارہ قابل دید ہے۔ دو گنبد کی مسجد بھی مشہور ہے سورت شہر کے سُنّی بوہرے دو قسم کے ہیں۔ بعض خاندان تو عرب سے براہ راست تجارتی غرض سے آیا اور مقیم ہو گیا۔ جیسے نرمہ والوں کا خاندان ہے۔ جو طائف کا رہنے والا تھا۔ دوسرے وہ خاندان ہیں جو سورت کے گاؤں سے آکر شہر میں آباد ہو گئے ہیں۔ اس وقت تجارتی حیثیت سے یہی لوگ عروج پر ہیں۔

باب چھٹا

دعاۃ ھند

(۱) سیدنا یوسف نجم الدین اول بن سلیمان

نام یوسف، لقب نجم الدین، سدھپور (قریب پٹن) گجرات میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اسی جگہ حاصل کی۔ پھر احمد آباد تشریف لائے اور ملا قاسم بن حسن سے پڑھتے رہے اعلیٰ تعلیم کے لئے یمن تشریف لے گئے۔ سیدنا محمد عزالدین نے چند ہندی (گجراتی) طلبہ با غرض تعلیم طلب کئے تھے۔ داعی ہند نے جن لوگوں کو انتخاب کرکے بھیجا، خوش قسمتی سے آپ ان میں سے ایک تھے[۱]۔ یمن میں ہندیوں کی تعلیم سیدی حسن بن نوح بھروچی کے سپرد تھی، جو تعلیم کے بعد یمن میں مقیم ہوگئے تھے۔ اور تجارت سے جو وقت فاضل ہوتا اس میں درس و تدریس کا کام انجام

---

[۱] خوج بن ملک نے اپنی مشہور کتاب میں لکھا ہے کہ عید غدیر کے دن اپنے والد سے کہا کہ آج مبارک دن ہے، کوئی تحفہ عنایت کیجیے، آپ سات بھائی تھے اور آپ سب سے چھوٹے تھے، چنانچہ آپ کے والد نے اپنی دولت کا بڑا حصہ سب میں تقسیم کردیا آپ نے کہا کہ میں اس سے حج کروں گا۔ آپ کے والد بھی ساتھ حج کے لئے گئے۔ واپسی میں یمن سیدنا سے ملے۔ اور جب مخ بندر پر آپ کے والد کا انتقال ہوگیا تو واپس سیدنا کے پاس چلے گئے۔ اور وہیں تعلیم حاصل کرنے لگے۔

دیتے تھے۔ کتاب الازہار سات جلدوں میں آپ ہی کی تصنیف ہے۔ سیدی حسن بن نوح بھروچی اپنی کتاب الازہار کے مقدمہ میں اپنا ابتدائی حال اس طرح لکھتے ہیں۔ میں اس کا ترجمہ اردو میں ناظرین کی سہولت کے لئے تحریر کرتا ہوں۔

اما بعد یہ فقیر سلطنت فاطمیہ کے امین اور جزیرہ یمن کے داعی کا حقیر غلام "حسن بن نوح بن یوسف بن محمد بن آدم لاکھات ہندی عرض کرتا ہے۔ کہ میں اپنے وطن (بھروچ) میں پیدا ہوا۔ اور اپنے والدین کے زیر نظر ولایت اہل بیت کی تربیت پائی۔ کیونکہ انھیں کے پاس آب حیات تھا۔ اور پھر جب ان لوگوں کے پاس پہونچایا گیا، جو اس آب حیات سے سیراب کرسکتے تھے۔ اور یہ لوگ حدود (مفتی) اور قائمین (قضاۃ) جزیرۂ ہند کے تھے۔ جن سے ایک عرصہ تک فیض اٹھاتا رہا۔ تو میں نے فائدہ بخش روشنی محسوس کی، اور اس وقت لوگوں نے مجھے آب حیات کے چشمہ کا پتہ بتایا۔ اور نشان کامل حکیم حاذق کا دیا۔ اور یہ ذات والا صفات ہمارے داعی کی تھی۔ پس میں نے وطن کو خیرباد کہا۔ اور ترک دنیا کرکے بلند مقصد کے شوق میں اپنے والدین اور شہر سے رخصت ہوکر یمن چلا آیا۔ ہند، سندھ اور یمن کے داعی ولی اللہ سیدنا حسن بن ادریس بن حسن سے تحصیل علوم شروع کئے۔ اور انھوں نے بھی سلامتی اور امن کے قبہ میں مجھے پناہ دی۔ اور والدین سے بھی زیادہ مجھ پر شفقت کی (میں ان پر قربان جاؤں) ان سے ظاہری شریعت اور تاریخی کتابیں پڑھیں۔ میں نے صبر و استقلال اور محنت سے ان پر عبور حاصل کیا۔ ان کے معانی کے سمجھنے میں بڑی کوشش کی، یہاں تک کہ کھانا، پینا، سونا بقدر ضرورت اختیار کرکے ہر قسم کی لذت سے احتراز کیا۔ کپڑے بھی صرف ستر پوشی کے لئے پہنتا۔ بغیر سستی اور حسد کے دوسروں کے ساتھ مقابلہ کرنے کی لگاتار کوشش کی۔ پھر جب میں نے فقر و فاقہ کے ساتھ اپنی طاقت کے مطابق یقین (علم) حاصل کرلیا تو اپنے بزرگ

استاد (داعی) اسے علم تاویل اور حقائق کی تحصیل کے لئے اجازت طلب کی جس میں اولیاء اللہ کے پوشیدہ ایسے راز ہیں جن تک غیر کی رسائی نہیں ہوئی ہے۔ اس مقدس بزرگ نے کہا کہ " اے میرے لڑکے! اور اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک یہ ناممکن ہے جب تک کہ استبراء ودیعی اس طرح کی نہو، جس طرح آقا کے لئے لونڈی استبراء کرتی ہے تاکہ صحیح طور پر معلوم ہوجائے کہ اس کے بطن میں کسی دوسرے کا بچہ نہیں۔ غرض اس طرح عرصہ دراز تک اپنے امتحان اور آزمائش پر صبر کرتا رہا۔ اور اس درمیان وہ مقدس بزرگ منطقی کتب کے ذریعہ مجھے برابر فائدہ پہونچاتے رہے۔ جب اس فن میں کمال قدرت حاصل ہوگئی اور من و سلویٰ کھانے کا وقت آگیا تو اس مقدس بزرگ نے متعدد غلط دلائل میرے سامنے پیش کئے اور غلط طریقے سے اس کو مضبوط کیا۔ اور فرمایا کہ اے میرے لڑکے! تیرے پاس اگر ان کے رد میں دلائل ہوں تو پیش کر۔ تاکہ حق ظاہر ہوجائے۔ اس وقت میں نے اپنے دل کو قوی کیا، اور عقل کو مستعد، اور ادب غیر ضروری کو ترک کردیا اور بغیر خوف کے بڑی جرأت کے ساتھ میں نے اپنی زبان کو کھولا۔ اور جواب دے کر تمام دلائل کو رد کردیا۔ یہ دیکھ کر (اللہ ان کی روح کو پاک کرے) مسکرائے، اور آپ کے منور چہرے سے خوشی اور بشاشت ظاہر ہو رہی تھی۔ اپنی پاک زبان سے یہ ارشاد فرمایا کہ " اے میرے لڑکے! " اب میرے دل میں تیرا اعتماد پیدا ہوا، اور بے شک، پوشیدہ علوم اور اولیاء اللہ کے محفوظ اسرار تم کو بتاؤں گا۔ تب اس عنایت کے شکریہ میں زمین چومی (کتاب الازہار جلد اول قلمی در سورت)

سیدنا حسن بن ادریس کے بعد ان کے قائم مقام سیدنا حسین بن ادریس بن حسن کی اطاعت بجالائے۔ اور ان سے بھی کچھ کتابیں پڑھیں۔ جب مفید کے درجہ پر پہونچے تو حکم ہوا کہ یہ علوم اپنے تلامذہ کو بھی ان کی قابلیت کے مطابق تعلیم دو۔ ہند و سندھ کے دعاۃ ان کے ماتحت

تھے (گویا سکریٹری آف اسٹیٹ کے عہدہ پر مامور تھے) سیدی حسن بن نوح نے ۱۱ ذیقعد ۹۳۹ھ میں وفات پائی (دیکھو کتاب احیاء ذکر السلف فی انتقالاتہم الی الغرف قلمی سورت) آپ کی قبر یمن ہی میں تھی اور آپ کے علاوہ دوسرے افاضل کی بھی قبریں تھیں۔ لیکن امام شرف الدین زیدی کے عہد میں متعصب زیدیوں نے تمام قبریں کھود ڈالیں۔ (دیکھو قراطیس الیمن قلمی سورت)۔

سیدنا یوسف عرصہ تک تعلیم پاتے رہے، آپ بے حد ذہین تھے۔ آپکے طباعی کے بہت سے واقعات مشہور ہیں۔ ایک دفعہ آپ نے اپنے استاد سے متعدد مسائل پیچیدہ کا حل چاہا۔ شفیق استاد نے سیدنا محمد عزالدین کے خدمت میں حاضر ہوکر عرض حال کیا۔ سیدنا نے طلب فرماکر تمام مسائل کے جوابات دیئے۔ اور اس دن سے آپ کی تعلیم کا بار خود اٹھایا۔ جب تعلیم مکمل ہوگئی تو آپ نے رخصت چاہی۔ سیدنا نے فرمایا کہ کچھ دن اور قیام کرو تو تم کو اساس التاویل دوبارہ پڑھاؤں چنانچہ مقیم ہوکر تحصیل کرتے رہے۔ سیدنا نے پھر ہند کا والی بناکر واپس کرنا چاہا۔ آپ نے عرض کیا کہ اطاعت میں مجھے کوئی عذر نہیں مگر اپنے اساتذہ پر حاکم بن کر رہنا مجھے کچھ پسند نہیں ہے۔ سیدنا نے اس معذرت کو قبول فرمایا۔ اور سدھپور کا عامل بناکر بھیجدیا۔ واپسی ہند (گجرات) پر سدھپور میں امور دعوت انجام دینے میں مشغول ہوگئے ایام طالب علمی کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ جسقدر خطوط وطن سے پہونچتے سب کو بغیر پڑھے جمع کرتے جاتے۔ واپسی کے وقت آپ نے سب کو پڑھنا شروع کیا۔ کسی نے دریافت کیا کہ اتنے دن تک آپ نے نہ پڑھا تو اب پڑھنے کا کیا فائدہ۔ جواب دیا کہ اگر اس وقت پڑھتا تو مختلف خبروں کے معلوم ہونے سے طبیعت میں انتشار پیدا ہوتا۔ اور تعلیم میں خلل واقع ہوتا۔ اور اب فارغ ہوگیا ہوں تو پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ آپ کی علمی قابلیت

نیکی، اعلیٰ اخلاق کا اس قدر گہرا اثر سیدنا محمد عز الدین پر ہوا کہ ۹۴۶ھ میں جب آپ رحلت فرمانے لگے تو آپ نے سیدنا یوسف ہی کو منصوص بنایا۔ اور یمن میں اقامت کی وصیت فرما گئے سیدنا یوسف کے اس عہدہ جلیلہ پر فائز ہونے کے وقت کا بھی واقعہ بڑا دلچسپ ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا کہ آپ کا وطن مالوف سدھپور تھا۔ جب احمد آباد سے مومنین اور آپ کے استاد ملا قاسم بن حسن اس عہدہ پر فائز ہونے کی بشارت لے کر سدھپور پہونچے۔ اور لوگوں سے دریافت کیا کہ یوسف کہاں ہیں؟ تو واقف کار نے بتلایا کہ دریا، سرستی پر کپڑے دھونے میں مصروف ہیں۔ مومنین دوڑتے ہوئے وہاں پہونچے اور عزت و احتشام کے ساتھ میں لیکر آئے۔ تقریباً ۵ سال تک سدھپور میں مقیم رہے۔ اس عرصہ میں مسجد کے ساتھ ایک باؤلی بھی تعمیر کرائی۔ یہ مسجد سدھپور میں اسٹیشن سے کچھ فاصلہ پر نجم پورہ محلہ میں واقع ہے۔ پرانی طرز کی شاندار مسجد ہے۔ ایک مینار نہایت بلند ہے۔ عامل صاحب کا مکان اسی کے قریب ہے۔ دست برد زمانہ سے ابھی تک دونوں یادگاریں موجود ہیں۔ غیر مسلموں نے بعض واقعات کے بنا پر بین دین مومنین کے ساتھ بند کر دیا تھا۔ تو آپ نے ایک بڑا بازار ۲۴ دوکانوں کی تعمیر کرا کر مومنین کو راحت پہونچائی۔ اور غیر مسلم عاجز آکر پھر اتحاد عمل پر مجبور ہوئے۔ آپ اپنی والدہ کے بڑے ہی فرمانبردار تھے۔ اس عہدہ جلیلہ پر فائز ہونے کے بعد بھی قدم چوما کرتے تھے۔ آپ کی والدہ نے کہا کہ میں تو ادنیٰ مومنہ ہوں۔ اور خدا نے تم کو نائب امام کا رتبہ عطا کیا ہے۔ اس لئے اب یہ مناسب نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ صحیح ہے لیکن یہ رتبہ بھی آپ ہی کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ جب آپ کی والدہ نے قدم چومنے نہ دیا تو یہ تدبیر کی کہ جب نماز کو کھڑی ہوتیں تو اس وقت آپ قدم چوم لیتے۔ ان کے والدہ کی قبر نو ساری کے میدان میں آج بھی موجود ہے۔ آپ کو امر دعوت کا کام لئے ہوئے ابھی صرف دو ہی برس ہوئے تھے

کہ ادھر گجرات میں متواتر انقلابات سیاسی شروع ہو گئے۔ پہلے تو بہادر شاہ گجراتی کو گجرات میں متواتر شکست دیتا ہوا ہمایوں بن بابر بادشاہ دہلی سے کھنبائت تک پہونچ گیا۔ پھر بہادر شاہ گجراتی نے ہمایوں کی واپسی کے بعد گجرات واپس لے لیا۔ مگر چند ہی دنوں کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد سلطان محمود ثالث گجرات کا برائے نام بادشاہ ہوا ادھر ہمایوں بھی چین سے نہ بیٹھ سکا۔ اور شیر شاہ سے متواتر شکست کھانے کے باعث اور اپنے بھائیوں کی بے وفائی کے سبب آوارہ گرد ادھر ادھر ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ اسی عرصہ میں اس کو ہندوستان سے سندھ جاتے ہوئے مارواڑ میں قیام کرنا پڑا۔ ان ایام مسافرت کے چند روزہ قیام میں سب سے زیادہ جن لوگوں نے اس کو آرام پہونچایا وہ مومنین کی جماعت تھی۔ اس مصیبت کے وقت میں چند مخلصین مومنین کی خدمت سے وہ بہت متاثر ہوا اور بڑی مسرت سے اس نے ایک فرمان تجارتی آزادی کے لئے عطا فرمایا اس کی نقل حسب ذیل ہے۔ یہ فرمان مشہور سپہ سالار بیرم خاں خان خاناں کے قلم سے لکھا ہے۔ جو ہمایوں کے واپسی کے بعد اکبری عہد کے ابتدائی زمانہ میں بھی ہندوستان کی باگ اپنے ہاتھ میں رکھتا تھا۔ حج کے ارادہ سے گجرات آیا۔ اور پٹن میں خان سرور کے تالاب کے پاس تھا کہ ایک پٹھان نے اس کو شہید کر ڈالا۔ کیونکہ کسی وقت اس کے باپ کو خان خاناں نے قتل کیا تھا۔

"بفرمان والا شان شہنشاہ نصیر الدین محمد ہمایوں خلد اللہ ملکہ آزادی بآزادی تجارت قوم بواہیر شیعہ اسماعیلیہ بمملکت ہند نوشتہ شد۔ درایں ایام پرآشوب شہنشاہ ہند از کج رفتاری

بہ فرمان شہنشاہ نصیر الدین ہمایوں کی طرف سے فرقہ بواہیر شیعہ اسماعیلیہ کی تجارتی آزادی کے لئے مملکت ہند میں لکھا گیا اس پرآشوب زمانہ میں فلک کی کج رفتاری سے شہنشاہ نے

فلک سفر دراز اختیار نموده واز گردش لیل ونہار بصعوبت ریگستان ماڑواڑ اتفاق افتاد، و بر منازل سفر بیشتر از مردمان بے وفائی ظاہر شد۔ در یک منزل گروہی قوم بوہیر ملاحظہ فرمود، کہ از تجارت اطراف ملک فارغ گشتہ بخانہ خود میروند۔ از نزول لشکر قلیل شہریاری آگاہ گشتہ بجای بیوفائی لوازم کمر خدمت گزاری بجان ودل بستہ ہمہ تن بہ مہمان نوازی معروف شدند، و خدمت ہر متنفس بواجبی ادا نمود کہ دریں سفر مثل آں منزل خوشگوار آسائش و آرام نیافت، وچند نفوس معزز ومعتبر برائے رہبری وتسہیل سفر بہ تبدیل لباس لوازم خدمات سلطان ادا نمودہ تا بحد قلمرو ہندوستان رسانیدہ وامیدوار عنایات خسروی گشتند۔ بموجب فرمان والا شان ایں آزادی نامہ تجارت مع اظہار خدمات پسندیدہ عطا فرمود۔ چوں سلاطین نامدار کہ باورنگ مملکت ہند قرار گیرند بلا تعصب مذہبی بناہ از ایذا رسانی مخلوق وبآزادی تجارت حکم فرمایند۔ کہ ایں گروہ بجز تجارت وخدمات شاہی کار دیگر نمی دانند۔

ایک دور دراز سفر اختیار کیا، اور گردش روزگار سے مارواڑی ریگستانی صعوبتیں برداشت کرنے کا اتفاق ہوا۔ دوران سفر میں اکثر لوگوں سے بیوفائی ظاہر ہوئی۔ لیکن ایک مقام پر فرقہ بواہیر کے ایک گروہ کو دیکھا کہ اطراف ملک سے تجارت کرکے اپنے گھروں کو واپس آرہے تھے، اور انھیں بادشاہ کے قلیل لشکر کے قیام کا پتہ چلا اور بجائے بیوفائی کے جان ودل سے شاہی لشکر کی مہمان نوازی میں معروف ہو گئے۔ اور اپنے ہر مہمان کی خدمت ایسی عمدگی سے ادا کی کہ شاہی لشکر کو اپنے تمام سفر میں ایسا آرام کہیں نصیب نہیں ہوا۔ جب لشکر کا کوچ ہوا تو چند معزز معتبر لوگ رہبری اور سہولت سفر کے لئے تبدیل کرکے خدمات سلطان بجالائے اور قلمرو ہندوستان تک لشکر کو پہونچا دیا۔ اور عنایات خسروی کے امیدوار ہوئے۔ چنانچہ حسب فرمان والا شان یہ آزادی نامہ تجارت معہ اظہار خدمات عطا فرمایا گیا کہ جو سلاطین نامدار سریر آرائے سلطنت ہند ہوں بلا تعصب مذہبی ایذا رسانی مخلوق اور اس فرقہ کی

روزیکہ افضال خدا شامل حال ظل الٰہی شود بوز توانے نتیجہ خدمات شما بہتر از بہتر خواہد شد۔ تاریخ بست ویکم ربیع الاول ۹۴۷ھ بحالت سفر از قلم بندہ بارگاہ آسمان جاہ بیرم خان مرتب شد۔

آزادی تجارت کا حکم فرمائیں۔ کیونکہ یہ فرقہ بجز تجارت اور خدمات شاہی کی بجا آوری کے اور کوئی کام نہیں جانتا۔ جبکہ افضال خداوندی ظل الٰہی کے شامل حال ہوں گے تو تمہاری ان خدمات کا نتیجہ بہتر سے بہتر ہوگا۔ ۲۱ ربیع الاول ۹۴۷ھ بحالت سفر، بندۂ درگاہ آسمان جاہ بیرم خاں کے قلم سے لکھا گیا۔

جب ۹۱۰ھ میں سیدنا یوسف یمن تشریف لے گئے تو وہاں کے منافقوں نے آپ کو بہت ستایا۔ اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ ترکی حکاموں کو لوگوں نے بدظن کرادیا۔ اور اس نے آپ کو گرفتار کرلیا۔ اور تمام مال واسباب منبط کرکے آپ کو قید کردیا۔ پھر سات ہزار ابراہیمی ضمانت پر آپ کو رہا کیا۔ مگر شہر سے باہر بغیر اجازت جانے کی ممانعت تھی۔ انھیں دنوں احمد بن عجب شاہ برادر سیدنا داؤد بن عجب شاہ بغرض حج مکہ اور پھر یمن گئے۔ اور سیدنا سے ملے آپ کو بہت مغموم پایا۔ حال دریافت کرنے پر آپ نے حقیقت سے آگاہ فرمایا۔ سیدی احمد نے فوراً نادم کے ذریعہ سات ہزار ابراہیمی کا توڑا منگا کر حاکم کے پاس ارسال کردیا۔ اور سیدنا کو ایک بڑی مصیبت سے نجات دلائی۔ سیدنا نے آپکو دل سے دعا دی۔ جس کی برکت سے سیدی احمد بن عجب شاہ کو تجارتی مال میں بڑا منافع حاصل ہوا۔ اس عرصہ میں یمنی حاکم کے مظالم کی خبر سلطان وقت کو پہونچی (غالباً اسماعیلیوں نے کسی کو بھیج کر واقف کرایا) وہاں سے حاکم کے علاوہ دوسرے ۱۳ مجرم گرفتار کئے گئے۔ اور عبرتناک سزائیں دی گئیں اور اس طرح اسوقت دشمنوں سے کامل نجات ملی۔ اور سلطان کی طرف سے جب یہ حکم آگیا کہ گروہ اسماعیلیہ کو آئندہ سے

کوئی شخص کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ دے تو سیدنا کو اطمینان کامل حاصل ہوا۔ اور رشد وہدایت میں مشغول ہوگئے۔ آپ عمر کے آخری وقت میں بہت سخت علیل تھے۔ لوگوں نے "نص" کے متعلق دریافت کیا۔ تو آپ نے سیدنا جلال ابن حسن کے متعلق فرمایا۔ بعض لوگوں نے آپ کی نازک حالت دیکھ کر عرض کیا کہ سیدنا مذکور تو گجرات میں ہیں۔ اور جب میں گجرات سے چلا تھا۔ اس وقت وہ سخت علیل تھے۔ میرا خیال ہے کہ آپ وفات پاچکے ہوں گے۔ آپ کا ارشاد ہوا کہ میں نے انکو یہ امر سپرد کیا ہے۔ اور وہ ضرور میرے بعد رشد وہدایت کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ سیدنا جلال کے پاس جب فرمان آیا تو آپ بقید حیات تھے۔ بزرگانِ دین کی روحانیت سے ناواقف لوگ متحیر ہوگئے۔ ۱۶ ذوالحجہ ۹۴۶ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ اور یمن ہی میں آپ کا مزار ہے۔ بعد وفات دشمنوں نے آپ کا گھر لوٹ لیا اور ایک حبہ ورثہ کے لئے نہیں چھوڑا۔

(۲) سیدنا جلال بن حسن اول داعی مطلق ہند

جلال بن حسن آپ کا نام، شمس الدین لقب، آپ کا وطن احمدآباد تھا۔ ابتدائی تعلیم اسی جگہ حاصل کی تکمیل تعلیم کے لئے آپ نے یمن کا سفر کیا۔ سیدنا جلال بن حسن کے روانگی یمن کا بھی لطیف واقعہ ہے۔ آپ کے نانا کسی ہندو سیٹھ کے طرف سے ایجنٹ بن کر بغرض تجارت یمن گئے اور سیدنا یوسف نجم الدین سے ملاقات کی۔ آپ کی تنگدستی دیکھ کر بہت متاثر ہوئے، اور دس ہزار روپے سیٹھ کے مال میں سے آپ کے نذر کئے۔ سیدنا نے دریافت کیا کہ تمہارے سیٹھ نے کس مال کی خریداری کو بھیجا ہے، آپ کو جو کچھ خرید کرنا تھا عرض کیا۔ سیدنا نے ہدائت کی فلاں چیز خرید کرو۔ آپ نے تعمیل حکم کی۔ پھر سیدنا نے دریافت کیا کہ کتنے بچے ہیں۔ جواب دیا کہ صرف ایک نواسہ جلال بن حسن ہے۔ سیدنا نے فرمایا کہ تم نے مجھے بڑا آرام پہونچاکر مسرور کیا۔

مجھے یقین ہے کہ خداوند تعالےٰ تمہاری آنکھیں بھی ٹھنڈی کرے گا۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ واپسی ہند پر اپنے نواسے کو ادھر یمن بغرض تعلیم بھیجدو، چنانچہ واپسی پر ایک طرف تو تجارت سے بڑا مالی فائدہ اٹھایا دوسری طرف نواسہ کو یمن بھیج کر اطاعت داعی کا بہترین ثبوت یمن والوں کو بہم پہونچایا۔ عرصہ تک آپ وہاں مقیم رہے اور علم تاویل اور علم حقیقت سے مکمل آگاہی حاصل کی۔ واپسی یمن کے بعد دعوت کے کام میں مشغول رہے۔ اور درس وتدریس آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ آپ تمام عمر تقریباً ۲۲/۲۳ برس، احمدآباد میں بحیثیت قائم مقام داعی کے امور مفوضہ انجام فرماتے رہے۔ ۱۶ ذوالحجہ ۹۷۴ھ میں بامرنص اس عہدہ جلیلہ پر فائض ہوئے لیکن افسوس کہ آپ صرف چار ماہ زندہ رہے۔ وفات سے کچھ دن پہلے آپ نے تمام حدود کو جمع کرکے سیدنا داؤد بن عجب شاہ کو منصوص فرمایا۔ اور مخاطب کرکے ارشاد فرمایا کہ تمہارے بعد داؤد بن قطب شاہ منصوص ہوں گے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ امام زمان کی مجھے زیارت نصیب ہوئی اور حکم ہوا کہ تم اپنا تمام مال طالب علموں پر صرف کرو۔ اور بہت جلد تم ہم سے ملنے والے ہو۔ ۱۶ ربیع الآخر ۹۷۵ھ میں دارالبقا کو سدھارے آپ اول داعی مطلق ہیں۔ جن کا مرکز دعوت "ہند" ہوا۔ آپ کا مزار احمدآباد سرسپور میں مرجع خلائق ہے۔ لوگ ۱۵ ربیع الآخر کو آپ کا عرس کرتے ہیں۔ لیکن مزار پر کندہ ہے "جلال بن حسن ملوک شاہی ۹۷۲ھ"۔

(۳) سیدنا داؤد بن عجب شاہ

داؤد بن عجب شاہ بن فیروز شاہ نوح بن جعفر نام، برہان الدین لقب۔ احمدآباد کے باشندے تھے۔ اور محرم ۹۳۰ھ یوم پنجشنبہ وقت صبح آپ کی ولادت ہوئی۔ اپنے اخلاق حسنہ اور علوم دینیہ کے بدولت محبوب عوام ہوئے۔ عرصہ تک درس وتدریس واشاعت

میں مصروف رہے۔ ۹۷۵ھ میں دعوت کے مسند پر متمکن ہوئے۔ کچھ دنوں کے بعد آپ نے داؤد بن قطب شاہ کو اپنا منصوص بنایا۔ اور تمام مشائخ اور حدود سے اطاعت کا میثاق لیا۔ اس سے بعض اشخاص کو حسد پیدا ہوا۔ اور قریب تھا کہ قوم میں تفرقہ پیدا ہو کر بر وقت اطلاع آپ نے فوراً ہی مخالفین کے سرگروہ میاں شمش بن جعفر کو طلب کر کے تمام اعتراضوں کے جواب دے کر شکوک رفع کئے۔ اور یاد دلایا کہ داؤد بن قطب شاہ کو سیدنا جلال بن حسن نے ہی میرے بعد منصوص بنایا۔ یعنی ایک کے بعد دوسرے کو منصوص بنایا۔ میں نے اس کا فقط اظہار عام کر دیا۔ اسی طرح خوب فہمائش کی جس سے یہ آتی ہوئی بلا ٹل گئی اور لوگ راہ راست پر آگئے۔

اس وقت گجرات کا بادشاہ مظفر سوم تھا۔ جو اعتماد خان وزیر کا ایک قسم کا قیدی بادشاہ تھا۔ اس وقت گجرات میں طوائف الملوکی تھی۔ ہر امیر اپنے ملک مقبوضہ پر خود مختار تھا اور اقتدار حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے پر فوج کشی کرتا تھا۔ اس سبب سے رعایا تباہ حال تھی۔ اسی کش مکش میں غالباً بوہرے تاجر بہت ستائے گئے۔ اور ان سے بہ جبر روپے پیسے لئے گئے۔ اس لوٹ مار کے سبب سے یہ لوگ خوفزدہ ہو گئے۔ دوکانیں بند کر دیں۔ اکبر شاہ کے آنے پر گجرات میں امن ہوا۔ لیکن ۹۹۱ھ میں جب مظفر پھر گجرات آگیا تو اس کی بے سری فوج نے ایسی لوٹ کھسوٹ مچائی کہ خود سیدنا کو بھی کپڑونج جاکر ستر میں ہو جانا پڑا۔ پھر جب اکبر نے دوبارہ امن قائم کر دیا تو سیدنا ستر سے باہر آئے۔ اکبر اعظم کا مشہور (جنرل) سپہ سالار بیرم خاں کا لڑکا عبدالرحیم خان خانان آپ کا عقیدتمند تھا۔ چنانچہ آپ کے لئے دس قیمتی شال ہدیۃً ارسال کئے اور ساتھ ہی اکبر کا ایک فرمان لاہور سے گورنر گجرات کے نام بھجوایا کہ جماعت بواہر سلطنت کی دوست اور امن پسند لوگ ہیں اس لئے انھیں کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے۔ ملک میں امن ہو جانے کے سبب ہر جگہ سے مومنین کی درخواستیں آنی شروع ہوئیں۔ کہ حضور تشریف لاکر

مومنین کو مسرور ہونے کا موقعہ عنائت فرمائیں۔ چونکہ کپڑونج کے مومنین سے پہلے ہی وعدہ کر لیا تھا اس لئے سب سے پہلے آپ وہاں تشریف لے گئے۔ کچھ دنوں قیام کر کے کھنبائت پہونچے اور پھر وہاں سے اُمریٹ، اور یہاں سے دھولکا، ہر جگہ نماز باجماعت علی الاعلان ادا کی۔ اور اذان میں بھی علی وصی رسول اللہ کا اظہار برابر ہوتا رہا۔ آپ کی سواری ہر جگہ شاہانہ طریقہ سے نکلتی تھی۔ جس کو دیکھ کر مومنین کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی تھیں۔ چند سال سے سندھ میں دعوت کا کام گویا مردہ ہو گیا تھا۔ آپ کی سعی سے پھر زندگی کے آثار پیدا ہوئے اہل سنت والجماعت میں سے دو فاضل آپ کے زیر سایہ آئے۔ فرقہ نزاریہ کا رئیس شیخ غوری بھی آپ کا متبع ہو گیا۔ سندھ کی ندی خشک ہو گئی تھی۔ آپ نے لوگوں کے استدعا پر ایک نقش بھیجا جس کو ریت میں دفن کر کے واپس آتے ہی پانی کا ریلا ایسا آیا کہ ندی بھر گئی۔ آپ کے عہد میں چار بڑے مشائخ تھے۔ داؤد جی بن قطب شاہ، قاضی بن امین شاہ، شیخ آدم بن طیب شاہ امین جی بن جلال۔ آپ جب بعہد مظفر شاہ سوم کپڑونج تشریف لے گئے تو عید الضحیٰ کی نماز اسی جگہ ادا کی اور پھر عید غدیر بھی یہاں ہی منائی۔ اس عرصہ میں شیخ محمد ابن قاضی خان مظفر شاہ سے بڑودہ میں مل کر امان کا فرمان لے کر حاضر ہوئے۔ جس سے ایک گونہ اطمینان ہوا۔ کچھ دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ کپڑونج کے عہدہ دار (کمشنر) کی نیت بدل گئی ہے۔ اور سیدنا کو تکلیف دے کر کچھ مال حاصل کرنا چاہتا ہے تو آپ نے مومنین کے مشورہ سے کپڑونج ہی میں ایک مومن کے گھر میں ستر اختیار کر لیا۔ جب مظفر شاہ اکبر سے شکست کھا کر کپڑونج آیا (محرم ۹۹۲ھ) تو محمد قاضی خان اور خوج بن ملک استقبال کے لئے گئے، ناریل اور شکر، شگون کے لئے پیش کیا۔ وہ بہت خوش ہوا۔ اور ان لوگوں کی عزت افزائی کی۔ محمد بن قاضی خان نے بطور نصیحت یہ کہا کہ مومنین کی دعا کیوں نہیں لیتے، اور غریبوں کو کیوں ستاتے ہو۔

مظفرشاہ نے اپنی غلطی کا اقرار کیا۔ اور گناہوں سے توبہ کی۔ پھر کسی ہندو عملدار نے مظفرشاہ کے واسطے ایک سو محمودی جبراً بوہروں سے وصول کیا تھا۔ اس کی شکایت کی، سلطان نے حکم دیا کہ کسی بوہرہ سے ہرگز کچھ وصول نہ کیا جائے[1]۔ مظفرشاہ توکھنبائت چلا گیا۔ اور اس بدامنی سے کولیوں نے خوب لوٹ مار کر فائدہ اٹھایا۔ لیکن مومنین ہر طرح سے محفوظ رہے۔ کیونکہ کولیوں کے سردار کی مومنین ہمیشہ خاطر مدارات کرتے رہے۔ ۳½ ماہ سیدنا یہاں مقیم رہے۔ پھر ربیع الاول ۹۹۲ھ میں احمدآباد آکر ۹۹۳ھ میں سدھپور تشریف لے گئے۔ ۹۹۵ھ میں اپنے لڑکوں کی شادی کی۔ جس میں آٹھ ہزار کو لذیذ کھانا کھلایا۔ حلوئی ۱۲۰ من گھی کا مائدا (۱۴۰) من، گوشت (۲۲۵) من، گھی ۱۲۰ من، شکر (۵۰) من، چاول (۱۰۰) من خرچ ہوا۔ ۹۹۶ھ میں کھنبائت تشریف لے گئے۔ مومنین کنساری دروازے سے استقبال کے لئے نکلے۔ داخلۂ شہر پر ہر کہ ومہ نے آپ کی تعظیم کی۔ آپ اکبرپور محلہ میں مقیم ہوئے۔ اس محلہ کا آباد کرنے والا، راؤ کلاں تھا جس نے یہ زمین مومنین کو دی تھی۔ یہاں مسلمانوں کے ایک سو گھر تھے۔ احمدآباد کا صوبہ دار خان اعظم کوکہ نے دس شال قیمتی آپ کے لئے ارسال کئے۔ اور ساتھ ایک فرمان بھی جاری کیا کہ مومنین کو کوئی تکلیف نہ ہونچائے۔ اسی جگہ ایک سادھو مناظرہ کے لئے آیا۔ خوج بن ملک

---

[1] اس سے بھی میرے نظریہ کی تائید ہوتی ہے۔ کہ مومنین کو تکلیف پہونچانے میں سلطنت کا حقیقی ہاتھ نہ ہوتا تھا۔ بلکہ جعفری یا سلیمانی کے سبب سے حکام ماتحت جو چاہتے کرگزرتے تھے۔ جیسا کہ آج بھی ہوتا ہے۔ کہ جہاں ماتحت حکام آئے ہوتے ہیں۔ مسلمانوں پر مظالم کرگزرتے ہیں اور حکام بالا تک یا تو فریاد ہی نہیں پہونچتی ہے۔ یا بہت دیر میں پہونچتی ہیں جبکہ پانی سر سے اوپر ہو جاتا ہے۔ مگر دیکھو کہ جب مظفر شاہ کو مظالم کا علم ہوا۔ فوراً اس کا تدارک کیا۔

صاحب کو سیدنا نے مناظرہ کا حکم دیا۔ آپ نے مناظرہ میں اس کو شکست دی اور وہ واپس گیا۔ محمد بن چاند جعفری نے اُس مناظرہ کا حال جب سنا جو سید ملک جی ابن شمس صاحب بڑودہ والے سے ان کے بھائی کی ساتھ ہوئی تھی تو خود بھی تیار ہو گئے۔ چنانچہ ملک جی ابن شمس صاحب سیدنا سے اجازت لے کر ایک مکان میں دونوں جمع ہوئے۔ مغرب سے صبح تک دونوں کی تقریریں ہوتی رہیں۔ سب سے پہلے سیدنا و مولانا امیرالمومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی امامت اور خلافت کی بحث ہوئی، پھر رمضان کے چاند کے متعلق گفتگو ہوئی۔ پھر زکواۃ اور حج کے مسائل زیر بحث آئے۔ جو صبح ہونے پر ختم ہو گئے۔ اور اپنے اپنے گھر واپس گئے۔ پھر ملک جی بن شمس صاحب نے ایک رسالہ لکھ کر جواب مانگا۔ محمد بن چاند نے اس کا جواب بھی ایک رسالہ کے شکل میں دیا۔ سیدنا کے نظر سے یہ رسالہ جب گذرا تو آپ نے سیدنا داؤد بن قطب شاہ کو جواب کے لئے ارشاد فرمایا۔ جس کی تعمیل کی گئی۔ سیدنا یہاں سے امریٹھ گئے۔ جہاں ہر عام و خاص نے آپ کا استقبال کیا۔ مسلمانوں نے استدعا کی کہ جامع مسجد میں تشریف لا کر شائقین کو زیارت کا موقعہ عنائت فرمائیں۔ لیکن آپ نہ جا سکے۔ مفتی، قاضی اور دیگر عہدہ دار آپ سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ یہاں کا حاکم بھی عقیدتمندوں کی طرح ہر وقت حاضر باش رہا۔ اس جگہ عورتوں کے لئے حوض اور علیحدہ جگہ نماز کے لئے نہ تھی۔ آپ نے اپنے خرچ سے دونوں چیزیں تیار کرادیں۔ اوتبرکاً سیدنا اور دیگر حدود نے بھی اس کی تیاری میں عملاً حصہ لیا۔ دعوت کا ایک بڑا کتب خانہ بھی یہاں تھا جس کو آپ نے ملاحظ فرمایا۔ پھر کڑونج پہونچے جہاں لوگوں نے آپ کی دعوت کی۔ مگر خوج بن ملک کی دعوت سب سے بڑھ گئی۔ اس دعوت میں ایک ایک رطل کی جلابی تقسیم کی۔ جس سے لوگ بہت خوش ہوئے دس دن قیام فرما کر سیدنا احمدآباد واپس تشریف لائے۔ ۱۴ شعبان ۹۹۶ھ میں سیدنا مرض

(سرکھیج) کے "فتح باڑی" باغ میں سیر کے لئے تشریف لے گئے جو مظفر سوم پر فتح پانے کی یادگار میں عبدالرحیم خان خاناں نے تیار کرایا تھا۔ ان کے وفات کے دن ۲۷ ربیع الثانی روز منگل ۹۹۶ھ بمقام کھنبائت خون (سرخ پانی) کا جوار سمندر میں آیا۔ آپ کی دختر آئی فاطمہ بائی بیمار تھیں عیادت کے لئے آپ تشریف لے گئے۔ راستہ میں ایک کیل پیر میں گھس گئی۔ اور پھر اس سے ایسا زخم ہوگیا جو مندمل نہ ہوسکا۔ آخر ۲۷ ربیع الآخر ۹۹۶ھ میں قدس اعلیٰ سے جاملے[1]۔ آپ کا مزار احمدآباد سرسپور میں مرجع خلائق ہے۔ مختلف قسم کی منتیں مانتے ہیں۔ ۲۳ برس آپ رشد و ہدایت کرتے رہے۔ ۳۶ برس آپ نے دعوت و ارشاد کا کام انجام دیا۔ اور مومنین کو ہر طرح سے اعتدال پر قائم رہنے کی ہدایت فرماتے رہے۔ آپ ہی کے عہد میں علامہ محمد طاہر پٹنی، اور شیخ الاسلام شاہ وجیہ الدین گجراتی تھے۔ جو مسلمانوں میں بڑے پایہ کے عالم مانے جاتے ہیں۔ علامہ محمد بن طاہر پٹنی کے نسبت بعض مورخین کو غلط فہمی ہوگئی ہے۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ داؤدی بوہروں کے خلاف انھوں نے جدوجہد کی۔ یہ بالکل خلاف واقعہ ہے۔ بات یہ ہے کہ اس عہد میں حضرت سید محمد جونپوری کے متبعین کا جن کو فرقہ مہدویہ کہتے ہیں۔ بڑا زور تھا۔ پٹن کے پٹھان حاکم بھی اسی فرقہ کے تھے۔ اور عام مسلمانوں کے ساتھ بڑے تعصب سے مظالم کرتے تھے علامہ ممدوح انھیں کے برخلاف اٹھے تھے اور انھیں کے مظالم کی فریاد لے کر آگرہ دربار اکبر میں جارہے تھے۔ کہ شہید کرڈالے گئے۔ ہاں کبھی کبھی اپنی قوم سُنّی بوہروں کے مراسم قبیحہ کی اصلاح کے لئے بھی کوشش فرماتے۔ داؤدی بوہروں کے خلاف کبھی کوئی آواز نہیں اٹھائی۔ مُلّا آدم سوفی اور

---

[1] موسم بہار میں ۹۵۹ھ لکھا ہے۔

علامہ موصوف استاد بھائی ہیں۔ اگر اس غلط فہمی کو دور نہ کیا گیا تو ماننا پڑے گا کہ ایک کلمہ گو مسلم کا عین تہجد کی نماز میں شہید کرڈالنا ایسا ہی افسوسناک ہے جیسا سیدنا قطب الدین کی شہادت کا واقعہ دردناک ہے۔

سیدنا داؤد بن قطب شاہ

داؤد نام، برہان الدین لقب، والد کا نام قطب شاہ بن خواجہ بن علی والدہ آپ کی گوری بو بنت علی جوہری ہیں۔ ۹۴۶ھ ۲۳ ربیع الاول یوم پنجشنبہ بوقت مغرب آپ کی ولادت احمدآباد کالوپور میں ہوئی۔ اور اسی جگہ پرورش پائی۔ ابتدائی تعلیم صرف و نحو جب ختم کرچکے تو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے کوشش شروع کی۔ دس برس سے قبل کی عمر میں آپ حافظ قرآن ہوگئے۔ اسی سے آپ کی ذہانت اور قوت حافظہ کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ آپ کے متعلق یہ مشہور واقعہ ہے کہ ایام طفلی میں اپنے والد کی دوکان پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ ایک جوتشی آیا۔ اور آپ کو دیکھ کر دریافت کیا کہ یہ کس کا لڑکا ہے۔ والد نے کہا کہ تم کو اس کے باپ سے کیا کام ہے؟ اس نے کہا کہ اس کے باپ سے کہدینا کہ یہ بڑا نامور فاضل اور خوش نصیب لڑکا ہے۔ اور فی الواقع ہوا بھی ایسا ہی۔ سیدنا داؤد بن قطب شاہ جب جوان ہوئے تو ان کی شادی حوا بائی بنت محمد علی سے تقریباً ۹۶۱ھ میں ہوئی۔ خوش قسمتی سے یہ لڑکی بھی حافظ قرآن تھی۔ لیکن "حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد" بہت جلد ان کا انتقال ہوگیا۔ اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد آپ کی والدہ گوری بو بنت علی جی کی وفات ہوئی۔ پھر ۹۶۳ھ میں آپ کے والد ماجد کی رحلت ہوئی۔ تب آپ ۹۶۷ھ جبکہ تیئس برس کی عمر تھی بغرض تعلیم یمن پہونچے۔ اور سیدنا یوسف نجم الدین سے علوم و فنون کی

تعلیم حاصل کی۔ تقریباً ۹۷۰ھ میں ہند واپس آئے۔ اور غالباً ۹۷۱ھ میں آپ نے بوبن بائی سے شادی کی۔ ۸ر صفر ۹۷۲ھ یوم پنجشنبہ پہر دن کے وقت داعی عبدالطیب پیدا ہوئے۔ آپ کے پیچھے میاں خان جی ہوئے۔ ۶ر ربیع الاول ۹۸۹ھ میں بوبن بائی کا انتقال ہوا۔ تب وزیرہ بو بنت میاں آدم سے آپنے شادی کی۔ لیکن بائی مذکورہ جلد چل بسی' اس لئے آپ نے سہابو بنت میاں خان بن میاں بھائی سے نکاح کیا۔ اس سے امتہ اللہ لڑکی اور میاں محمد جیو پیدا ہوئے۔ ۹۷۵ھ کے بعد آپ کو داعی وقت نے اپنا منصوص بنایا۔ شیخ الاجل علی محمد بن فیروز راوی ہیں کہ ایک دفعہ سیدنا داؤد بن قطب سخت علیل ہو گئے۔ داعی وقت نے مجھے عیادت کے لئے بھیجا۔ میں نے ان کو قریب المرگ پایا۔ آکر عرض کیا کہ وہ تو بستر مرگ پر ہیں۔ داعی وقت نے کہا کہ انشاء اللہ جلد صحت ہوگی کیونکہ میرے بعد وہی منصوص ہیں۔ اسی طرح شیخ الاجل میاں خوج بن ملک کہتے ہیں کہ ماموجی ابن علی جی نے اپنے لڑکے کی شادی میں سیدنا داؤد بن عجب شاہ کو سدھپور شرکت کے لئے بلایا تھا۔ اثنائے راہ میں میاں علی محمد نے میاں عجب شاہ سے سوال کیا کہ اس شادی میں داؤد بن قطب شاہ نے کیوں شرکت نہ کی۔ تو جواب دیا کہ چونکہ وہ منصوص (قائم مقام) ہیں۔ اس لئے امور دعوت کے انتظام کے واسطے وہ ٹھہر گئے ہیں۔ احمد بن عجب شاہ، سیدنا کے برادر حقیقی کہتے ہیں کہ علالت کے ایام میں اپنی زبان سے سیدنا نے فرمایا اور میں نے سنا کہ داؤد بن قطب شاہ کے پیشانی پر بوسہ دے کر فرمایا کہ میری موت قریب ہے۔ اور میرے بعد تم داعی ہو۔ اور نائب امام زمان ہو۔ آپ نے کہا کہ میں اس قابل نہیں ہوں کسی دوسرے کو سپرد فرمائیے۔ سیدنا نے جواب دیا کہ میں خوب جانتا ہوں کہ تم سے بڑھ کر کوئی اس کا اہل نہیں ہے۔ میاں علی محمد کہتے ہیں کہ ۲۲ر ربیع الثانی کو طبیب نے نبض دیکھ کر کوچ کی

خبر دی۔ گو اہل بیت گریہ و بکا میں مصروف تھے مگر آپ سہارے سے بیٹھے اور ایک بلیغ خطبہ فرماکر تمام فضلاء، شیوخ، اور حدود کے سامنے داؤد بن قطب شاہ کو فرماکر تمام کتب خانہ اور اموال وغیرہ کی کنجی حوالہ کردی۔ اور ۲۷ر ربیع الثانی ۹۹۷ھ کے بعد باقاعدہ دعوت کے تخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ اور والیان جزائر (ہند، سندھ، یمن) کو فرمانات ارسال فرمائے، جس میں داعی کی وفات اور اپنے منصوص ہونے کا بیان تھا۔ یمن میں اس وقت تین آدمی بر سر عمالت تھے۔ شیخ مولی الامیر سیدی عبداللہ بن محمد (۲) مولی الاجل سیدی حسن بن ادریس (۳) شیخ سلیمان بن سیدی حسن۔ تمام لوگوں کے جوابات حسب خواہش اطاعت کے آئے خصوصاً شیخ سلیمان کا خط اطاعت بہت طویل تھا۔ جس میں متوفی سیدنا کے اوصاف اور موجودہ سیدنا کے اقرار اطاعت کا اظہار تھا۔ مثلاً۔

> سیدنا و مولانا و مالک امرنا و ضیاء
> عصرنا و بحر العلوم و نهر الحلوم داعی
> دعاة الجزائر المنوطه و هادی هدا
> تها المبسوطه برهان الدنیا والدین
> وحجته مولانا امیرالمومنین سیدنا
> مولانا داؤد بن قطب[1] ....

اس قسم کے خطوط شیخ سلیمان ابن حسن کے طرف سے تین چار سال تک آتے رہے۔

---

[1] یہ خط بہت طویل ہے۔ اختصار کے خیال سے ترک کردیا۔ اور نمونہ کے لئے چند سطریں تحریر کردی گئیں تاکہ معلوم ہو کہ شیخ سلیمان نے سیاست قبول کرلی۔ اور حکومت تسلیم کرلی تھی۔

اور کسی کو کسی بات کا وہم بھی نہ تھا۔ ۹۹۰ھ میں آپ نے راجپور میں ایک عجیب قصر عالیشان تعمیر کرایا۔ اسی میں قیام تھا۔ تعمیر قصر جدید کے مصالح کبھی کبھی فہمیدہ اشخاص سے فرماتے۔ ان دنوں حیی علی خیر العمل اور شہادت علی وصی رسول اللہ اذانوں میں علی الاعلان ہوتے رہے۔ ۹۹۷ھ میں شیخ آدم صفی الدین کو امور دعوت کے لئے دکھن کے دورہ پر بھیجا۔ جو کامیاب دورہ کے بعد واپس آئے۔ ۹۹۹ھ میں قاضی ابن امین شاہ کو ہالا بھیجا۔ جو ہر طرح سے امور دعوت کو انجام دے کر واپس آ رہے تھے کہ راستہ میں انتقال ہو گیا۔ اسی سال آپ نے اپنے صاحبزادوں کی شادی خانہ آبادی فرمائی۔ یعنی میاں خان جی، میاں قطب خاں اور امتہ اللہ بائی کی شادی اس دھوم سے کی کہ عرصہ تک یادگار رہی۔ آپ کے اوقات کا بیشتر حصہ درس اور تالیف کتب، اور تلاوت قرآن میں صرف ہوتا۔ ہر جمعہ کو بعد عصر وعظ فرمایا کرتے تھے۔

نور الصباح اور رمانہ دو کنیزیں سیدنا داؤد بن عجب شاہ کی تھیں۔ آپ کی علالت میں دونوں نے بمشورہ محمد بن راج محمد جو آپ کے سکریٹری تھے خزانہ دعوت سے کچھ روپے نکالے۔ اتفاقاً یہ بات چند لوگوں کو معلوم ہو گئی۔ لیکن ابراہیم اور احمد جو دونوں کنیز زادے تھے جس کے سبب سے عرصہ تک معاملہ مخفی رہا۔ آخر جب یہ خبر عام ہو گئی تو سیدنا داؤد بن قطب شاہ نے روپیہ کا تقاضا شروع کیا۔ عرصہ تک لیت ولعل میں ان لوگوں نے گزارا۔ اور جب بات حد سے گزر گئی تو ان لوگوں نے مشورہ کر کے شیخ سلیمان بن حسن کو یمن ایک خط لکھا جس میں تحریر تھا کہ تم ایک خط لکھو کہ داؤد بن عجب شاہ نے بوقت وفات منصوص مجھے کیا تھا۔ چنانچہ جب یہ خط یمن پہونچا۔ تو شیخ مذکور نے ایک عربی خط بطور خود تیار کیا اور جابر بن ہادی کے معرفت احمد آباد روانہ کیا کہ سیدنا داؤد بن عجب شاہ کے سکریٹری محمد بن راج محمد کو دو کہ وہ لکھ کر مہر کر دے۔ چنانچہ احمد آباد آ کر ان لوگوں سے ملا۔ یہ خبر سیدنا داؤد بن قطب شاہ کو ملی۔

آپ نے میاں چاندجی بن علی سے فرمایا کہ جابر سے سوال کرو کہ تم یمن سے کیوں آئے۔ اور شیخ سلیمان نے تم کو کیوں بھیجا۔ میاں صاحب نے حسب الحکم آ کر دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ میں شیخ سلیمان کا نائب ہوں اور شیخ مذکور نائب امام ہیں۔ سیدنا کو جب یہ حال معلوم ہوا تو رات بھر بے چین رہے۔ صبح میں شیخ سلیمان کی پھوپھی زہرا بائی بنت سیدنا یوسف نجم الدین کے پاس آئے۔ اور تمام حقیقت شیخ سلیمان کی سنائی۔ بائی نے سیدنا کو مطمئن کرنا چاہا کہ یہ خبر غلط ہے اور دشمنوں نے بہتان لگایا ہے۔ تب آپ نے میاں آدم بن طیب شاہ، امین جی بن جلال، علی محمد، عبدالطیب، میاں چاندجی بن علی جیسے اکابرین دعوت کو طلب فرما کر ایک مجلس کی اور جابر کو بھی طلب کر کے دونوں طرف سے جو تقریریں ہوئیں ان کو قلم بند کرنے کا حکم دیا۔ اور زہرا بائی کو پردہ کے پیچھے رہنے کا حکم فرمایا۔ اور ان کے ساتھ حسن بن علی اور محمد بن راج محمد کو جو دونوں محرم تھے رہنے کا امر کیا۔ جب جابر کے تقریر کا جواب دیا گیا تو لاجواب ہو کر سیدنا کی اطاعت زبان سے کی اور شیخ سلیمان کی بریت کا اظہار کیا۔ سیدنا نے زہرا سے کہا کہ تم نے سب سن لیا اور تم گواہ رہو۔ اور شیخ سلیمان کو سب حال لکھ کر بھیجو۔ اس کے بعد سب اپنے اپنے گھر واپس ہوئے۔ جابر وہ تحریر محمد بن راج محمد سے لے کر سیدھے یمن پہونچا اور شیخ سلیمان کے حوالہ کیا۔ شیخ مذکور نے لوگوں پر نص کا اظہار کیا۔ کچھ لوگ ان کے مقلد ہوئے۔ اور مخا یمن کا ایک مشہور بندر ہے میں مقیم ہوئے۔ مگر وہاں کے لوگوں نے یہ کہا کہ شیخ چاندجی بن علی اگر تمہاری تصدیق کریں تو ہم مطیع ہیں۔ شیخ نے چاندجی سے تصدیق طلب کی۔ جس کا جواب انکار سے دیا۔ شیخ مذکور نے انکو دھمکی دی کہ آپ انکار کی صورت میں سخت تکلیف اٹھائیں گے۔ چاندجی نے کہا کہ کچھ پرواہ نہیں جان و مال سب دین پر قربان ہے۔ شیخ مذکور غضبناک ہو کر ترک حاکم کے پاس گئے۔

اور چاندجی پر پندرہ ہزار ابراہیمی کا دعویٰ دائر کیا۔ اور فتح مقدمہ کی صورت میں نصف حاکم کو دینے کی شرط کی۔ حاکم مذکور نے چھ ماہ تک سرداب میں چاندجی کو قید کر کے روپے وصول کئے۔ اور پھر شیخ سلیمان کے سبب تمام محلہ کے لوگوں پر بڑے مظالم کئے (غالباً یہ خبر مومنین نے وزرائے سلطان تک پہونچائی، جس نے تحقیقات کر کے)، وزیر کے حکم کے مطابق شیخ سلیمان قید کر کے حصن زمرمر بھیجدیئے گئے۔ اور سخت تکلیف دیکر اسی ہزار ابراہیمی کی ضمانت پر رہا کئے گئے۔ اور حراز پہونچے۔ جہاں شیخ عبداللہ، سیدی حسن بن ادریس سیدی اسمٰعیل بن سیدنا یوسف موجود تھے۔ ان لوگوں نے عام مومن کو اس فتنہ سے بچایا، یہاں سے ناکام ہو کر نجران پہونچے۔ قبیلہ یام کے لوگ ان کے مطیع ہو گئے۔ اسی عرصہ میں شیخ عبداللہ وفات پا گئے۔ اور سیدی حسن بن ادریس ان کے قائم مقام ہوئے۔ شیخ سلیمان نے نجران سے محمد بن الغبر المکرمی، عمار، مانجی بن خان، فیروز خان جو ہند سے زہراء بائی کی طرف سے کاغذ لے گئے تھے۔ ان کو ایک رسالہ الانوار نامی اپنی تالیف شدہ کتاب اور نص نامہ دے کر واپس ہند کیا۔ جو احمد آباد پہونچکر دعوت سلیمانی میں مشغول ہوئے۔ سیدنا داؤد بن قطب شاہ نے بھی دو رسالے "الکبیرۃ اور الصغیرہ" تحریر کر کے ان کی پوری پوری تردید کی۔ احمد آباد کے بھی چند اشخاص اس گروہ میں شامل ہو گئے۔ جن میں سے مندرجہ ذیل اشخاص ممتاز تھے۔

(۱) محمد بن راج محمد (۲) ابراہیم بن داؤد بن عجب شاہ (۳) امین شاہ بن شیخ میاں قاضی (۴) خانجی بن جلال بن حسن (۵) دوس بن داؤد جی (۶) چاندجی بن راج (۷) ابراہیم بن جیون جی۔

پھر مامجی بن خان اور فیروز خان احمد آباد سے سدھپور آئے۔ اور شیخ سلیمان کے کاغذات

زہراء بائی کو دیئے جس کے سبب سے ان کی بھی رائے بدل گئی۔ اور شیخ کی طرفدار ہو گئیں اور سدھپور کی داعیہ بنائی گئیں۔ مگر سدھپور والے اپنے قدیم راہ سے منحرف نہیں ہوئے۔ تب بی بی زہراء احمد آباد آئیں۔ ان کے ساتھ رؤساء سدھپور بھی تھے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ بی بی زہراء جیسی فاضلہ نے شیخ سلیمان کی راہ اختیار کی تو ضرور کوئی بات ہوگی۔ اس لئے اس کا فیصلہ ہونا ضروری ہے۔ سیدنا نے شیخ آدم، میاں طیب بن محمد شاہ، علی محمد، عبدالطیب، طیب بن محمد، حسن خان بن علی خاں، عجب شاہ بن احمد، وغیرہ کو مسجد میں حاضر ہونے کا حکم فرمایا۔ بی بی زہراء اور ان کے دیگر ہم خیال مع رؤساء سدھپور بھی مسجد میں آ گئے، چونکہ ہر ایک ان میں سے فاضل بے بدل تھا۔ اس لئے متانت کے ساتھ علمی گفتگو شروع ہوئی۔ سیدنا کی طرف سے شیخ آدم اور جانب دیگر سے بی بی زہراء نے باہم تبادلہ خیالات شروع کیا۔ یہ تمام بیانات قلم بند کر لئے گئے جو آج بھی مطول کتابوں میں مندرج ہیں۔ اس مناظرہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ رؤساء سدھپور تائب ہو کر سیدنا داؤد بن قطب شاہ کے پاس آئے۔ اور مکرر میثاق دے کر جماعت میں داخل ہو گئے۔ اور ان کے ساتھ بطور عامل مولی الفاضل میاں طیب جی بن محمد جی تشریف لے گئے۔ جس سے سدھپور میں ہر طرح سے امن و امان قائم ہو گیا۔ صرف تین آدمی بی بی زہراء کے ہم خیال رہے۔ جیواجی، احمد بن بدن، کالا خاں۔

سنہ ۱۰۰۲ھ میں شاہزادہ مُراد بن اکبر اعظم گجرات کا گورنر ہو کر احمد آباد آیا تھا۔ اس وقت ابراہیم بن عجب شاہ نے فتح محمد کے مشورہ سے سیدنا داؤد بن قطب پر اٹھارہ لاکھ روپیہ کا استغاثہ کیا۔[۱]

---

[۱] کوکب فلک میں بارہ لاکھ لکھا ہے۔ غالباً یہی صحیح ہے کیونکہ خوج بن ملک شاہ مدعی ہیں۔

اور درباری کوتوال امیر جنا بیگ کے ذریعہ شاہزادہ تک معاملہ پہونچایا۔ اور رشوت کے ذریعہ حکام کو طرفدار بنایا۔ اسوقت سیدی شیخ آدم اور میاں علی محمد گرفتار کرکے جیل میں بھیجدیئے گئے۔ اور سخت مظالم شروع کئے۔ اس وقت عجب شاہ بن محمد داؤد بن قطب نے تمام جماعت کے فضلاء اور اکابرین کا ایک وفد صادق محمد خاں وزیر (یا دیوان) کے پاس لے گئے جس کا بہت اچھا اثر پڑا۔ صادق محمد خاں نے جنا بیگ کی کافی تنبیہہ کی۔ اور آئندہ سے مظالم کے سدباب کے لئے احکام صادر کئے۔ اور تقریباً سوا ماہ کے بعد دونوں حضرات قید سے رہا کئے گئے۔
اور مومنین نے بڑی خوشی منائی۔ ان دنوں سیدنا داؤد بن قطب شاہ مستریں ہو گئے تھے بجز خاص خاص لوگوں کے کسی کو آپ کا حال معلوم نہ تھا۔ آپ کے دو فرزند، قطب خاں اور خانجی دیو بندر میں مقیم تھے۔ جب فضا صاف ہوگئی تو آپ نے دونوں کو بلالیا۔ اور وقت ملاقات فرط محبت سے سینہ سے لگالیا۔ پھر سیدی شیخ آدم صفی الدین کے ساتھ صادق محمد خاں سے ملاقات کے لئے بھیجا۔ اتفاقاً راستہ ہی میں ملاقات ہوگئی جبکہ شاہزادہ سے مل کر وہ واپس آرہا تھا۔ شیخ نے صادق محمد خاں سے تعارف کرایا۔ صاجزادوں سے مل کر بہت خوش ہوا۔ اور بڑی عزت سے پیش آیا۔ اور سیدنا کو سلام اور امن کا اطمینان دلایا۔
انھیں دنوں ایک دوسرا واقعہ ظہور پذیر ہوا، یعنی ابراہیم اپنے احباب کے ساتھ احمد پور جاتا تھا۔ راستہ میں داؤدیوں سے ملاقات ہوگئی۔ مناظرہ اور مشاجرہ کے بعد جنگ کی نوبت آگئی۔ ابراہیم نے ایک لٹھ داہنے ہاتھ پر ابراہیم بن پیر کے لگائی جس سے ہڈی ٹوٹ گئی اور بیہوش ہوگیا۔ احمدآباد کے مومنین کو خبر لگی تو ڈولی بھیج کر اٹھا منگایا۔ سیدنا کو جب اس معاملہ کی اطلاع ہوئی تو ماموجی بن قاسم جی، اور عجب شاہ کو صادق محمد خاں کے پاس بھیج کر تمام حقیقت سے آگاہ کیا۔ صادق محمد نے تحقیقات کے بعد ابراہیم مذکور کو گرفتار کرکے

جیل میں بھیجدیا۔ اور رفقاء ابراہیم اُمراء کے مکانوں کا چکر سفارش کے لئے لگانے لگے، آخر امیر کبیر شاہ ابو تراب کے معرفت ابراہیم کی سفارش کرائی۔ صادق محمد وزیر نے کہا کہ اس نالائق آدمی کی کیا سفارش کرتے ہو جو اپنے مرشد سے پھر گیا۔ آخر اصرار کرنے پر وزیر نے کہا کہ اس شرط پر اس کو رہا کر سکتا ہوں۔ کہ یا تو اپنی ناک کٹوائے، یا سیدنا داؤد بن قطب شاہ سے تائب ہو کر جماعت میں شامل ہو جائے۔ شاہ صاحب نے آخری شرط قبول کی۔ شاہ صاحب نے شیخ آدم اور علی محمد کو مع جماعت کے بلاکر ایک جلسہ کیا اور ابراہیم کو بھی طلب کیا۔ شاہ صاحب نے ابراہیم کے طرف سے معذرت کرنی شروع کی۔ اور ہدایت کی کہ اس کو معاف کرکے اپنے میں شامل کرلو۔ یہ آئندہ سے سیدنا کی اطاعت کرے گا۔ ابراہیم نے کہا کہ شیخ سلیمان کا معتقد ہوں۔ اور شیخ سلیمان سیدنا کا مطیع ہو تو میں بھی ہوں۔ شیخ آدم نے کہا کہ برادر شیخ سلیمان نے تو چار برس اطاعت کی پھر تمہارے جیسے لوگوں کے مدد سے خیالات میں تبدیلی کرلی۔ شاہ صاحب یہ سُن کر متحیر ہو گئے کہنے لگے کہ کیا چار برس اطاعت کا تمہارے پاس ثبوت ہے۔ شیخ آدم نے کہا کہ ہاں۔ چنانچہ بستہ منگاکر تمام خطوط اطاعت کے دکھلائے جس سے شاہ صاحب بہت متاثر ہوئے۔ اسی وقت منشی کو بلاکر ایک محضر نامہ لکھایا کہ سیدنا داؤد بن قطب کا دعویٰ صحیح ہے۔ اور ان کے مخالفین مخل امن ہیں۔
اس پر شاہ صاحب کے علاوہ قاضی جان محمد سکاکی، وزیر صادق محمد خاں وغیرہ کی مہریں ثبت کی گئیں۔ یہ سب واقعات تو ادھر ہند میں ہوتے رہے۔ اُدھر یمن میں یہ ہوا کہ شیخ سلیمان جو ایک بڑی رقم کے عوض میں رہا ہوئے تھے ادا نہ کرسکے اس لئے ترک افرحسن پاشا نے صنعا کے قیدخانہ میں قید کردیا۔ چونکہ وہ رقم ادا نہ کرسکتے تھے۔ اور اس کے بغیر رہائی ناممکن۔ اسلئے قبیلہ یام کی سازش سے فرار کا بندوبست کیا، اور ایک شب موقعہ دیکھ کر

بھاگ نکلے، قبیلہ یام کے نوجوان ساتھ تھے۔ حاجیوں کے قافلہ پر چھاپہ مار کر کچھ مال غنیمت حاصل کیا۔ مصائب جھیلتے ہوئے بندر ہرمز پہونچے۔ اور وہاں سے رادھنپور آئے۔ ماہ جمادی الاولی ۱۰۰۳ھ میں احمدآباد پہونچے۔ اور شمس بن جعفر کے مکان پر مقیم ہوئے۔ ابراہیم بن سیدنا داؤد بن عجب شاہ مایوس ہو کر خاموش ہو گیا تھا۔ شیخ سلیمان نے اسے پھر ہمت دلائی۔ اور ایک کروڑ آٹھ لاکھ کا استغاثہ کرنے کا مشورہ دیا۔ شیخ موصوف اپنے ہم خیالوں کے ساتھ روزانہ مشورہ کرتے۔ داؤدی بھی غافل نہ تھے۔ سرکاری دربار میں جوڑ توڑ شروع کردی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امیر عبدالوہاب نے ان دونوں کو طلب کر کے فہمائش کی۔ اور دو دن تک حراست میں رکھا پھر معقول ضمانت پر رہا کیا۔ شیخ سلیمان بھی موقعہ کے تاک میں رہے چنانچہ ایک دفعہ موقع دیکھ کر شیخ آدم اور مولی علی محمد پر سید قاسم بارھہ کے عدالت میں عرضی دیدی۔ سید موصوف نے دونوں کو گرفتار کرلیا۔ مقدمہ پیش ہونے پر شیخ آدم نے جو تقریر کی اس سے متاثر ہو کر حفظ امن کے خیال سے سید موصوف نے شیخ سلیمان اور ابراہیم کو بھی جیل بھیجدیا۔ مومنین نے رہائی کے لئے بڑی جدوجہد کی۔ جب ہر طرح سے مایوسی ہوئی تو سیدنا کے مشورہ سے حسن جی بن علی خان اور مامون جی بن قاسم جی بھروچ جا کر شاہزادہ مُرادکی بیگم کے پاس جو ان دنوں یہاں مقیم تھی بذریعہ دایہ عرضی پہونچائی۔ حقیقت معلوم ہونے پر فوراً احکام صادر ہوئے کہ سید موصوف شیخ آدم اور مولا علی محمد کو رہا کردے۔ اور ابراہیم اور شیخ سلیمان کو بھروچ روانہ کردے۔ سید موصوف نے سب کو بھروچ روانہ کردیا۔ جہاں سے شیخ آدم اور ان کے رفیق رہا ہو کر احمدآباد واپس آئے۔ یہ واقعہ ۲۷ رمضان ۱۰۰۴ھ کا ہے۔ شیخ سلیمان عرصہ تک بھروچ کے جیل میں رہے۔ اور آخر رہائی پا کر احمدآباد آئے۔ جہاں داؤد بن قطب شاہ کا عروج دیکھ کر بے چین ہو گئے۔

اور پھر انقلاب کی کوشش کرنے لگے۔ چنانچہ یوسف بن شاہ جی، اور جابر بن ہادی کو اکبر کے دربار میں روانہ کیا تاکہ داؤد بن قطب شاہ پر مبلغ مذکورہ کا دعویٰ دائر کرے۔ سیدنا داؤد بن قطب شاہ نے اپنی فراست سے اس مسئلہ کو کما حقہ سمجھا کہ سلیمانی دربار میں پہونچ گئے اور ہمارے خلاف پروپیگنڈا کر رہے ہیں۔ اگر اس طرف توجہ نہ کی گئی تو نتیجہ خطرناک نکلے گا۔ چنانچہ اپنے سترسے پہلے یہ کارروائی کی کہ سیدنا شیخ آدم صفی الدین اور مولا علی کو چند فاضل بزرگواروں کی معیت میں لاہور جانے کا حکم دیا[1]۔ سیدنا اس کے بعد ستر میں ہو گئے۔ شیخ آدم اپنے رفقاء کے ساتھ عید الفطر کے دن احمدآباد سے روانہ ہوئے۔ اور پہلی ذوالقعد کو لاہور پہونچے۔ وہاں درباریوں کا یہ رنگ دیکھا کہ مخالفین کے اغوا سے کمال خاں سیدنا داؤد بن قطب شاہ کے گرفتاری کی کوشش میں معروف ہیں۔ جس وقت کمال خاں کو یہ معلوم ہوا کہ سیدنا کے رفقاء لاہور آئے ہیں تو ان کو اپنے گھر میں طلب کیا۔ اور ایک مکان قیام کے لئے دیا۔ چار دن کے بعد رات کو کمال خاں بادشاہ سے ملا۔ اور غلط بیانیوں سے بادشاہ کو متاثر کر کے ان نووارد مہمانوں کی سزا کا حکم حاصل کرلیا۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی ان میں سے چھ حضرات مندرجہ ذیل کو طوق و سلاسل میں اسیر کر کے قید کردیا۔ اور طرح طرح کی تکلیفیں دینی شروع کیں، باقی باہر تھے۔ اس لئے قید سے محفوظ رہے۔ شیخ آدم، مولی علی محمد، داؤد جی، خانجی، تاج محمد، ملک جی۔ محمد بن علی نے

---

[1] ان حضرات کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔ پیر جی بن مامجی، طیب بن شیخ آدم، یوسف بن چاند جی، ابراہیم بن محمد جی، داؤد بن آدم جی، خانجی بن علی، تاج محمد بن علی، ملک جی بن جلال۔ عبدالرحمٰن بن آدم، تاج محمد بن بابن، احمد جی بن پیر، یوسف جی بن راج خاں، آدم جی بن خانجی۔ چاند جی بن لودا۔

خان اعظم کو تمام مصائب سے آگاہ کیا۔ اس نے کمال خان کو بلاکر معاملہ کی تفتیش کرنے کا حکم دیا۔ اور کہا مقدمہ کے متعلق کوئی شخص احمد آباد میں رہ نہ جائے۔ ہر قسم کا معاملہ مکمل کرکے دربار شاہ میں پیش کیا جائے۔ اس قدر بہانہ اس کو کافی تھا۔ فوراً احمد آباد جانے کی تیاری شروع کردی۔ شیخ آدم نے کہا کہ تم کو وہاں جانے کی کچھ ضرورت نہیں۔ ہر سوال کا جواب میں دے سکتا ہوں۔ مگر نہ مانا اور کچھ دنوں کے بعد کمال خاں ۸ر ذوالقعدہ کو ان لوگوں کو تو اپنے نائب عثمان کے سپرد کرکے خود احمد آباد روانہ ہوگیا۔ آنچہ پدر نہ تواند پسر تمام کند کے مصداق سائے صاحب نے مومنین معززین کو اپنے بزرگ سے بڑھ کر تکلیفیں پہونچائیں، ادھر کمال خاں نے ۱۱ر ذوالحجہ ۱۰۰۴ھ میں احمد آباد پہونچکر کمال کیا، یعنی اس فرقہ کے اکثر بڑے بڑے بزرگوں کو گرفتار کیا۔ عام مومنین کو ہر طرح ستایا اور سیدنا داؤد کو تلاش کرنا شروع کیا۔ جب اس معاملہ میں اس کو سخت ناکامی ہوئی تو بے حد برافروختہ ہوکر اس نے عام مومنین کے مکانات کو لوٹنا شروع کیا۔ جو تعداد میں ۲۷ ہزار تھے۔ اور جب اس سے بھی مقصد برآوری نہ ہوئی تو عام مومنین کے مکانوں کو بند کرکے ان پر مہریں لگادیں۔ اور ان تمام کام کو انجام دے کر ۲۲ محرم کو احمد آباد سے روانہ ہوکر لاہور گیا۔

مگر ان مظالم سے تنگ آکر دس آدمی پہلے ہی لاہور فریادی بن کر روانہ ہوگئے۔ جو ۱۴ر صفر کو پہونچکر شیخ آدم سے تمام حقیقت بیان کی۔ کہ ۲۷ ہزار مکانات مومنین کے ویران پڑے ہیں۔ کمال خاں کے غیر حاضری میں سیدنا آدم نے کمال جدوجہد کرکے بعض درباریوں سے شناسائی پیدا کی۔ خصوصاً فرید خاں کے ذریعہ جس نے دہلی کے قریب فرید آباد کو آباد کرایا اور (جو باب دہلی کے نام سے مشہور ہے) اس وقت بخشی فوج کے عہدہ پر تھا۔ خان عبدالرحیم سے زیادہ تعلقات پیدا ہوئے۔ یہ وہی خان خان ہے جو عرصہ تک احمد آباد کا گورنر رہ چکا تھا۔ سیدنا موصوف کو کمال خاں کے ظلم وستم اور لوٹ کے مال کے ساتھ واپسی کی جب خبر معلوم ہوئی تو امیر فتح اللہ

شیرازی کے توسط سے اکبر اعظم کو اطلاع کرائی کہ کمال خاں مال غنیمت کے ساتھ واپس آرہا ہے۔ اگر راستہ میں گرفتار کرلیا گیا تو مال مل سکتا ہے۔ ورنہ گھر پہونچنے پر مال کا پتہ ملنا مشکل ہوگا۔ چنانچہ جب اکبر کو ان مظالم کی خبر ہوئی تو اس نے فوراً حکم دیا کہ کمال خاں احمد آباد کے بوہروں کا مال واسباب لوٹ کر واپس آرہا ہے۔ شہر میں داخل ہونے سے پہلے اس کو گرفتار کرکے دربار میں حاضر کرو۔ چنانچہ راجہ رام داس نے اس فرمان کے مطابق ایک دستہ فوج لے کر فیروزپور کی ندی کے قریب اس کو گرفتار کرلیا۔ اور دربار شاہی میں حاضر کیا۔ اکبر نے سیدنا آدم کے متعلق دریافت کیا۔ آپ کو بھی دربار میں پہونچایا گیا تخلیہ میں دیر تک سیدنا سے گفتگو ہوتی رہی۔ اور آپ نے اپنی مفصل حالت شاہ کے گوش گزار کی۔ اور جو کچھ کمال خاں کے طرف سے ظلم وستم ظہور میں آیا تھا بیان فرمایا۔ جب اکبر اعظم کو حقیقت سے آگاہی ہوئی تو کمال خاں سے سخت ناراض ہوا۔ سیدنا کے تمام رفقاء کو رہائی کا حکم دیا۔ اور کمال خاں کو قید کردیا گیا۔ بادشاہ نے خان اعظم کے توسط سے سیدنا آدم سے کہا کہ جو مقدمہ آج کل میرے دربار میں پیش ہے۔ اس کے تصفیہ کے لئے سیدنا داؤد کی تشریف آوری ضروری ہے۔ اس لئے آپ حضرات احمد آباد جاکر اپنے ساتھ ان کو لائیں سیدنا آدم نے کہا کہ عرصہ سے سیدنا داؤد ہم لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ ہم کو قطعاً معلوم نہیں ہے کہ کہاں تشریف رکھتے ہیں۔ شاہ نے حکیم علی ابن سلیمان سے کہا کہ ان کو سمجھاؤ کہ اپنے سیدنا کو تلاش کرکے یہاں لاؤ۔ ان کی ہر طرح قدرو منزلت کیجائے گی۔ اور کوئی بات ان کی شان کے خلاف نہیں ہوگی۔ حکیم موصوف نے ہر طرح سے اطمینان دلایا۔ اور اس نے استدعا کی کہ اپنے سیدنا کو تلاش کرکے ہمراہ لائیں۔ شہنشاہ کو ان کی ملاقات کا بے حد اشتیاق ہے۔ ان کی تشریف آوری سے مقدمہ کا عقدہ بھی بآسانی حل ہوجائے گا۔ اور بادشاہ تعمیل حکم سے خوش ہوجائے گا۔ جب سیدنا آدم کو حکیم موصوف

کے اطمینان دہی سے دلجمعی ہوگئی تو فرمایا کہ ہم واپس جاکر تلاش کرنے کو تیار ہیں۔ حتی الامکان کوئی دقیقہ آپ کے پتہ لگانے میں اٹھا نہ رکھوں گا۔ اگر مل گئے تو ضرور یہاں لے کر آئیں گے۔ لیکن راستہ کے امن وامان کے لئے ایک فرمان دیا جائے تاکہ ہمیں کہیں تکلیف نہ پہونچائی جائے۔ بلکہ تکالیف سفر میں سہولیت بہم پہونچائی جائے۔ حکیم موصوف آپ کی دور اندیشانہ تقریر سے بہت مسرور ہوا۔ اور ۲۶ر تاریخ کو بادشاہ سے مل کر ساری سرگذشت سنائی۔ اور جن اسباب کے بنا پر چار سال سے سیدنا ستر میں تھے۔ اس حقیقت سے بھی آگاہ کیا۔ اور کہا کہ سیدنا آدم اپنے مرشد اعظم کو ساتھ لانے کے لئے تیار ہیں۔ اس لئے پروانہ راہ داری عنایت ہو۔ چنانچہ ۱۵ر جمادی الاول شب جمعہ کو سیدنا آدم مع رفقاء کے دربار میں تشریف لے گئے تاکہ رخصتی ملاقات کے بعد احمدآباد واپس آئیں۔ اکبر بادشاہ نے سیدنا آدم کو ایک خلعت فاخرہ اور دیگر رفقاء کو بھی پوشاکیں عنایت فرماکر رخصت کیا اور احمدآباد سے کمال خاں کا لایا ہوا مال غنیمت سب واپس کیا۔ اور ایک ریشمی قیمتی دوشالہ سیدنا داؤد بن قطب شاہ کے لئے دیا گیا۔ اور حکیم علی نے امن وامان کا فرمان سیدنا آدم کو سربمہر دیا۔ اس کو دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ یہ تو سربمہر ہے۔ اس سے ہمارے مکانات جو بند کر دیئے گئے ہیں۔ اور جن پر مہریں لگی ہیں۔ وہ کیونکر کھل سکیں گے۔ اس لئے ہمیں کھلا فرمان ملنا چاہیئے جو سفر حضر میں کام آسکے۔ اور حکام وقت کو دکھلا کر مکانات کھلوا سکیں پس جس وقت ہمارے مکانات کے دروازے کھل جائیں گے اور امن وامان کا دورہ ہوگا۔ اور یہ خبر ہمارے سیدنا کو ہوگی وہ خود بخود باہر نکل آئیں گے۔ جب یہ بات حکیم موصوف نے شہنشاہ کے گوش گذار کی تو مہر توڑنے کا حکم دیا۔ اور پھر کھلا فرمان سیدنا آدم کو عنایت فرماکر رخصت کیا۔

فرمان مندرجہ ذیل ہے

اللہ اکبر کہ دریں وقت فرمان عالیشان ورود یافت کہ چوں صلاح اندیش عبادت اندوز داؤد بن قطب شیخ جماعت بوہران راحسب التماس او از روئے کمال عاطفت والتفات بدرگاہ خلائق پناہ، طلب فرمودہ ایم، حکام بلاد گجرات سیما احمدآباد وسدھپور وعہدہ داران آں حدود مانع ومزاحم نشوند، وبگذارند کہ خاطر خواہ خود متوجہ آستان بوسی گردد، وبہیچ وجہ من الوجوہ بتخصیص از رہ گذر مذہب وملت از محرز کات وسائر تکالیف خلاف حکم وبرنسبت تعرض بحال او واتباع او نرسانند۔ وخانہائے انہا کہ مہر کردہ اند کشادہ بتصرف آنہا گذارند، وجمیع کہ بکسب کار وسودا ومعاملہ مشغول باشند، مانع نیائند۔ ومراعات حال آنہا را لازم دانستہ اصلا طمع وتوقع نکنند۔ واگر از اموال آنہا چیزے گرفتہ باشند باز گردانیدہ بدہند کہ بعد

ترجمہ

اللہ اکبر اس وقت یہ فرمان عالیشان صادر ہوا کہ صلاح اندیش عبادت اندوز، داؤد بن قطب بواہر کے سردار کو ان کے خواہش کے مطابق ہم نے کمال مہربانی والتفات سے اپنے خلائق پناہ دربار میں طلب کیا ہے۔ اس لئے علاقہ گجرات کے حکام، خاص کر احمدآباد اور سدھپور اور اس کے حدود کے عہدہ دار بزرگوار موصوف سے مانع و مزاحم نہوں۔ اور ان کو خاطر خواہ ہمارے قیام گاہ کی طرف سفر کرنے دیں۔ اور تمام وجوہات میں سے کسی وجہ سے خصوصاً مذہب ملت کا طریقہ اور زکات اور تمام تکالیف خلاف حکم کی نسبت اس نے اور ان کے پیروؤں سے کسی قسم کا تعرض کریں اور جن مکانات پر مہریں لگادی ہیں۔ ان کو توڑ کر مکانات ان کے قبضہ وتصرف میں دیدیں۔ جس تجارت یا کاروبار کو وہ لوگ اختیار کرنا چاہیں اس میں رکاوٹ پیدا نہ کریں۔ ان کی رعائت ضروری جان کر کسی قسم

مدت از تشخیص معاملات انہا بہر چہ حکم اشرف شود عمل کردہ خواہد شد۔ می باید کہ کروریان و جاگیرداران و سائر متصدیان مہات گجرات مشار الیہ را امداد و اعانت نمودہ از راہ ہا بسلامت بگذارند، واگر بدرقہ خواہد، امداد نمودہ نوعے کنند کہ از محال مخوف بہ مامن امن و استقامت بہ آسودگی برسند، و مراعات جانب او از لوازم دانستہ دریں باب اہتمام تمام لازم شناسند۔

تحریر یکم ماہ دی الہی ۴۲ ۱۰۰۱ھ

بدار السلطنت لاہور

کی لالچ اور امید ہرگز نہ رکھیں۔ اگر ان کے مال دولت میں سے کوئی چیز لے لی گئی ہو۔ تو اس کو واپس کر دیں۔ اس لئے کہ کچھ عرصہ کے بعد ان کے معاملات کی تحقیق کر کے جو کچھ حکم صادر ہوگا اس پر عمل کیا جائے گا۔ کروریوں، جاگیرداروں اور مہمات گجرات کے تمام متصدیوں کو چاہیئے کہ بزرگوار موصوف کو۔ راستوں سے آرام کے ساتھ آنے دیں۔ اور اگر رہبر طلب کریں تو ایسا بندوبست کریں کہ خوفناک اور پُرخطر مقامات سے اطمینان اور آرام کے ساتھ پہونچ جائیں۔ اور ان کے ساتھ مراعات کو واجبات سے سمجھ کر اس باب میں کامل اہتمام کرنے کو لازم جانیں۔

یکم ماہ دی الہی ۴۲ ۱۰۰۱ھ

دار السلطنت لاہور

اس فرمان کو لے کر سیدنا آدم وہاں سے روانہ ہو کر ۲۰ رجمادی الثانی احمدآباد پہونچے اور قاضی حسن کو فرمان دکھا کر تمام مومنین کو مصائب سے نجات دلائی۔ جب امن و امان کی خبر عام ہوئی۔ تو ایک شخص نے سیدنا داؤد بن قطب شاہ کی ہتک کی۔ لوگ فوراً اس کو حاکم کے پاس لے گئے۔ سخت سزا اس کو دی گئی۔ شاہ وقت کے طرف سے اس قدر اطمینان دہی پر بھی سیدنا قطب ستر ہی میں رہے۔ چار آدمی شب و روز آپ کی تلاش

میں رہتے بلکہ خصوصاً رات کے وقت ہر طرف فقیروں کی طرح سوال کرتے تاکہ سیدنا اگر ہوں تو کسی طرح آواز ان تک پہونچے۔ چنانچہ ایسا ہوا کہ تاریخ ۲۷ رجمادی الثانی نماز تہجد سے فارغ ہی ہوئے تھے۔ کہ موسیٰ علی محمد کی آواز کان میں پہونچی۔ دریچہ سے سر نکال کر آپ نے طلب فرمایا۔ مکان میں داخل ہو کر سیدنا سے ملے۔ فرط محبت سے دیر تک دونوں مل کر روتے رہے۔ پھر حقیقت سے موسیٰ علی محمد نے آگاہ کیا۔ یکم رجب کو شیخ عبد الطیب کے ذریعہ شیخ آدم کو طلب کیا۔ انہوں نے بھی من و عن تمام حالات بیان کئے۔ فرمان اور شاہی عطیہ حوالہ کیا۔ چنانچہ اسی تاریخ کو آپ ستر سے نکل کر ظہور پذیر ہوئے۔ مومنین کو بے حد مسرت ہوئی سیدنا نے شیخ آدم سے مشورہ کیا کہ لاہور جانا مناسب ہے۔ شیخ آدم نے کہا کہ اس وقت لاہور جانے سے دعوت کو بڑا فائدہ ہوگا۔ اس لئے ضرور تشریف لے چلیں۔ پس آپ نے سفر کی تیاری شروع کر دی۔ آپ کے دونوں لڑکے قطب خان اور خانجی نوانگر میں تھے۔ دونوں کو طلب فرمایا۔ اور ہمراہی سفر کا شرف بخشا، امین الدین امین جی کو احمدآباد کا والی قرار دیا۔ اور

---

[1] مشہور ہے کہ گومتی پور (موجودہ سارنگپور) کے باہر ایں بوہروں کا محلہ تھا۔ وہاں ایک باولی تھی۔ سیدنا داؤد بن قطب اسی جگہ مستور تھے۔ یہ مقام آج بھی موجود ہے۔ سامنے مسجد ہے۔ بائیں جانب ایک مقبرہ جو ۱۱۰۱ھ میں دو نوجوان طالب علم شہید کے لئے تعمیر کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی باولی کا زینہ ہے۔ اندر ایک سائبان ہے۔ محرابوں پر مختلف کلمات تحریر ہیں۔ باولی میں پانی کافی ہے۔ اسی پر ایک جھولا لگایا گیا تھا۔ اور آپ اسی پر آرام فرماتے تھے۔ عہد قدیم میں شاید مکان کے ساتھ متصل ہو۔ اب تو بالکل علیحدہ ہے بطور یادگار قائم ہے۔ میں جب اس باولی میں داخل ہوا تو ٹھنڈی جگہ پایا۔ اور آرام دہ، یہ طویل ہے عرض کم دس آدمی بہ یک وقت رہ سکتے ہیں۔

عبداللطیف اپنے فرزند کو ان کا وزیر بنایا۔ ۲۲ رجب ۱۰۰۵ھ میں دس آدمی کے ساتھ لاہور روانہ ہوئے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ سیدنا کے دونوں لڑکے، شیخ آدم، موٰلی علی محمد، ماما جی یوسف بھائی ساکن دھولکا، نوح بن ملک کپڑونجی، عبدالرحمٰن بن میاں بھائی۔ موٰلی خانجی بن علی، ماسونجی ابن قاسم جی، مولاشاہوجی۔ سیدنا کا قافلہ بڑی تیزی سے روانہ ہوا۔ راستہ میں مومنین نے روکنا چاہا تو آپ نے واپسی میں قیام کا وعدہ فرمایا۔ غرض شب و روز چل کر لاہور کے قریب پہونچے۔ دوستوں کو اطلاع ہوئی۔ تو حکیم علی بن سلیمان گیلانی سے کہا کہ سیدنا کی عزت افزائی اور استقبال کا انتظام ہونا چاہیئے۔ حکیم موصوف نے کہا کہ بادشاہ کشمیر گیا ہے ورنہ شاہانہ استقبال ہوتا۔ تاہم میرا لشکر استقبال کو جائے گا۔ اور چاندی کی کرسی بھی بیٹھنے کے لئے بھیج دوں گا۔ غرض حکیم موصوف نے شاندار استقبال کا سامان بھیج کر خود بھی شہر کے کنارے سرراہ استقبال کے لئے آیا۔ اور بڑے تزک اور احتشام کے ساتھ شہر کے بازاروں سے گشت کرتا ہوا حکیم موصوف کے مکان پر جلوس پہونچا۔ اور حکیم موصوف نے بھی عزت افزائی اور خاطرداری میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ پھر سیدنا کو ساتھ لیکر کشمیر روانہ ہوا۔ شیخ آدم، خانجی، ماونجی علی بھائی، شاہوجی، محمد جی آپ کے ساتھی تھے۔ باقی اشخاص لاہور ہی میں مقیم رہے۔ کچھ تو حکیم موصوف کے باغ میں رہے۔ اور موٰلی علی کو نماز باجماعت کی اجازت دی۔ اور کچھ لوگ امیر کالا خاں کے محل میں مقیم ہوئے۔ ان کے لئے نماز باجماعت کی اجازت طیب بن محمد شاہ سدھپوری کو عطا ہوئی۔ حکیم علی گیلانی سیدنا کے تقویٰ اور اخلاق حمیدہ سے متاثر ہو کر آپ کا گرویدہ ہو گیا۔ جب کشمیر پہونچے تو بادشاہ سے عرض کیا کہ قوم بواہر کے مرشد سیدنا داؤد تشریف لے آئے ہیں۔ یہ سن کر بادشاہ بے حد مسرور ہوا۔ فوراً طلب فرمایا۔ سیدنا سے مل کر بہت متاثر ہوا۔ خیریت مزاج دریافت کی۔ پھر عمر کا سوال کیا آپ نے ساٹھ برس بتلائی، بادشاہ نے مسکرا کر

کہا کہ پیغمبر کے ہم عمر ہیں۔ بادشاہ نے ہر طرح سے تسکین دی۔ اور امن و سکون کا اطمینان دلایا۔ حکیم علی گیلانی صبح سے دوپہر تک روزانہ حاضر خدمت رہتا۔ اور نصف قرآن کی تلاوت کرتا۔ بادشاہ دن بدن سیدنا پر الطاف و کرم کرتا گیا۔ اور اکثر دربار میں طلب کرتا۔ اور مخصوص سوالات کے جوابات سے محظوظ ہوتا۔ شیخ سلیمان اور ان کے اصحاب لاہور میں تھے۔ ان کو بھی یہ خبریں ملتی رہیں۔ حسرت، افسوس، ناکامیابی نے ان کو نڈھال کر ڈالا۔ آخر مرض اسہال میں ۲۵ رمضان ۱۰۰۵ھ بمقام لاہور انتقال کر گئے۔ اور لاش احمدآباد لاکر سرسپور کے متصل بی بی پورہ میں دفن کیا۔ غالباً لاہور سے کشمیر مخالفین کے صحیح حالات معلوم کرنے کے لئے موٰلی علی محمد کو طلب کیا۔ پھر شیخ طیب اور تاج محمد کو سدھپور وطن جانے کی تاکید کی۔ انہیں دنوں سخت سردی میں بادشاہ نے دربار کیا۔ سیدنا بھی تشریف لے گئے۔ بادشاہ نے بہت ہی قریب بلا کر اپنے ہاتھ سے ایک قیمتی دوشالہ عنایت فرمایا۔ اور تسلی دے کر کہا کہ بہت جلد آپ اپنے وطن کو واپس تشریف لے جائیں گے۔ ایک دن بادشاہ ایک اونچے مقام پر تھا کہ ایک شتر سوار کو پستی سے بلندی کی طرف تیزی سے جاتے دیکھا۔ دریافت کیا کہ یہ کون اس بیباکی سے اونٹ دوڑائے جا رہا ہے۔ جواب دیا گیا کہ بواہر کے مرشد داؤد بن قطب شاہ ہیں۔ چونکہ وہ اونٹ بادشاہ کو پسند آگیا تھا۔ اس لئے حکیم علی گیلانی کے اشارہ سے بادشاہ کو نذر کر دیا جس سے بادشاہ بہت خوش ہوا۔ اب اصل مقدمہ فیصل کرنے کے لئے ابراہیم بن سیدنا داؤد بن عجب شاہ کو لاہور سے کشمیر بلایا گیا۔ خواجہ شکراللہ نے بہت طرح سے سمجھایا کہ مقدمہ واپس لو اور دعوئ سے باز آؤ۔ مگر نہ مانا یہاں تک کہ خواجہ صاحب ناراض ہو گئے۔ مجبوراً ناظرالدولہ کی وساطت سے دربار اکبر تک رسائی بہم پہونچائی۔ اکبر بادشاہ نے دعوئ دریافت کیا۔ کہا کہ ایک کروڑ اٹھارہ لاکھ روپے کا ورثہ ان سے لینا ہے۔ گواہی طلب ہونے پر کہا کہ اگر چھ ماہ کی اجازت ملے تو احمدآباد سے شاہد حاضر کردوں۔ حکیم علی نے کہا کہ سیدنا تو

تین ماہ میں احمد آباد سے آگئے۔ اور تم چھ ماہ کی رخصت مانگتے ہو۔ بادشاہ نے کہا کہ اچھا تم کو چار ماہ کی مہلت ہے چنانچہ ابراہیم وہاں سے روانہ ہو کر احمد آباد آیا۔ تب سیدنا نے لاہور اپنے رفقاء کو تحریر کیا کہ تم سب فوراً احمد آباد چلے جاؤ۔ یہ سب حسب الحکم لاہور سے ۴ر محرم ۱۰۰۶ھ یوم شنبہ کو روانہ ہو کر احمد آباد پہونچے۔ اور یہاں سے عام حالات لکھ کر بھیجے۔ انھیں ایام میں کشمیر میں ایسی سخت سردی پڑی کہ قحط تک نوبت پہونچی۔ اچھے اچھے جانور مر گئے۔ اس لئے بادشاہ نے واپسی کا حکم صادر کیا۔ اور ابوالفضل وزیر کو سیدنا کے پاس اس لئے روانہ کیا کہ آپ سے دریافت کر کے آپ کے متعلق تمام ضروریات مہیا کرے۔ لیکن آپ نے شکریہ کے ساتھ ابوالفضل کو یہ جواب دیا کہ وطن پہونچنے کے سوا اور کسی چیز کی حاجت نہیں ہے۔ ابوالفضل سے بادشاہ نے یہ بات سُن کر تسلی دی اور لاہور روانہ ہونے کا حکم دیا۔ سیدنا کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کا گھوڑا عنائت ہوا۔ ۱۵ر ربیع الثانی ۱۰۰۶ھ کو لاہور پہنچے۔ بعدہٗ بادشاہ بھی لاہور آگیا۔ ابراہیم بھی احمد آباد سے گواہوں کو لے کر لاہور پہونچ گیا۔ بادشاہ نے اس مقدمہ کو چار جیوری کے سپرد کیا۔ جن کے ارکان حکیم علی، خان اعظم، امیر غنائی اور ابوالفضل اس کا صدر تھا۔ اثناء مقدمہ میں ابوالفضل نے دریافت کیا کہ تمہارے والد سیدنا داؤد بن عجب شاہ کوئی تاجر تھے یا زمیندار۔ نفی پر جواب ملنے پر ابوالفضل نے کہا کہ جب تاجر بھی نہ تھے اور نہ زمیندار تو پھر ایک کروڑ کی دولت آپ کے پاس کہاں سے آئی۔ چونکہ اس سوال کا کوئی صحیح تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔ اس لئے مقدمہ کا فیصلہ سیدنا کے موافق ہوا۔ اور مقدمہ کا فیصلہ مع دلائل جب اکبر بادشاہ کے نظر سے گزرا تو حکم کیا کہ ابراہیم کو امن عامہ کے خیال سے مقید کیا جائے۔ لیکن ناظر الدولہ کی سفارش سے لاہور میں نظر بند کر دینے پر اکتفا کیا گیا۔ اور عرصہ تک مقیم رہا۔ بادشاہ جب دکھن کے طرف گیا۔ اس وقت موقع پا کر گجرات چلا آیا۔ سیدنا کو

بموجب حکم بادشاہ کے ایک فرمان لکھ کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ خلعت بے بہا بہترین شاہی گھوڑا اور ایک رتھ عنایت ہوئی۔ اور سعادت وطن کی اجازت دی گئی۔ چنانچہ ۲ر ذوالحجہ ۱۰۰۶ھ کو دہلی سے عزت واحترام کے ساتھ روانہ ہوئے۔ قاصد آپ کے پہلے ہی احمد آباد پہونچکر یہ مژدہ سنا چکا تھا۔ اس لئے امین جی بن جلال اور بھائی عبدالطیب بن سیدنا داؤد مع جماعت مومنین کے سدھپور استقبال کے لئے پہونچ گئے۔ اسی ماہ کے ۲۹ر کو آپ کی دختر بائی امۃ اللہ کا انتقال ہوگیا۔ اور آپ کے پہونچنے پر دو دن تک آپ سے مخفی رکھا گیا۔ ۸ر محرم ۱۰۰۷ھ کو سیدنا مع رفقاء کے سدھپور پہونچے۔ تین دن قیام فرمایا اور پھر سیدی حسن پیر کی بھی زیارت سے فارغ ہو کر احمد آباد پہونچے۔ شیخ پور کے بازار میں ایک عطار مومنین کی جماعت میں داخل ہوا۔ اور آپ سے اخلاص کا سبب ایک خواب بتایا۔ جو اس نے اسی شب کو دیکھا تھا۔ کہ رسول اللہ کی سواری اس بازار سے نکلی۔ اور دن کو سیدنا کی سواری بجنسہٖ اسے نظر آئی۔ سیدنا احمد آباد پہونچکر سب سے پہلے ندی کے کنارے شہداء کے قبر پر فاتحہ خوانی کے لئے گئے۔ اور وہاں سے بی بی پور سیدنا داؤد بن عجب شاہ کے قبر پر جانے کا ارادہ تھا مگر شیخ آدم نے مشورہ دیا کہ لوگ حضور کے منتظر ہیں۔ اور کثرت اجتماع کے سبب گرد بھی بہت ہے۔ بہتر ہے کہ زیارت کل کی جائے۔ چنانچہ اس مشورہ کے بموجب آپ سارنگپور شیخ آدم کے مکان پر تشریف لائے۔ یکشنبہ ۹ر محرم ۱۰۰۷ھ کا واقعہ ہے۔ دوسرے دن اپنے محل میں تشریف لے گئے۔ اور آپ دختر کی وفات کا حال سُن کر بہت مغموم ہوئے۔ اس کے بعد امن اور اطمینان سے رشد و ہدایت اور درس و تدریس میں معروف ہو گئے، ۲ر رجب ۱۰۰۷ھ میں آپ نے بڑی دھوم سے اپنے فرزند بھائی صاحب محمد بھائی کی شادی کی۔ امراء شہر اور حکام بھی شریک شادی ہو کر رونق کو دوبالا کیا۔ ۱۰۰۷ھ میں ایک بڑی عالیشان بہترین طرز کی مسجد تیار کی۔ جس کا شہرہ دُور

دور پہلے سے لوگ جوق جوق دیکھنے کے لئے آئے ۔ چنانچہ احمد آباد کا حاکم شمس الدین کھنبائت
سے امیر مرزا قاسم خاص کر دیکھنے کے لئے آئے ۔ سنہ ۱۰۰۹ھ میں اسی مسجد کے ساتھ ایک محل خوبصورت
تیار کرایا ۔ اور اس کے دونوں جانب دو حویلیاں بھی بنوائیں ۔ ایک سیدی قطب خاں اور دوسری
خانجی بھائی کو عطا فرمائی ۔ ۱۳ ماہ شوال سنہ ۱۰۱۰ھ میں امین جی بن جلال نے وفات پائی ۔ اور سیدنا
کو کافی رنج پہونچا ۔ اس کے بعد خوج بن ملک اور یوسف بن پیرجی (سلیمانی) نے تاج خاں
بن داؤد (داؤدی) پر ۹۹۲۵ روپیہ کا دعوی دائر کیا ۔ مگر حاکموں نے مقدمہ خارج کر دیا ۔ خان
اعظم موصوف جب تیسرے دفعہ گجرات کے صوبہ دار ۱۰۰۹ / ۱۰۱۴ھ میں بنائے گئے ۔ تو اکبر نے مصلحتاً
ان کو تو لاہور میں رہنے کا حکم دیا ۔ اور ان کے بڑے لڑکے کو نائب بنا کر گجرات بھیجدیا ۔ جس کا نام
شمس الدین حسین خاں تھا ۔ دو برس کے بعد سنہ ۱۰۱۱ھ میں ۔ خان اعظم نے اپنے لڑکے کو واپس
بلالیا ۔ اور دوسرا لڑکا شادماں بیگ کو اسی جگہ گجرات بھیجا ۔ اس نے گجرات پہونچکر مومنین پر جو
مظالم شروع کئے وہ ناقابل برداشت تھے ۔ خصوصاً سیدنا داؤد ابن قطب شاہ کو ہر طرح
سے تکلیف پہونچائی ۔ سیدنا کے چھوٹے صاحبزادے کے متعلق کسی نے اس سے چغلی کھائی ۔
شادماں بیگ نائب صوبہ دار نے طلب کر کے ایک ظالم اور طامع شخص کے سپرد کر دیا ۔ غالباً اس
کا نام منشی ابو محمد تھا ۔ اور ایک کثیر رقم (غالباً بطور زرضمانت) ان سے طلب کی ۔ مولی میاں
طیّب جی نے مولای حسن بن علی اور سلیمان بن راج اور شجاع کو منشی موصوف کے پاس اس
معاملہ پر گفتگو کرنے کے لئے بھیجا ۔ منشی مذکور نے کہا کہ شادمان بیگ نے قسم کھائی ہے کہ اس معاملہ
میں دس ہزار روپیہ سے کم نہ لے گا ۔ مگر پانچ ہزار بھی آپ لوگ اگر دینے کا وعدہ کریں تو میں سفارش
کر کے معاملہ طے کرادوں گا ۔ یہ بات سن کر تینوں حضرات متحیر ہو گئے ۔ اور کہا کہ ہم لوگ غور و فکر
کر کے جواب دیں گے ۔ منشی نے کہا کہ اگر عجلت سے کام نہ لیا تو آپ کے مرشدزادے کا رہائی

پانا مشکل ہے ۔ یہ سن کر بہت مغموم ہوئے ۔ اور واپس آ کر مولی طیّب جی کو سب ماجرا سنایا ۔
یہ سن کر شیخ الاجل میاں آدم، مولی الفاضل میاں علی محمد اور مولی میاں طیب جی چند مومنین
کو ہمراہ لے کر اس چھوٹی مسجد میں پہونچے ۔ جو شادمان بیگ کے مکان کے قریب واقع تھی ۔
وہاں دو صراف، غوسا، اور ارجن نامی رہتے تھے ۔ دونوں حاضر ہوئے ۔ اور کہا کہ شادمان
بیگ کا قول ہے کہ تمہارے شیخ کے صاحبزادے میاں طیب جی شادمان سے اس بارہ
میں استدعا کریں تو البتہ ان کے بھائی کو رہائی حاصل ہو سکتی ہے ۔ الشیخ الاجل میاں آدم
جی نے المولی میاں طیب جی سے شادمان کے پاس جانے کے لئے کہا ۔ اور مولی حسن بن
علی کو بھی ہمراہ بھیجا ۔ جب دونوں صاحب شادمان کے مکان پر پہونچے ۔ تو وہاں ان صرافوں
میں سے کوئی حاضر نہ تھا ۔ اس لئے وہاں سے منشی ابو محمد کے پاس گئے ۔ اور اس سے پھر اسی
معاملہ میں گفتگو کی ۔ اس نے کہا کہ کل صبح میں نے پانچ ہزار کی رقم لانے کو کہا تھا ۔ مگر آپ لوگوں
میں سے کوئی شخص یہاں نہ آیا ۔ خیر، اب میں آپ لوگوں کے خاطر سے ایک عریضہ شادمان کو لکھتا
ہوں لیکن مجھے امید نہیں ہے کہ رقم مطلوبہ سے کچھ کم قبول کرے ۔ کیونکہ اس نے قسم کھائی ہے کہ
ایک پیسہ کم نہ لوں گا ۔ الغرض منشی مذکور نے شادمان بیگ کو ایک عریضہ لکھا، شادمان نے اس عریضہ
کے نیچے لکھدیا کہ تم اس معاملہ میں دخل نہ دو ۔ میں اس کو ملا رجو، اور موتی کے سپرد کر چکا ہوں ۔ جب
دونوں صاحب نے یہ جواب سنا تو بے حد متعجب ہوئے ۔ منشی ابو محمد نے مولا میاں طیّب جی کو پہرہ
میں بٹھایا ۔ میاں طیّب جی نے منشی مذکور سے مولی حسن بن علی کو باہر جانے کی اجازت طلب کی ۔
جس وقت مولی حسن بن علی باہر جانے لگے، تو میاں طیّب جی نے فرمایا کہ "اے حسن تم میری رہائی
کی تدبیر کرو، کیونکہ میں تو سانپ کے منہ میں پھنسا ہوں ۔ غرض میاں طیّب جی بھی اپنے بھائی کے
پاس قید خانہ بھیجدیئے گئے ۔ جب مغرب کا وقت قریب ہوا تو شیخ الاجل میاں آدم اپنے

ہمراہیوں کے ساتھ زکریا محلہ کی مسجد میں تشریف لے گئے ۔ نماز سے فارغ ہوکر سب کے سب
خدائے برتر کی درگاہ میں طالبِ دعا ہوئے کہ اے خدائے رحیم وکریم ! ان ظالموں کے پنجے
سے دونوں کو رہائی عطا فرما۔ مولا حسن بن علی ایک جوہری کے یہاں جس کا نام ” شاہ دت “
تھا، تشریف لے گئے ۔ اور اس کو ساتھ لے کر امیر عبدالغنی کے پاس پہونچے ۔ وہ شاد مان
کے مکان کے قریب ایک باغ میں بیٹھا تھا۔ ان دونوں نے اس کو سارا ماجرا کہہ سنایا۔
اس نے کہا کہ مجھے اس سے قبل ہی کیوں اطلاع نہ دی گئی ۔ اس نے کہا کہ خیر اب جو کچھ ہونا تھا
سو ہوگیا۔ اب اٹھیئے اور دونوں برادروں کو رہائی دلائیے ۔ امیر عبدالغنی شاد مان کے مکان پر
گئے ۔ اور اس سے اس معاملہ میں گفتگو کی ۔ اس نے انکار کردیا ۔ اور قسم دی کہ تم اس معاملہ میں
بالکل دخل نہ دو۔ امیر موصوف مایوس ہو گئے ۔ اور تقریباً بارہ بجے اس کے مکان سے رخصت
ہوئے ۔ راستہ میں مولی حسن بن علی سے ملاقات ہوئی ۔ امیر موصوف نے آپ کو اپنی گاڑی
میں بٹھالیا۔ مولی ممدوح نے امیر موصوف سے التماس کیا کہ اے امیر، شاد مان نے حکم دیا
ہے کہ ان دونوں بھائیوں کو قید خانہ میں تکلیف پہونچائی جائے ۔ آپ کچھ ایسا انتظام کریں کہ
اس حکم کی تعمیل نہ ہونے پائے ۔ امیر عبدالغنی نے اسی وقت اس کا انتظام کردیا۔ اس کے بعد
مولی حسن بن علی نے دریافت کیا کہ اب آپ کہاں جائیں گے ۔ اور کونسی تجویز آپ نے سوچی ہے
امیر مذکور نے کہا کہ آپ مُلاراجو کے پاس تشریف لے جائیے ، اور ان سے کہیئے کہ تم ہماری اس
معاملہ میں امداد کرکے دونوں کو رہائی دلا دو ۔ مولا موصوف نے کہا کہ ہمارے جانے کی بہ نسبت
آپ کا جانا بہت زیادہ مفید ہوگا ۔ اور اس کا اس پر بہت زیادہ اثر پڑے گا ۔ امیر عبدالغنی نے اس کو
منظور کرلیا۔ اور مُلاراجو کے مکان کی طرف گاڑی لے جانے کا حکم دیا۔ حالانکہ گاڑی امیر ممدوح کے
کان کے قریب پہنچ چکی تھی ۔ امیر ممدوح نے مُلاراجو سے مل کر دونوں بھائیوں کی رہائی کی

سفارش کی ۔ مُلاراجو نے دونوں بھائیوں کو بلایا ۔ اور حسبِ خواہش رقم دینے کا اقرار کرایا۔
اس کے بعد مُلاراجو اور امیر مذکور دونوں شاد مان بیگ کے پاس پہونچے اور اس سے دونوں بھائیوں
کو رہا کردینے کی سفارش کی ۔ اور کہا کہ دونوں کو ایک ایک شال دے کر رہا کر دیجئے ۔ چنانچہ اس نے
دونوں بھائیوں کو طلب کیا ۔ اور ایک ایک شال دے کر رہا کردیا۔ امیر عبدالغنی دونوں کو اپنے
گھر لے آیا۔ اور عزت واحترام کے ساتھ رخصت کردیا۔ شیخ الاجل میاں آدم مع اراکین جماعت
جہاں رونق افروز تھے ۔ یہ مسرت انگیز خبر پہونچی۔ اس وقت رات کا چوتھائی حصہ باقی تھا لیکن
اسی وقت شیخ موصوف اور تمام مومنین گاڑیوں میں بیٹھ کر سیدنا کے خدمت میں حاضر ہوکر مبارکباد
دی ۔ جب سیدنا کو اس طرف سے اطمینان ہوگیا تو قدرتی طور پر خیال آیا کہ اس قسم کے مظالم کا تدارک
کرنا چاہیئے ۔ چنانچہ اسی غرض سے ایک وفد خان اعظم کے خدمت میں روانہ فرمایا۔ جس میں مندرجہ
ذیل اشخاص تھے (۱) میاں قاسم جی بن مولی پیر خاں (۲) یوسف جی بن شمس خاں (۳) میانجی
بن نظام کبڑونجی (۴) میاں نجم خاں ۔ اس دُور دراز مسافت کو طے کرکے بعافیت تمام آگرہ
پہونچے ۔ میرزا علی اکبر اور حکیم علی بن سلیمان کو لے کر خان اعظم میرزا عزیز کوکلتاش صوبہ دار گجرات
سے ملے ۔ اور ساری حقیقت اس کو سنائی ۔ میرزا موصوف اور حکیم ممدوح نے اس معاملہ میں سفارش
کی ۔ چنانچہ خان اعظم نے ایک فرمان اپنے دستخط سے شاد مان بیگ کو لکھا کہ مومنین سے جس قدر
مال بجبر حاصل کیا ہے ۔ فوراً واپس کرو ۔ پھر کچھ ہی دنوں کے بعد شاد مان بیگ معزول کردیا گیا ۔
جب احمدآباد سے اس کے روانگی کی خبر معلوم ہوئی تو سیدنا نے غائت دُوراندیشی سے ایک وفد
اکبر اعظم کے خدمت میں اس طرح روانہ فرمایا کہ شاد مان سے پہلے وہ دربار میں باریاب ہوجائے
جس میں مندرجہ ذیل اشخاص شریک تھے ۔ (۱) المولی الفاضل میاں قاسم جی (۲) یوسف
جی بن شمس (۳) محمد جی بن خان جی (۴) خانجی بن علی ۔ چنانچہ یہ سب حضرات شاد مان بیگ سے

پہلے اکبر کے دربار میں پہونچ گئے۔ اور برسر دربار شادمان بیگ کے تمام مظالم بادشاہ کے روبرو بیان کئے۔ جب شادمان بیگ پہونچا۔ تو اس کو حد درجہ رسوائی ہوئی اور سخت خفت اٹھانی پڑی[1]۔ یہ تمام حالات سنہ ۱۰۱۴ھ تک کے ہیں۔ اکبر بادشاہ کے انتقال پر جب جہانگیر تخت نشین ہوا تو کچھ دن کے لئے قلیج خان صوبہ دار ہوکر آیا۔ سنہ ۱۰۱۴ھ میں فرید خاں الملقب سید مرتضیٰ خان بخاری نے احمدآباد پہونچکر احمدآباد کے صوبہ داری کا چارج لیا۔ یہاں آتے ہی اس نے سیدنا داؤد بن قطب شاہ کی تفتیش کی۔ سید موصوف کو سیدنا سے بے حد مودت تھی۔ لاہور میں آپ کے تبحر علمی اور متقیانہ زندگی بسر کرنے سے بے حد متاثر ہوچکا تھا۔ اس لئے آپ سے ملاقات کا دل سے متمنی تھا۔ تلاش و تفحص سے اس کو پتہ لگا کہ سیدنا شادمان بیگ کے مظالم سے تنگ آکر احمدآباد سے باہر تشریف لے گئے۔ تب فرید خاں نے آپ کو پیغام ارسال کیا کہ خطرہ کا وقت نکل گیا۔ اس لئے اطمینان کے ساتھ مع اہل و عیال اپنے وطن میں تشریف لائیں۔ چونکہ فرید خان کا خلوص جانتے تھے۔ اور بارہا سابقہ پڑنے سے آپ کو یقین تھا۔ اس لئے احمدآباد واپس تشریف لائے۔ یہاں سب سے پہلے فرید خاں سے ملے۔ جس نے پُرتپاک خیر مقدم کیا۔ اور ہر طرح کا اطمینان دلایا۔ اس خبر سے عام مومنین کو بے حد مسرت ہوئی۔ عید کے علاوہ بھی فرید خان عموماً خوشی کے موقعہ پر سیدنا سے ملاقات کرنے مکان پر حاضر ہوتا تھا۔ دیگر امراء بھی سیدنا کی تعظیم و احترام کرتے تھے۔ ایک دفعہ عید کے دن فرید خان سیدنا کا منتظر تھا۔ کہ دُور سے آپ کو تشریف لاتے ہوئے دیکھا۔ بذات خود استقبال کے لئے بڑھا۔ جُھک کر دست بوسی کی اور عرض کیا کہ حضور نماز پڑھنے مسجد میں تشریف لے جائیں۔ میں اس وقت شہزادہ شہریار کے پاس

[1] ملخص از رسالہ معزیہ

جاتا ہوں۔ وہاں سے مسجد میں حاضر ہوں گا۔ رخصت لے کر فرید خاں گھوڑے پر سوار ہوگیا اور ساتھ ہی تمام امراء اور لشکر ساتھ ہوا۔ اس عرصہ میں سوائے سیدنا کے فرید خاں کسی کے طرف متوجہ نہ ہوا۔ یہ بات قاضی جان محمد کو بری معلوم ہوئی۔ دل میں حسد پیدا ہوا۔ اور غالباً کسی موقع سے فرید خاں کو اس بات پر آمادہ کیا، کہ سیدنا سے مناظرہ کیا جائے۔ گو آپ کی شان مناظرہ کرنے سے بہت ارفع تھی لیکن شائد فرید خاں کے خاطر سے اس کو قبول فرمالیا۔ جمعہ کا دن مقرر ہوا۔ اور طے ہوا کہ ارکین دولت بھی حاضر دربار رہیں۔ لیکن وقت مقررہ پر مولوی عبدالرحمٰن مناظر حاضر نہ ہوئے۔ فرید خاں کو جب اس کی واقفیت ہوئی تو اس واقعہ سے آپ کے ساتھ عقیدت میں اور اضافہ ہوگیا۔ اسی طرح ایک دفعہ شاہزادہ شہریار کے سالگرہ کی تقریب تھی۔ شاہزادہ موصوف کو سیم و زر سے تولنے کی رسم ادا کرنی تھی۔ دیگر علماء کی موجودگی میں فرید خاں نے مقصود علی کو سیدنا کی خدمت میں بھیج کر استدعا کی، کہ تشریف لاکر اس رسم کی تکمیل فرمائیں۔ یہ استدعا درجہ اجابت کو پہونچی اور سیدنا مسجد میں تشریف لائے۔ اور تخت سے کچھ فاصلہ پر جلوہ افروز ہوئے۔ شاہزادہ جیسے ہی داخل مجلس ہوا کہ فرید خاں نے بآواز بلند کہا کہ جناب شیخ داؤد کہاں ہیں۔ تشریف لاکر اس رسم کو ادا فرمائیں۔ چنانچہ آپ نے بخیر و خوبی اس رسم کو انجام دیا۔ مقصود علی کے طرف خطاب کرکے فرید خاں نے کہا کہ علم و حکمت، زہد و تقویٰ میں جناب شیخ داؤد صاحب کا احمدآباد میں کوئی ہم عصر نہیں ہے۔ علماء عصر کو جو اس دربار میں موجود تھے۔ فرید خاں کا طعنہ آمیز فقرہ قدرتی طور پر ناگوار ہوا۔ اور حسد سے جلنے لگے۔ یقیناً ایک بڑے فتنہ کا دروازہ کھولا گیا۔ جو آئندہ چلکر فساد کی صورت میں رونما ہوا۔ اور مومنین کو سخت تکلیف برداشت کرنی پڑی۔ کیونکہ فرید خاں سنہ ۱۰۱۶ھ تک یہاں حاکم رہا۔ اور اس کے بعد خان اعظم چوتھی مرتبہ گجرات کے صوبہ دار ہوئے۔ خان اعظم خود تو جہانگیر کے پاس ہی رہے۔ مگر ان کا لڑکا قلی خان نائب بن کر آیا۔ اور اس سے پہلے خان اعظم کے لڑکوں نے

مومنین کو جو تکلیف دی اور سید نا کے ساتھ جو برتاؤ کیا تھا۔ وہ میں تحریر کر آیا ہوں۔ اگرچہ فرید خاں نے بڑی دور اندیشی سے اس کا بندوبست کر دیا۔ یعنی فرید خاں کا جب یہاں سے تبادلہ لاہور کو ہوا تو اس نے وہاں سے ایک فرمان جہانگیر بادشاہ کے طرف سے بھجوا دیا۔ جس میں مومنین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید تھی۔ فرمان مندرجہ ذیل ہے۔ لیکن عہد شاہجہانی میں ولوں کا بخار کینہ کے صورت میں پھر نکلنا شروع ہوا۔

فرمان

ترجمہ

دریں وقت فرمان واجب الاطاعت والاذعان از مسکن عنائت والاحسان شرف صدور عز ورود یافت کہ بوضوح پیوست کہ چوں فضیلت مآب۔ نزاہت ایاب شریعت شعاری طریقت دثاری حقیقت آگاہی شیخ داؤد گجراتی معہ اصحاب خود از مردم فضلا و بلغا کہ بہ جمیع علوم آراستہ و بہ ہمہ ابواب پیراستہ شدہ چنانچہ دانشمند و زاہد و عابد متقی پرہیزگار اند۔ مناسب و لائق آنکہ کروریان و جاگیرداران و متصدیان مہمات حال واستقبال صوبہ گجرات احمد آباد، امیدوار بعنائت خسروانہ و نوازش بادشاہانہ بودہ بدانند کہ فضیلت مآب

اس وقت اس فرمان نے جس کی اطاعت و فرمان برداری لازم ہے احسان اور عنائت کے مقام سے صادر ہونے کا شرف حاصل کر کے واضح کیا کہ چونکہ فضیلت مآب نزاہت ایاب، شریعت کے متبع، طریقت کے جامع۔ حقیقت سے باخبر شیخ داؤد گجراتی، اپنے اصحاب فاضل و بلیغ کے ساتھ جو سب کے سب تمام علوم سے آراستہ و پیراستہ دانشمند، زاہد، عابد متقی، پرہیزگار ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ صوبہ گجرات اور احمد آباد کے زمانہ موجودہ و آئندہ کے شاہی کاموں کے تمام کارکن جاگیردار، اہل قلم، اور کارگذار، شاہی نوازش کے امیدوار ہو کر یہ بات سمجھ لیں کہ فضیلت مآب

شارہ الیہ را، و توابعان و متعلقان اورا بہیچ وجہ من الوجوہ مزاحمت نرسانند۔ بمراسم اعزاز واحترام بلا کلام نمودہ قواعد تعظیم بہ تقدیم رسانند، سند سادات۔ عظام و قضاۃ اسلام و مشائخ و کرام و علماء انام و ساکنان و متوطنان و جمہور سکنہ و عموم متوطنہ سرکار احمد آباد صوبہ گجرات، حسب الحکم جہان مطاع آفتاب شعاع، عمل نمودہ از سخن صواب کہ ہر آئینہ موافق شریعت غرا خواہد، بیروں نروند، و بہ ہیچ مذہب پرسش و مشوش احوال او نکنند، و گذارند کہ بحال بوجہ دعاگوئی دوام دولت قاہرہ اشتغال نمائند، و ہر کہ ازیں امر اختہ عدول کند بغضب بادشاہی کہ نمونہ قہر الٰہی است گرفتار خواہد شد، دریں باب قدغن لازم دانستہ تخلف نہ ورزند۔

تحریر فی التاریخ ۱۹ شہر جمادی الاول ۱۰۱۹ھ

(جن کا ذکر ابھی ہو چکا ہے) اور ان کے تابعین اور متعلقین کو کسی بھی وجہ سے مزاحمت نہ پہونچائیں اور بلا توقف تعظیم و تکریم کے آداب ان کے سامنے بجا لائیں۔ اور سادات عظام، قضات اسلام، مشائخ کرام، علماء انام، باشندگان عام سرکار احمد آباد صوبہ گجرات اس حکم کے موافق جو دنیا میں مانا ہوا ہے، اور آفتاب کی طرح روشن ہے۔ عمل کریں۔ سخن صواب سے جو عزد شریعت غرہ کے مطابق ہوگا، مخالفت نہ کریں۔ اور کسی قسم کا مذہبی سوال ان سے نہ پوچھیں۔ اور ان کے احوال کو مشتہر نہ کریں۔ بلکہ ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیں تاکہ وہ لوگ دولت قاہرہ کے قیام و دوام کے لئے ہمیشہ دعاگو رہیں۔ پس جو شخص فرمان شاہی سے عدول کریگا، وہ عتاب شاہی میں گرفتار ہوگا۔ جو نمونہ قہر الٰہی ہے، اس باب میں تاکید ضروری جان کر خلاف ورزی نہ کریں۔

مورخہ ۱۹ ماہ جمادی الاول ۱۰۱۹ھ

اس فرمان کا یہ اثر ہوا کہ قلیچ خان جو ۱۰۲۰ھ تک یہاں کا حاکم رہا۔ اس نے کسی قسم کی

تکلیف مومنین کو نہیں دی۔ اور ہر طرح امن و امان رہا۔ اس کے بعد ۱۰۲۰ھ میں عبداللہ خان بہادر فیروز جنگ صوبہ دار ہوکر احمدآباد آئے۔ اور اس کے دوسرے ہی سال سیدنا داؤد بن قطب شاہ نے وفات پائی۔ آپ ہی کے عہد میں سیدی میاں جی تاج تھے، سیدی کا روضہ امرتھہ ضلع پنچ محال میں واقع ہے۔ اور بی بی سی آئی ریلوے کے انند، گودھرہ، شاخ کا ایک اسٹیشن ہے۔ روضہ ایک تالاب کے کنارہ ہے۔ ریل سے صاف طور پر نظر آتا ہے۔ اس روضہ کا جو فوٹو درج کتاب ہے۔ اسی کے ساتھ مولائی واحد صاحب کا روضہ بھی ہے۔ یہ روضہ سورت کے بیرونی حصہ میں واقع ہے۔ ارد گرد داؤدی بوہروں کا قبرستان ہے۔ ملا واحد بھائی نہایت عابد اور متقی تھے۔ ہر خاص و عام میں ان کے تقویٰ کا چرچا ہے۔ سیدنا کے چار لڑکے تھے۔ عبدالطیب ذکی الدین، قطب الدین شہید، میاں خانجی، میاں محمد جی، جیبہ بائی امتہ اللہ بائی لڑکیاں تھیں۔ آپ کی اہلیہ کا نام شاہ بو بنت میاں خان نہروالی۔ آپ کے عہد میں (۲۹۰) ملا ر مشائخ تھے۔ آپ کے عہد میں سیدی خوج بن ملک بن محمد بن ابراہیم بن اسحاق بن ویناک تھے۔ شہر کپڑونج ضلع کھیڑا کے عامل تھے۔ عالم، فاضل، متقی تھے۔ آپ کے اجداد میں ویناک غیر مسلم تھے۔ غالباً تجارت کے لئے یمن گئے تھے۔ کہ سیدنا کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ آپ دعوت کے سچے جاں نثار تھے۔ سیدنا داؤد بن عجب شاہ اور سیدنا داؤد بن قطب شاہ آپ نے دونوں کا عہد پایا۔ اور دونوں کی خدمت کی۔ اسی لئے دونوں آپ سے بہت ہی خوش تھے۔ ستر رسائل جس کا ترجمہ کوکب فلک نام سے جو کتاب لکھی گئی ہے۔ اور مومنین میں معتبر اور مشہور ہے۔ وہ آپ ہی کی تصنیف ہے۔ سیدنا داؤد بن قطب شاہ کا مزار احمدآباد سرسپور میں واقع ہے۔ زمانہ بدنظمی میں دو شخص آپ کے مزار مقدس کی بے حرمتی کا ارادہ کرکے دروازہ بند ہونے کے سبب دیوار پر چڑھنے لگے اتفاقاً ایک شخص گر پڑا اور سر پھٹ گیا۔ اس واقعہ سے ایسی عبرت دوسروں کو ہوئی کہ پھر کبھی کسی نے

ایسی جرأت نہ کی۔ اسی طرح ایک شخص کا فرزند گم ہوگیا۔ جب تلاش کے بعد ہر طرح سے مایوس ہوگیا تو آپ کے مزار پر آکر نذر مانی۔ اسی دن باپ بیٹے کی ملاقات ہوگئی۔ سیدنا داؤد بن قطب شاہ کے عہد کا ایک دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ احمدآباد میں مُلا آدم ایک متقی بزرگ تھے جو باجماعت نماز نہیں ادا کرتے تھے، لوگوں نے سیدنا سے شکایت کی۔ آپ نے بلا کر سمجھایا، تعمیل حکم کے لئے مسجد گئے۔ جماعت کے ساتھ امام کے پیچھے کھڑے ہوئے۔ پہلی رکعت تو ادا کی لیکن دوسری رکعت میں امام کے دل میں خطرہ گذرا کہ لڑکی جس کو گہوارہ میں چھوڑ کر آیا ہوں، وہ روتی نہ ہو۔ ملا آدم فوراً جماعت سے الگ ہوکر علٰحدہ نماز ادا کی۔ سیدنا کے پاس اس کی شکایت گئی۔ سیدنا نے طلب فرماکر وجہ دریافت کی۔ جواب میں مُلا آدم نے امام کے قلبی خطرات کا ذکر کیا۔ سیدنا نے امام سے دریافت کیا۔ اس نے اقرار کیا کہ واقعی یہ خطرہ میرے دل میں پیدا ہوا تھا۔ سیدنا نے لاصلوٰۃ الا بحضور القلب کی حقیقت سے آگاہ فرمایا[1]۔ اس واقعہ کے بعد مسلسل گجرات میں امن و امان رہا۔ اور پھر مومنین کو تکلیف نہ ہوئی۔ یہاں جو کچھ واقعات پیش آئے اور مومنین کو تکلیف ہوئی میرے خیال میں اس کا سبب اور بھی ایک ہے۔ یعنی ۹۹۶ھ سے ۱۰۰۱ھ تک گجرات کا گورنر خان اعظم میرزا عزیز کوکلتاش رہا۔ یہ شخص تمام امراء اکبری میں سب سے زیادہ مزاج کا تیز تھا، یہ پکا سنی

---

[1] سیر الدعاۃ:۔ مسلمانوں میں بھی ایک شخص موسیٰ نامی احمدآباد میں تھے جو نماز نہیں پڑھتے تھے۔ آپ کو جب مجبور کیا گیا تو مسجد میں جماعت کے ساتھ امام کے پیچھے کھڑے ہوئے۔ دوسری رکعت میں امام کو خطرہ پیدا ہوا کہ گھوڑی نے بچہ دیا ہے۔ خدا جانے کس حال میں ہے۔ موسیٰ صاحب فوراً جماعت سے الگ ہوگئے۔ اور کہنے لگے کہ کسی کا دل گھوڑا گھوڑی میں، میرا دل تال کٹوری میں۔

اور خفی تھا۔ اپنے ارادہ کا بڑا پختہ تھا۔ اور اس کی تکمیل میں اکبر کی بھی پروانہ کرتا تھا۔ خود اکبر بھی اس کا شاکی تھا۔ اور اس کی نازک مزاجی سے تنگ تھا۔ بات یہ ہے کہ یہ اکبر کا رضاعی بھائی تھا۔ اور اس کی والدہ رہی ہے جس نے اکبر کو گود میں لے کر کابل کے قلعہ میں گولہ باری کے وقت اپنی جان کی بھی پرواہ نہ کی تھی اسی سبب سے اکبر ان دونوں ماں بیٹوں کو عزیز رکھتا تھا۔ اور خان صاحب اس کا ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے۔ بعض دفعہ تو اکبر گھبرا کر کہتا تھا کہ "چہ کنم کہ نہر شیر حائل است[1]" ان کی مذہبی معاملات میں سخت گیر پالیسی سے مومنین کے مخالفوں نے غیر دانشمندانہ فائدہ اٹھایا۔ ۱۰۲۱ھ میں سیدنا داؤد بن قطب شاہ نے اس دنیائے فانی سے رحلت فرمائی۔ یہ عہد جہانگیر بادشاہ کا تھا۔ ۲۴ برس تخت دعوت پر جلوہ افروز رہے۔ احمد آباد سرسپور میں مدفون ہوئے۔ ملا آدم کا مزار اسٹوریہ دروازے کے باہر تقریباً نصف میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں ایک مسجد، دیوان خانہ، حوض، قیام کے چند کمرے اور چند بزرگوں کے مزارات ہیں۔

---

[1] میں کیا کروں کہ دودھ کا دریا بیچ میں روکے ہوئے ہے۔

فصل
سلیمانیہ

ہند میں داعی مطلق کا سلسلہ جب سیدنا داؤد بن عجب شاہ تک پہونچا۔ تو آپ کے بعد اس فرقہ میں ایک اور اختلاف نمودار ہوا۔ یعنی ۲۷ ربیع الآخر ۹۹۹ھ کو جب سیدنا موصوف کا انتقال ہوا، اور آپ کے بعد نص دعوت سیدنا داؤد بن قطب شاہ پر ہوا۔ تو یمن سے اس کے برخلاف ایک آواز اٹھی یعنی یمن میں جو عامل سیدنا داؤد بن عجب شاہ کے طرف سے تھے۔ ان کا نام شیخ سلیمان بن حسن تھا۔ آپ کے انتقال کے چار سال کے بعد ۱۰۰۱ھ میں جناب شیخ سلیمان بن حسن نے یہ دعویٰ کیا کہ نص دعوت میرے حق میں کی گئی ہے۔ اور اس کے ثبوت میں داعی متوفی کا ایک خط مع مہر دعوت پیش کیا۔ پس جن لوگوں نے اس دعویٰ کو تسلیم کیا اور آپ کے مقلد ہوئے ان کو "سلیمانیہ" کہتے ہیں۔ اور غالباً ان کی بڑی سے بڑی تعداد بڑودھ میں ہے۔ اور جن لوگوں نے ان کو تسلیم نہ کیا بلکہ داؤد بن قطب شاہ کو اپنا داعی مطلق مانا وہ "داؤدیہ" کہے جاتے ہیں۔ چنانچہ اسوقت تک تمام شیعہ بوہرے داؤدیہ کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ جناب شیخ سلیمان چار برس بحیثیت عامل کے یمن میں مقیم رہے۔ ۱۰۰۵ھ میں آپ کو آپ کی جماعت نے اپنا مقتدیٰ بنایا۔ اور ہندوستان چلے آئے۔ اور تبلیغ کا کام شروع کیا۔ سرکاری دربار میں بھی رسوخ حاصل کر لیا۔ اور اس رسوخ سے اپنے حریف کو بہت پریشان کیا۔ لیکن آخر میں انھیں حکاموں سے سخت تکلیفیں اٹھائیں۔ اور دعوت میں بھی کوئی معقول کامیابی نہیں ہوئی۔ اسی سبب سے دل شکستہ ہوگئے

اور لاہور میں انتقال کیا۔ اور ان کی لاش احمد آباد لائی گئی۔ آپ کا مقبرہ اب تک موجود ہے دمرسپور احمد آباد میں، گجرات کے سلیمانی عہد جدید میں جدید تعلیم میں بہت پیش پیش ہیں۔ اور اسی تعلیم سے بہت متاثر ہوگئے ہیں۔ ان میں بیرسٹر، وکیل، جج، ڈاکٹر، انجینئر موجود ہیں۔ ان تعلیم یافتوں کا لباس زیادہ تر انگریزی وضع کا ہوتا ہے۔ ان کی عورتیں بھی جدید تعلیم سے بہرہ ور ہیں۔ اور لندن کے بعض یونیورسٹیوں کی گریجویٹ ہیں (تعلیم یافتوں کا لباس عموماً پارسیوں کا ہوتا ہے۔ پردہ نہیں کرتیں، عام مسلمانوں کے ساتھ مناکحت میں کوئی اجتناب نہیں ہے۔ بدرالدین طیب جی جج ہائیکورٹ بمبئی، عباس طیب جی جج ہائیکورٹ ریاست بڑودہ۔ ڈاکٹر المالطیفی سابق ڈائرکٹر تعلیمات حیدرآباد۔ مسٹر حیدری صاحب ہوم سکریٹری آف حیدرآباد اس فرقہ کے مشہور اشخاص ہیں۔ سیاست ہند میں بھی یہ لوگ کافی حصہ لیتے ہیں۔ بدرالدین طیب جی، عباس طیب جی، صالح عباس طیب جی آف رنگون خصوصیت سے سیاست ہند کے روشن ستارے ہیں۔ ان کا داعی وقت نجران (یمن) میں سکونت پذیر ہے۔ اور اسی جگہ ان کا اصلی مرکز ہے۔

سیدنا شیخ آدم صفی الدین داعی (۲۸)

شیخ آدم نام، صفی الدین لقب بن طیب شاہ بن مولا ملک بن مولیٰ اسماعیل سیدنا داؤد ۱۰۲۱ھ کے ابتدا میں علیل ہوئے۔ جمادی الآخر میں مرض نے شدت اختیار کی تو بہ نص جلی یہ امر آپ کو سونپا۔ آپ عہد طفولیت سے نیک بخت تھے۔ آپ کی تعلیم سیدنا یوسف بن سلیمان کے زیر نظر ہوئی۔ اور درجہ مفسوحیت سے سرفراز فرمایا۔ سیدنا جلال کی آپ نے دامے درمے ہر طرح خدمت کی۔ سیدنا داؤد بن عجب شاہ نے آپ کو حدتیہ سے

سربلند کیا۔ سیدنا داؤد بن قطب شاہ نے اپنا منصوص بنایا، سیدنا شیخ آدم صفی الدین جمادی الثانی ۱۰۲۱ھ میں دعوت عظمیٰ کے تخت پر رونق افروز ہوئے۔ سفر لاہور کے واقعات آپ اوپر پڑھ چکے ہیں۔ جس سے آپ کی ذہانت، بین طور پر نظر آتی ہے۔ آپ کی تقریر سے خان خاناں میرزا عبدالرحیم اور حکیم علی جس طرح اس قدر جلد متاثر ہوئے۔ وہ آپ کی قوت گویائی کی بین شہادت ہے، محمد بن فہد المکرمی جب یمن سے آئے۔ اور شیخ سلیمان کے دعویٰ کا اثبات مجلس عامہ میں کرنے کا ارادہ کیا تو سیدنا داؤد نے آپ کو مناظرہ کے لئے بھیجا۔ چنانچہ صبح سویرے مسجد میں تشریف لے آئے۔ اور ماجی بن علی سدھپوری کو مکرمی کے پاس بھیجا۔ کہ مسجد میں آکر مناظرہ کریں۔ تین دن حجت وحیل میں ٹالا۔ اور آخر مسجد میں آئے۔ مگر سیدنا شیخ آدم کے سامنے ہمت نہ ہوئی کہ کچھ بول سکیں۔ ظہر تک اسی قیل و قال میں گذارا۔ آخر جب سب نماز ظہر ادا کرنے لگے تو محمد مکرمی گھبر واپس گئے۔ مغرب تک انتظار کیا مگر نہ آئے۔ سدھپور کے لوگ یہ حالت دیکھ کر سیدنا کے طرفدار ہوگئے۔ اور محمد مکرمی کو مشکوک نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ آخری عمر میں آپ بصارت ظاہری سے محروم ہوگئے۔ بات یہ ہے کہ آپ نے جسقدر مصائب اٹھائے۔ کم کسی نے ایسی مشکلات کا سامنا کیا ہوگا۔ اندرونی اور بیرونی ہر دو قسم کے حملوں کا سپر آپ نے اپنی ذات کو بنایا۔ متعدد دفعہ احمد آباد سے آگرہ، دہلی، لاہور وغیرہ جانا پڑا۔ اور مختلف اوقات میں آپ نے قید و بند کے ساتھ جیل خانوں میں قیام اختیار کیا۔ ان اسباب سے آپ نحیف و ضعیف ہوگئے تھے اور بصارت جاتی رہی۔ آپ نے دس برس اس عظیم کا بار اٹھایا۔ ۷ رجب ۱۰۳۰ھ میں انتقال فرمایا۔ حسب وصیت سیدنا داؤد بن قطب شاہ اپنا منصوص عبدالطیب بن سیدنا داؤد بن قطب شاہ کو بنایا۔ آپ کا مزار بی بی پور احمد آباد میں ہے، آپ کا بھی ہمعصر بادشاہ جہانگیر ہی

تھا۔ آپ کے عہد میں مندرجہ ذیل ناظم گجرات آئے۔ عبداللہ خان فیروز جنگ ۱۰۲۰ھ ۱۰۲۵ھ مقرب خان جس کا نام شیخ حسن عرف حسو تھا ۱۰۲۵ھ ۱۰۲۶ھ شاہزادہ خرم (شاہجہاں) ۱۰۲۶ھ ۱۰۳۲ھ تک رہے۔ شاہجہاں خود احمدآباد میں کم تر رہا البتہ اس کے نائب رستم خان، بکرماجیت اور اس کا بھائی نائب کے حیثیت سے کام کرتے رہے۔ مگر مومنین کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہونچی۔

داعی (۲۹) سیدنا عبدالطیبؒ زکی الدین اول ابن سیدنا داؤد بن قطب شاہ علیہ

عبدالطیب نام، زکی الدین لقب بن داؤد بن قطب شاہ ۱۰۳۰ھ میں مسند امر دعوت پر رونق افروز ہوئے۔ آپ کے عہد کا مشہور واقعہ یہ ہے کہ سیدنا شیخ آدم صفی الدین کے پوتے "ملا علی بن ابراہیم" نے آپ کے برخلاف صدا بلند کی۔ اور جب اپنی قوم میں صدالصحرا ثابت ہوئی تو سیدنا کے خدمت میں آکر توبہ کی۔ پورے تین سال کے ۲ کے بعد پھر عہد شکنی کی۔ اور دعویٰ کیا کہ سیدنا آدم نے مجھے اپنا منصوص بنایا ہے۔ طیب بن سیدنا شیخ آدم صفی الدین۔ پیرجی بن ہمام، حسن خان بن علی خاں نے ان کی تائید کی، جب ان لوگوں کی پشت پناہی ملی تو اغیار کے توسط سے حکام تک پہونچا۔ اور دربار جہانگیر میں فریاد رسی کی درخواست کی گئی۔ کہ ہم کو سیدنا نے جماعت سے باہر کر دیا ہے۔ اس لئے آپ ہماری امداد کریں۔ جہانگیر نے اپنے درباریوں کے مشورہ سے ان کو پایہ تخت میں طلب کیا۔ اور سیف خاں گورنر احمدآباد کو فرمان بھیجا کہ عزت کے ساتھ لاہور روانہ کر دو اور ہر قسم کا آرام اور حفاظت کا خیال رکھو۔ چنانچہ آپ لاہور تشریف لے گئے۔ کچھ دن وہاں مقیم رہے۔ آپکے عادات و اخلاق

کا بالمشافہ معائنہ کیا۔ اعتراضوں کے جوابات سنے۔ آخر امر حق اس پر ظاہر ہوگیا۔ سیدنا کو اپنے تخت کے پاس عزت سے بٹھایا اور ملا علی کو دوبارہ قوم میں داخل کرنے کی سفارش کی۔ آپ نے معاف کر کے پھر داخل کر لیا۔ پھر آپ کی بڑی عزت افزائی فرمائی۔ اور بڑی خوشی سے واپسی کی اجازت عطا کی۔ لیکن احمدآباد آکر کچھ دنوں کے بعد سیدنا کی پھر مخالفت شروع کر دی اور آپ چونکہ ملا علی صاحب نے باوجود شاہی فیصلہ کے آپ کو نہیں مانا۔ اس لئے جماعت سے الگ کر دئیے گئے۔ اور انھوں نے بھی اپنا گروہ الگ بنایا۔ جو لوگ آپ کے پیرو کار ہوئے، ان کو "علیہ" کہتے ہیں۔ ان کی تعداد بڑودہ میں سب سے زیادہ ہے۔ یہ واقعہ ۱۰۳۴ھ کا ہے۔ سیدنا عبدالطیب آپ کی وفات ۸ ربیع الاول ۱۰۴۱ھ میں ہوئی۔ احمدآباد سرسپور میں آپ کا مزار ہے۔ آپ کا ہم عصر جہانگیر بادشاہ تھا۔ اور آخری چند برس تک شاہجہاں کا بھی عہد پایا۔ گجرات کے ناظموں میں سے شاہ جہاں اور شاہزادہ داور بخش اور خان جہان لودی ممتاز اشخاص تھے۔ خان موصوف کے چلے جانے پر اس کا نائب سیف خان ۱۰۳۶ھ تک احمدآباد میں رہا۔ شاہجہاں کے تخت نشین ہونے پر شیر خان تونور ۱۰۴۰ھ اور اسلام خان ۱۰۴۲ھ تک ناظم صوبہ گجرات ہو کر احمدآباد میں حکومت کرتے رہے۔

داعی (۳۰) سیدنا علی شمس الدین بن سیدی حسن یمنی بن مولائی ادریس بن داعی حسین بن داعی ادریس بن داعی حسن

آپ سابق دعاۃ یمن کے نسل سے ہیں۔ صرف ایک سال آپ اس عہدہ جلیلہ پر فائز رہے۔ ۲۵ ربیع الاول ۱۰۴۲ھ میں وفات پائی۔ اور یمن ہی میں آپ کا مزار ہے۔ آپ کی ولادت اور وفات دونوں یمن ہی میں ہوئی۔ آپ یمنی دعاۃ کے لحاظ سے ۲۴ نمبر پر ہیں۔ اور عام

دعاۃ کے حساب سے ۳۰ ویں ہیں۔ شیخ سلیمان کے قیام یمن کے وقت آپ کے والد نے دعوت کو ہر طرح سے فتنہ سے محفوظ رکھا۔ آپ خاندان ولید کے آخری داعی ہیں۔

داعی (۳۱) سیدنا قاسم زین الدین ابن پیر خاں.... بن حسن پیر بن ملا علی [1]

قاسم نام زین الدین لقب سیدی حسن پیر کی اولاد سے ہیں۔ جو عہد مظفر اول میں ہند کے والی تھے۔ ۱۰۴۲ھ میں سیدنا علی کے بعد آپ بحیثیت منصوص کے اس عہدہ جلیلہ پر فائز ہوئے آپ کا آخری زمانہ بڑا پُرآشوب تھا۔ نماز باجماعت کا آپ کو بڑا خیال رہتا، ترکِ جماعت پر سخت وعید کرتے۔ سیدنا شیخ آدم، دعبدالطیب زکی الدین، دعلی شمس الدین کے عہد میں خدمات جلیلہ انجام دیئے۔ علی بن ابراہیم کی عہد شکنی کے وقت آپ نے قوم میں تحریر، تقریر اور علمی قابلیت سے اس ہیجان کو جو اسوقت پیدا ہوگیا تھا روکا۔ سیدنا علی کے عہد میں ہند کے والی رہے وفات سے پہلے آپ نے سیدنا قطب خاں کو بلا کر سینہ سے لگایا۔ اور حلقوں پر بوسہ دے کر کہا کہ تم شہید ہوگے۔ اور آج سے میرے منصوص ہو۔ بارہ برس تک اس عہدہ پر رہ کر امر دعوت انجام فرماتے

---

[1] موسم بہار و دیگر کتب میں اس طرح لکھا ہے۔ یعنی سیدنا قاسم زین الدین بن پیر خان بن حسن پیر بن ملا علی۔ سیدی حسن پیر جیسا کہ اوپر تحریر ہوا۔ ان کا زمانہ ۸۰۰ھ اور سیدنا قاسم کی وفات ۱۰۵۲ھ ہے یہ بات تو کسی طرح عقل میں نہیں آتی ہے۔ کہ صرف دو پشت (سیدنا قاسم اور پیر خان) ۲½ سو (اڑھائی سو) برس کی منزلیں طے کی ہوں۔ اس لئے قیاس چاہتا ہے کہ چند پشتیں درمیان سے محو ہوگئی ہیں۔

رہے۔ ۱۰۴۲ھ میں اسلام خان کا آخری عہد تھا اور باقر خان نجم ثانی چند ماہ بحیثیت ناظم گجرات رہے۔ ۹ شوال ۱۰۵۲ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ سیدنا قطب الدین شہید کے روضہ میں آپ کا مزار سرسپود بمقام احمدآباد موجود ہے[1]۔ آپ کا ہمعصر بادشاہ شاہجہاں ہے آپ کا لقب عوام میں مشہور "استاد" ہے۔ غالباً سیدنا و مولانا قطب الدین بن سیدنا داؤد بن قطب شاہ کو تعلیم دینے کے باعث آپ کا یہ لقب مشہور ہوا۔ ۹ شوال کو مومنین بڑے دھوم سے آپ کا عرس کرتے ہیں۔ فاتحہ خوانی کے بعد ضیافت ہوتی ہے۔ احمدآباد میں باقر خاں کے بعد سپہ دار خاں ۱۰۴۳ھ (۱۰۴۵) سیف خان ۱۰۴۵ھ اعظم خاں ۱۰۴۶ھ سے ۱۰۵۲ھ۔ میرزا عیسیٰ خاں ترخان ۱۰۵۲ھ سے ۱۰۵۴ھ تک ناظم رہے۔

---

[1] احمدآباد میں سرسپود بھی ان مقامات میں سے ہے۔ جہاں دعاۃ، شہدا اور صلحا کے مزارات بہ کثرت ہیں۔ مندرجہ ذیل دعاۃ یہاں مدفون ہیں:۔

(۱) سیدنا جلال شمس الدین متوفی ۱۴ ربیع الاول ۹۷۵ھ (۲) سیدنا داؤد جی برہان الدین ابن عجب شاہ ۲۷ ربیع الآخر ۹۹۹ھ (۳) سیدنا داؤد جی برہان الدین بن قطب شاہ ۱۵ جمادی الآخر ۱۰۲۱ھ (۴) سیدنا شیخ آدم صفی الدین ۷ رجب ۱۰۳۰ھ (۵) سیدنا عبدالطیب زکی الدین ۲ ربیع الاول ۱۰۴۱ھ (۶) سیدنا قاسم جی زین الدین ۹ شوال ۱۰۵۲ھ (۷) سیدنا قطب خاں قطب الدین ۲۷ جمادی الآخر ۱۰۵۶ھ (۸) سیدنا پیر خان شجاع الدین ۹ ذوالقعدہ ۱۰۶۵ھ (۹) سیدنا عبدالحسین ۲۷ ذوالحجہ ۱۳۰۸ھ اور مندرجہ ذیل صلحا اور اولیاء کے مزارات بھی اسی جگہ ہیں:۔

(۱) سیدی امین جی بن جلال (۲) مولائی حسن بن مولائی آدم (۳) مولائی علی محمد ابن فیروز شاہ بن عجب شاہ (۴) مولائی قطب شاہ بن خوج بن علی (۵) مولائی راج بن داؤد (۶) مولائی جعفر بن مولائی راج صاحب

داعی (۳۲) سیدنا قطب خان قطب الدین شہید ابن سیدنا داؤد بن قطب شاہ

جناب داعی سابق نے وفات کے وقت نص دعوت آپ کے نسبت فرمایا۔ چنانچہ ۱۰۵۴ھ میں اس مسند عالی پر رونق افروز ہوئے ۔ یہ عہد شاہجہان کا تھا ۔ اور شاہزادہ اورنگ زیب گجرات کا گورنر تھا۔ فرید خاں نے جو عناد کا بیج بویا تھا۔ اس نے اس عہد میں پھل لانا شروع کیا۔ چنانچہ آپکی نسبت دشمنوں نے مختلف قسم کی افواہیں اڑوائیں ۔ اور حکام وقت تک ان کی شکایتیں پہونچائیں۔

---

(۷) مولائی تھون بن جعفر (۸) مولائی راج بن موڈی حسن (۹) مولائی حسن بن سیدنا جلال شمس الدین (۱۰) مولائی عبداللہ بن واحد صاحب (۱۱) میاں شیخا ماموجی بن عیسٰی (۱۲) مولائی قاسم بن حسن ۔ اس کے علاوہ تقریباً (۱۵۰) شہدا کا ایک گنج شہیداں بھی ہے ۔ ان مزارات کے پاس ایک وسیع مسجد ایک مسافر خانہ ہے ۔ جس میں ۸۵ کمرے ہیں ۔ ایک باؤلی بھی ساتھ ہی ہے ۔ ان تمام مزارات کے انتظام کے لئے قطبی کمپنی قائم کی گئی ہے ۔ جو زائرین کو ایک وقت کھانا دیتی ہے۔ یہاں پر چند دوکانیں بھی ہیں ۔ جہاں سے ضروری اشیاء دستیاب ہو جاتی ہیں ۔ ان دعاۃ کے اعراس کا مومنین نے یہ انتظام کیا ہے ۔ کہ ہر داعی کا عرس ایک ایک پیشہ والوں کے سپرد کر دیا ہے ۔ مثلاً سیدنا قاسم زین الدین قس کا گاندھی والے (عطار) کرتے ہیں ۔ اسی طرح کسی کا کپڑے والے تجار ۔ کسی کا لوہے والے تجار ۔ اس طور سے سب کا عرس بغیر عام چندہ کئے ہوئے اور نہایت خوبی سے اختتام پا جاتا ہے ۔

اس وقت قاضی لشکر مولوی عبدالقوی گجراتی تھے (یہ وہی عبدالقوی ہیں جنہوں نے دہلی میں حضرت سرمد کو قتل کیا) چنانچہ شاہ بیگ کوتوال کے ذریعہ سیدنا کو طلب کیا گیا، کوتوال کو یہ بات سخت ناگوار گزری ۔ اس لئے اس نے اسوقت اسکی تعمیل نہ کی ۔ صبح کو پھر حکم ملا ۔ ناچار سیدنا کے مکان پر آیا ۔ سیدنا اس وقت شیوخ کو درس دے رہے تھے ۔ جاسوس نے یہ خبر پہونچائی ۔ آپ نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ فرمایا ۔ شائقین کو رخصت فرمایا اور توکل علی اللہ کوتوال کے منتظر رہے ۔ مگر ساتھ ہی اپنے روزانہ مشاغل کو قائم و جاری رکھا ۔ چنانچہ جس وقت کوتوال مکان پر پہونچا تو آپ تلاوت قرآن میں مشغول تھے ۔ کوتوال نے آپ کو سلام کیا اور عرض کیا کہ شاہزادہ بلاتا ہے ۔ آپ کو گاڑی پر سوار کر کے لے چلے ۔ تو مخالفوں نے کتب خانہ بھی ساتھ لے جانے کی ترغیب دی ۔ چنانچہ سیدنا زکی الدین کے نشست گاہ سے چھ گاڑیاں کتابیں ساتھ لیں ۔ جب گاڑی روانہ ہوئی تو راستہ میں جناب شجاع الدین صاحب کا مکان ملا ۔ سیدنا نے آواز دی کہ بھائی . . . شجاع الدین میں تو جاتا ہوں ۔ یہ آواز سن کر ننگے پیر دوڑتے ہوئے گھر سے نکل پڑے ۔ اور ملاقات کر کے ساتھ ہی گاڑی میں بیٹھ گئے ۔ گاڑی کو چار سوار محافظ ساتھ لئے جاتے تھے ۔ اور مخالفین چاروں طرف بہ تعداد کثیر احاطہ کئے ہوئے تھے ۔ کوتوال نے اپنے مکان پر لے جا کر عزت سے بٹھایا ۔ قاضی عبدالقوی مع دیگر علماء کے آئے ۔ اور ان کتابوں کو ظہر سے مغرب تک ان مولویوں نے چھان مارا ۔ مگر کوئی بات گرفت کی نہ ملی ۔ سیدنا نے نماز عشاء اسی جگہ ادا کی ۔ اس گرفتاری سے سارے شہر میں ہل چل تھی ۔ تین دن تک مومنین اور مومنات اور بچوں نے کھانا نہ کھایا ۔ آپ کی لڑکی مسماۃ "عجب بو" کا عجب حال تھا ۔ مثل بی بی صغراؓ بے ہوش تھیں ۔ جب آپکو شہزادہ کے سامنے پیش کیا گیا حکم کیا کہ آج حبس ہی میں رکھو[1] ۔ لوگوں میں سخت بیقراری بڑھ گئی ۔

---

[1] افسوس ہے کہ داؤدی مورخوں نے واقعہ کو تو بڑی رنگ آمیزی سے بیان کیا ہے مگر اصلی اسباب گرفتاری کچھ

سیدنا نے سب کو سیدالشہداء کی تمثیل دے کر صبر کی تلقین کی۔ لوگ روتے ہوئے واپس گئے سوائے جلال پور والوں کے شب بھر رہے۔ سویرے لوگ پھر پہونچے۔ کوتوال بھی آیا اور دربار جاکر سیدنا کی نسبت دریافت کیا۔ شاہزادہ خاموش رہا۔ تو پھر سوال کیا۔ اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ تو پھر سوال کیا، حکم ہوا کہ مولوی عبدالقوی کے پاس لے جاؤ۔ اور ان کے حکم کے مطابق عمل کرو۔ قاضی عبدالقوی نے حکم دیا کہ جیل خانہ میں لے جاؤ۔ چنانچہ جیل خانہ میں آپ کو لے گئے۔ یہ واقعہ ۲۹ رجمادی الاول قبل ظہر کا ہے۔ ۲۰ دن تک آپ جیل میں رہے۔ اور اس درمیان قاضی صاحب ان کتابوں کا مطالعہ کرتے رہے۔ مگر کوئی بات ایسی نہیں ملی جو قابل مواخذہ ہو۔ مومنین سخت بیتاب تھے۔ مگر کوئی نتیجہ نہ نکلتا تھا۔

آخر ۱۲ رجمادی الآخر کو حکم دیا گیا کہ دربار میں آکر اپنا مذہب صحیح طور پر بتاؤ۔ قاضی صاحب دربار میں خود سوال کرتے جاتے تھے اور شہزادہ سنتا جاتا تھا۔ آخر سیدنا نے فرمایا کہ کلمہ پڑھتا ہوں۔ پنجگانہ نماز ادا کرتا ہوں۔ رمضان کے تیس روزے رکھتا ہوں۔ زکوٰۃ ادا کرتا ہوں حج کو مکہ جاتا ہوں۔ قرآن کو کلام الٰہی مانتا ہوں۔ قاضی صاحب نے کہا کہ "بڈھے ہوکر

نہیں لکھا، حالانکہ اس کی ضرورت تھی۔ ملا قوی نے آگے چل کر جو الزامات لگائے ہیں وہ تو اس عہد میں کوئی جرم نہ تھا۔ کیونکہ عہد عالمگیر میں شاید ہی کوئی محکمہ ہو جس میں کوئی رافضی (شیعہ) نہ ہو۔ خود گجرات کا صوبہ دار امین خان دانع الجند متعصب شیعہ تھا۔ اور اس کے مرنے پر عالمگیر نے بڑی دلسوزی سے اظہار غم کیا ہے۔ نعمت خاں عالی ایک متعصب شیعہ تھا اور عالمگیر کا مخالف، اور اس کے اشعار اس پر شاہد ہیں۔ بایں ہمہ وہ عالمگیر کے مطبخ کا داروغہ تھا پس معلوم ہوا کہ عالمگیر کو نفس شیعوں سے کوئی عداوت نہیں تھی۔ بلکہ ملا عبدالقوی کو یا تو خود کوئی عداوت تھی۔ یا رشوت کی طمع سے کیا۔ یا سلیمانیوں نے کچھ دیا ہوگا۔ اور میرے خیال میں اغلب یہی ہے۔

جھوٹ بولتے ہو" سب لوگ گواہ ہیں کہ تم رافضی ہو۔ تمہارا خون حلال ہے۔ اور تمہارا وجود باعث فساد۔ تب سیدنا نے ایک فصیح تقریر فرمائی، جس میں اس بات کو بتلایا کہ موت ہر شخص پر طاری ہونے والی ہے۔ اور اس سے مومنین کبھی خوف نہیں کھاتے۔ اور میں قطعاً بے گناہ ہوں۔ اور بے گناہ کی موت کسی طرح سزاوار نہیں ہے۔ اور ایک مومن کا خون بہانا کسی طرح درست نہیں ہے۔ اس تقریر کا سارے دربار پر اثر ہوا۔ خود شہزادہ بھی متاثر تھا۔ چنانچہ شاہزادے نے کہا کہ ابھی تک تو کوئی بات ایسی نہیں پائی گئی جو قابل قتل ہو[1]۔ چنانچہ حکم دیا گیا کہ آج لے جاؤ اور جب شاہزادہ طلب کرے تو پھر حاضر کرو۔ قاضی صاحب رات بھر اس فکر میں غلطاں رہے۔ کہ کس طرح انتقام لیا جائے۔ آخر صبح کو ایک محضر تیار کیا کہ یہ شخص رافضی ہے۔ تمام علماء سے دستخط کرائے۔ لیکن قاضی شہر نے باوجود تخویف کے انکار کردیا۔ تب سیدنا کے لڑکے کو بلاکر سمجھایا کہ جو کچھ میں کہوں تم کہنا کہ ہاں سب صحیح ہے۔ ایسا کرنے سے تمہارے سیدنا کو چھوڑ دیا جائے گا۔ چنانچہ قاضی صاحب کے سامنے لڑکوں سے بیان لینا شروع کیا۔ کہ یہ رافضی ہے۔ بجائے خدا کے علی کو مانتا ہے خلفائے راشدین ان کے نزدیک پاجی تھے۔ حکم اسلام پر سیدنا کا حکم بالا ہے۔ داؤدیہ بوہروں کے سوا تمام مسلمان خارجی ہیں۔ سیدنا کو سجدہ کرنا بجائے نماز کے ہے۔ سیدنا کے مکان پر آکر

---

[1] اس سے بھی میرے نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ نفس عالمگیر کو خود بوہروں سے کوئی کاوش نہ تھی۔ ورنہ اس صاف دلی سے ان کے بے گناہی کا اقرار نہ کرتا۔ اسی سے ناظرین عالمگیر کے دلی جذبات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ عالمگیر کو خود کوئی کاوش نہ تھی اور بذاتہٖ کوئی حصہ لینا نہ چاہتا تھا۔ مگر جس طرح آجکل کے حکام اپنی عداوت کا اظہار اس طرح کرتے ہیں کہ حکام کو نقص امن کا یقین دلاکر اپنے دشمن کو جیل میں بھجوادیتے ہیں۔ غالباً ٹھیک اسی طرح مُلا عبدالقوی نے کیا۔

جو روپیہ ادا کرے وہ حاجی ہے۔ عام مسلمانوں سے پہلے عید کرتے ہیں، جو شخص علیؑ کو حضرت محمد صلعم کی طرح نہ مانے اس کو قتل کرنے والا غازی ہے۔ سیدنا کا مطیع ناجی، باقی سب ناری ہیں۔ یہ سُن کر بچہ نے کہا کہ یہ سب درست ہے۔ تب قاضی نے بخوف مجبور ہو کر دستخط کر دیئے حالانکہ بچہ کو سکھلا کر لائے تھے۔ یہ واقعہ ۲۷ رجمادی الآخر کا ہے۔ اس کے بعد دربار برخاست ہوا۔ لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ اور سیدنا کو جیل خانہ لے گئے[۱] نصف شب کو سیدنا نے سیدی و مولائی شجاع الدین کو کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلعم مجھے بلاتے ہیں۔ اور شربت پلاتے ہیں۔ پوچھا کیا تعبیر ہے؟ فرمایا شہادت، اور میرے بعد تم منصوص ہو۔ یہ سُن کر سیدی شجاع الدین بہت روئے۔ صبح کو قاضی عبدالقوی نے قتل کا حکم دیا[۲] شاہ بیگ کوتوال سنانے میں آگیا۔ مگر مجبوراً جیل خانہ میں گیا۔ اور غمگین آواز سے "یا شیخ" کہہ کر پکارا، اور قتل کا پیغام سنایا۔ چلتے وقت شیخ محمد اور نجم خاں ابن چاندجی کے سامنے سیدی شجاع الدین کو منصوص کیا۔ اور اپنے سر سے عمامہ اتار کر ان کے سر پر رکھا۔ پھر مقتل تک گئے۔ وہاں آپ نے دو رکعت نماز ادا کی، اور بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھا۔ پھر سجدہ میں جا کر" انی وجھت الایہ" پڑھی۔ سر اٹھایا کہ جلاد نے بموجب حکم سرِ تنِ مبارک سے الگ کر دیا (استرجع) دوپہر سے عشا تک

---

[۱] مشہور ہے کہ احمدآباد میں تین دروازے باہر الف خاں کی مسجد کے متصل کارنجہ کا جو مکان اسوقت ایک پارسی کے قبضہ میں ہے۔ اس کے نیچے ایک سرداب (تہ خانہ) ہے۔ اسی میں سیدنا کو قید کیا تھا

[۲] معلوم ہوتا ہے کہ ملا قوی نے عالمگیر کو یقین دلایا کہ اگر سیدنا کو رہا کر دیا گیا تو بلوہ عظیم ہو جائے گا۔ ٹھیک اسی طرح جیسا کہ آج کل حکام کو یقین دلا دیا گیا ہے کہ گاندھی جی کو رہا کرنے سے ملک میں بد امنی پیدا ہوگی۔

لاش ریت پر پڑی رہی۔ اور نصف شب کو بحکم حاکم خانپور کے باہر ندی کے کنارے دفن کی گئی۔ اور سپاہیوں کا پہرہ لگا دیا گیا کہ اس طرف کوئی آنے نہ پائے۔ مومنین پر آزمائش کا وقت تھا۔ لوگ بیتاب تھے۔ تیسرا دن تھا کہ محمدجی بن امین جی روتے روتے سو گئے۔ خواب میں دیکھا کہ سیدنا فرماتے ہیں کہ فوراً مدد گار لے کر جاؤ اور میری نعش نکال کر سرسپور (بی بی پور) میں رکھو۔ جب بیدار ہوئے تو چند رفقاء کو لے کر اس مقام پر پہنچے۔ دو سبزپوش عرب موجود تھے۔ یہ کوئی عہدہ دار سپاہی سمجھ کر گھبرائے۔ پر انہوں نے تسلی دی۔ ساتھ مل کر قبر سے نعش نکالی۔ اور کلمۂ دعائیہ پڑھتے ہوئے سب چلے۔ راستہ میں دو عرب سوار اور ملے جو ساتھ ہو گئے۔ اس وقت دروازے سب بند تھے۔ مجبوراً "نالہ" سے ہو کر شہر کے باہر باہر آئے اور سرسپور میں دفن کیا، عرب سوار بھی واپس چلے گئے۔ یہ واقعہ پنجشنبہ ۲۷ رجمادی الآخر ۱۰۵۶ھ کا ہے۔

ایک برس آٹھ ماہ اٹھارہ دن آپ نے ہدایت مومنین کی۔ لوگ دونوں جگہ سید الشہداء کی طرح (کربلا و قاہرہ) زیارت کرتے ہیں۔ یعنی دریا کنارے اور سرسپور۔ آج سرسپور میں آپ کا مزار مشہور اور مرجع مومنین ہے۔ ایک عالیشان گنبد اس پر بنایا گیا ہے۔ سالانہ عرس ہوتا ہے اور اکثر سیدنا کے عرس پر داعی وقت تشریف لاتے ہیں۔ اس قبر پر سنگ مرمر کی بڑی خوشنما چھتری ہے۔ مومنین فاتحہ خوانی کے لئے عموماً آیا کرتے ہیں۔ سیدنا قطب الدین کے پاس ایک بڑا اعلیٰ درجہ کا کتب خانہ تھا جس میں دینیات کے علاوہ منطق فلسفہ، و دیگر علوم کی کتابیں تھیں۔ جو اس ہنگامہ میں ضائع گئیں[۱] آج اس قبر کے ساتھ مسافر خانہ بھی بنا ہوا ہے اور متصل چند خوشنما بنگلے مع باغیچہ کے موجود ہیں۔ سیدنا وقت کبھی یہاں آتے ہیں تو

---

[۱] ملخص از موسم بہار جلد سوم مطبوعہ صفدری بمبئی فصل ۵۹ صفحہ ۲۸۱

کبھی اسی جگہ قیام فرماتے ہیں۔ شہر سے باہر کھلی ہوائیں بڑی فرحت کی جگہ ہے۔ ۱۳۵۰ھ میں جب راقم الحروف پہونچا تو اس کی تصدیق آنکھوں نے کی۔

داعی (۳۳) سیدنا پیرخان شجاع الدین ابن احمد

پیرخان نام شجاع الدین لقب ابن احمد۔ اسی سال یعنی ۱۰۵۶ھ میں آپ اس مسند عالی پر جلوہ افروز ہوئے۔ ملک کی بدقسمتی سے آپ کے ساتھ بھی تکلیف دہ واقعات پیش آئے یعنی ملا عبدالقوی نے یہ سمجھا تھا کہ سیدنا قطب الدین کی شہادت سے اس فرقہ کا خاتمہ ہو جائے گا۔ لیکن بدقسمتی سے ان کا خیال غلط ثابت ہوا۔ اور مومنین کے داعی بحیثیت نائب امام سیدنا شجاع الدین امر دعوت کو انجام دینے لگے۔ اس لئے دشمنوں نے پھر قاضی عبدالقوی کو برانگیختہ کیا۔ اور اس سبب سے فوراً سیدنا گرفتار کرلئے گئے۔ غالباً اس گرفتاری سے مومنین کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ اور تنگ آمد، بجنگ آمد کے اصول پر مدافعت کی کوشش کی ہوگی۔ قاضی موصوف تو خدا سے دعا مانگ رہے تھے کہ کسی طرح امن پسند مومنین کی امن پسندی میں فرق آئے۔ چنانچہ مومنین کے تھوڑے مدافعانہ ہل جل سے فوراً سرکاری حکم دلوا دیا کہ جو رافضی ملے اس کو قتل کردو۔ سب لوگ مکانوں میں قفل لگا کر تہ خانوں میں چھپ گئے۔ البتہ جن جن لوگوں نے اپنے مذہب سے بیزاری ظاہر کی وہ محفوظ رہے۔ چنانچہ سلیمانیہ اور علیہ قسمیں کھا کھا کر پار اتر گئے۔ یہ دیکھ کر مومنین نے بھی تقیہ کا ارادہ کیا۔ اور قاسم امی (غالباً محلہ کا پٹیل ہوگا) کے گھر پر ان امور کا فیصلہ ہونا قرار پایا۔ قاسم نے کہا کہ تمہاری باتوں کا اس وقت بھروسہ کروںگا کہ مندرجہ ذیل شرائط کے پابند ہو۔ (۱) تمہاری عورتیں ہاتھی دانت کی چوڑیاں پہنیں۔ (۲) تم حقہ پیو (۳) نا س کا بھی استعمال کرو (۴) داڑھی کو کترواؤ۔ بھلا ان باتوں کو مومنین

کیونکر قبول کر سکتے تھے۔ مساجد مومنین میں بھی حنفی پیش اماموں کا تقرر ہوگیا۔ اور جو نماز میں نہ حاضر ہو اس کو سات دُرّے مارتے۔ جب ان حالات کی اطلاع شاہجہاں بادشاہ کو ہوئی۔ تو شاہزادہ کا تبادلہ صوبہ گجرات سے کردیا۔ اور شائستہ خان (۱۰۵۶ھ تا ۱۰۵۸ھ) کو گجرات کی نظامت عطا ہوئی جس سے مومنین نے سارا حال کہہ کر اپنے مصائب بتلائے۔ ناظم مذکور نے فوراً امن کی منادی کرادی۔ گو گجرات میں مومنین کو امن ہوگیا۔ مگر مصیبت یہ تھی کہ قاضی عبدالقوی کے اغوا سے سیدنا کو جو قید کردیا ان کو شہزادہ ساتھ لیتا گیا۔ سیدنا کے ہمراہ شیخ محمد اور نجم خاں بھی تھے۔ چلتے وقت مومنین نے جب سیدنا کو مثل قیدی کے دیکھا تو بے حد گھبرائے۔ مگر سیدنا نے سب کو صبر کی تلقین کی اور سیدی بدرالدین اسمٰعیل جامنگری کو منصوص کیا۔ شاہزادہ پہلے اورنگ آباد گیا۔ وہاں پہونچکر دشمنوں نے سیدنا کا خاتمہ کردینا چاہا۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ پھر وہاں سے جہان آباد گیا۔ (غالباً اس سے مراد شاہجہان آباد دہلی ہے[1])
چونکہ شاہجہاں لاہور چلا گیا تھا۔ یہ سب لوگ لاہور پہونچے۔ وہاں اصطبل کے ایک جھونپڑے

---

[1] موسم بہار صفحہ ۶۶۸ جلد سوم میں ہے کہ اکبرآباد (آگرہ) لے گیا۔ اور جمنا ندی کے کنارے خیمہ میں مع لشکر مقیم ہوا۔ مٹی ملی ہوئی روٹی کھانے کو ملتی۔ پیروں میں بیڑیاں، فاقوں سے بے حال، مولانا شجاع الدین کو بخار کی شدت، گرمی کی حدت، یہ مصائب دیکھ کر دونوں رفیق مُصر ہوئے کہ آپ اس ظلم کا بدلہ کیوں رحم سے دے رہے ہیں۔ حالانکہ آپ نائب امام ہیں۔ اس سے آپ پر رقت طاری ہوئی۔ اور دونوں رفیق سے ایک ایک مٹھی خاک منگوائی اور کچھ پڑھ کر حکم دیا کہ لشکر کے چپ و راست ڈال کر فوراً خیمہ میں گھس جاؤ۔ ایسا ہی کیا۔ اس شب کو خوب ہوا چلی اور آگ لگ گئی۔ تمام خیمے جل گئے، لیکن سیدنا کا خیمہ سلامت رہا۔ عالمگیر یہ دیکھ کر اندر آیا اور بڑی معذرت کی اور سیدنا قطب الدین کو دشمنوں کے کہنے سے قتل کرنے پر ندامت کا اظہار کیا۔ اور

میں قیام کرنے کا حکم دیا گیا۔ سیدنا قائم اللیل اور صائم الدھر رہتے اور تلاوت کلام مجید میں اکثر اوقات مشغول رہتے۔ کچھ دنوں کے بعد اتفاقاً اس اصطبل میں آگ لگ گئی۔ اور سارا اصطبل جل کر خاک ہوگیا۔ شاہزادہ نے سمجھا کہ گجرات کے لوگ بھی جل گئے ہوں گے۔ لیکن خلاف توقع اس نے دیکھا کہ حجرہ سلامت ہے، اندر داخل ہوا۔ سیدنا تلاوت قرآن میں مشغول تھے۔ شاہزادہ کو دیکھ کر تعظیم کی۔ اور سلام کیا۔ شاہزادہ نے بے ساختہ کہا کہ "شیخ تم ولی اللہ ہو" فوراً خلعت منگوا کر عنایت فرمایا۔ اور ایک عراقی گھوڑا نذر کیا۔ اور فرمان امن و عزت کا عطا کر کے رخصت فرمایا۔[1] سیدنا بھی اسی دن گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہوئے اور دونوں رفیق گاڑی پر آپ کے معیت میں چلے۔ راستہ میں افسوس کہ نجم خاں نے وفات پائی۔ آپ پہلے برہانپور پہونچے۔ اور کچھ دنوں کے بعد اجین تشریف لے گئے۔ ایک ماہ کے بعد رامپورہ، میں رونق افروز ہوئے۔ اور چند دنوں کے بعد اودے پور میں مقیم ہوئے۔ رمضان ۱۰۵۰ھ میں احمد آباد پہونچے۔ اس دن مومنین کے لئے عید تھی۔ ہر شخص نے آپ سے ملاقات کر کے قلب مضطرب کو تسکین دی۔ جب حاسدوں کو معلوم ہوا کہ سیدنا

معافی کا خواستگار ہوا۔ سیدنا نے کہا کہ شہید مذکور میرے بھائی یا قرابت دار نہ تھے۔ جن کا خون میں معاف کردوں۔ البتہ خدا رحیم و کریم سے امید قوی ہے کہ جو کچھ نادانی سے کیا ہے خدا معاف کردے گا۔ یہ سن کر واپس چلا گیا۔ اور ان کو لاہور ساتھ لیتا گیا۔ وہاں بھی آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا۔ لیکن اس روایت کی کسی دوسری تاریخ سے تصدیق نہیں ہوتی ہے۔

[1] اس سے بھی میرے نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ نفس عالمگیر کو بوہروں سے کوئی پرخاش نہ تھی بلکہ دشمنوں نے غلط واقعات کا اظہار کر کے قید کرا دیا تھا۔ مگر جس وقت کہ عالمگیر کو ان کی نیکی اور پاکبازی کا یقین ہوگیا، عزت کے ساتھ تحفہ اور ہدیہ دے کر فوراً رخصت کردیا۔

عزت و احترام کے ساتھ واپس آئے تو آتش حسد نے پھر انھیں جلایا۔ دارالشکوہ کا نائب باقی بیگ المخاطب بہ غیرت خان سے جا کر یہ کہا کہ سیدنا قطب خان شہید کے معاوضہ میں یہ لوگ تین لاکھ روپے دیتے تھے۔ مگر سابق حاکموں نے قبول نہ کیا۔ وہ سب روپیہ سیدنا کے پاس جمع ہے۔ اس نے بھی اس کو سچ باور کر کے ۲۵ سوار اور ۲۵ پیادہ آپ کے گرفتاری کے لئے بھیج دیئے چنانچہ سپاہی آپ کو گرفتار کر کے لے گئے۔ غیرت خان نے جب روپیہ کا مطالبہ کیا۔ تو آپ نے اس کی تردید کی۔ اور یقین دلانے کی کوشش کی کہ یہ بالکل غلط واقعہ ہے۔ اس انکار سے غصہ ہو کر اس نے آپ کو جیل میں بھیج دیا۔ سیدنا نے احمد نامی ایک شخص کو دہلی یہ ہدایت دے کر بھیجا کہ یا تو فرمان شاہانہ میری رہائی کا لے کر آؤ۔ ورنہ جب تک میرا حکم نہ پہونچے تو وہیں مقیم رہنا۔ احمد جب دہلی پہونچا تو باوجود دوڑ دھوپ کے کوئی کامیابی اس کو نہ ہوئی اور ناامید ہو کر واپس چلا آیا۔ اور جیل میں سیدنا سے ملاقات کی۔ ناکامیابی کے ساتھ بلا اجازت واپس آنے پر سیدنا نے اظہار نارضامندی کیا۔ دوسرے دن بھی جیل خانہ میں آیا۔ مگر سیدنا نے سلام کی اجازت نہ دی۔ ملول ہو کر واپس گیا۔ اور کئی روز تک متفکر اور پریشان رہا۔ آخر ایک شخص نے جو (۱۶۰۰) روپے سرکاری (غالباً دعوت فنڈ کا) غبن کر گیا تھا۔ آ کر احمد کو تسکین دی۔ احمد بھی اس طرف سے مایوس ہو کر اُن سے مل گیا۔ اب روزانہ رات کو احمد کے گھر پر سیدنا کے برخلاف جلسے ہونے لگے۔ اور پھر اس کی کتاب مرتب کرلی گئی جو روزانہ پڑھی جاتی۔ جب سیدنا کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ اس بندہ کو اللہ کی مدد بس ہے۔ سیدنا آٹھ ماہ جیل میں رہے۔ آخر غیرت خاں نے بلا کر شاہی فرمان سنایا اور رہا کردیا۔ آپ جیل سے رہا ہو کر دریا پر غسل کے لئے تشریف لے گئے۔ مومنین کو خبر ہوئی تو سب موجود ہوگئے۔ رتھ پر سوار کر کے مولا شمس خان ابن یوسف کے مکان پر لے گئے، وہاں سجدہ دوگانہ شکریہ کا ادا کیا۔ آپ کے لڑکے حسن جی خان نے جیل میں بڑی

خدمت کی تھی ۔ ۳ دن کے بعد سلام کے لئے دربار مقرر کیا ۔ سوائے احمد کے سب آئے ۔ کچھ دنوں کے بعد یوسف بن چاندجی ۔ چاند میاں ابوجی نے آکر احمد کی سفارش کی ۔ آپ نے فرمایا کہ کہدو ۔ " ماکنت متخذ المضلین عضدا " یہ لوگ واپس گئے اور اصل حقیقت سے آگاہ کیا ۔ اب تو احمد کھلم کھلا مخالفوں کے ساتھ شریک ہوگیا ۔ ملا عبد القوی کے آدمی جب سیدنا قطب الدین شہید کو لے جانے لگے تھے تو مخالفوں کے اغواء سے کتب خانہ بھی ساتھ لے جانے کا حکم دیا تھا ۔ اس جلدی میں دعوت کی مخصوص کتابیں وہاں سے نکال کر نوح نامی ایک شخص کے پاس رکھوادی گئیں تھی ۔ احمد نے اس شخص کو بھی اپنے میں ملالیا ۔ اور نوح نے بھی کتب دعوت کل احمد کے سپرد کردیں ۔ یوسف جی اور چاند میاں بھی احمد سے مل گئے ۔ اور پھر سب مل کر سیدنا کو تکلیف دینے لگے ۔ تب سیدنا نے ایک شخص کو (منذر بناکر) ان لوگوں کے پاس بھیجا ۔ اس نے نصائح بیش بہا سے راہ راست پر لانے کی بہت کوشش کی اور اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ سیدنا سے معافی مانگ لیں ۔ مگر یوسف کو بڑا غصہ یہ تھا کہ میری سفارش کیوں رد کردی ۔ حالانکہ میں باعزت اور دولتمند آدمی ہوں ۔ اس نے جواب میں کہا کہ داعی جب کوئی خطا کرے تو اس کی جگہ ماذون ہوتا ہے اور نائب داعی جام نگر میں ہیں ۔ ان کا میں تابع ہوں ۔ اور ان کا خط میرے پاس ہے ۔ سیدنا سے یہ سارا حال جب کہا گیا تو فرمایا کہ اچھا وہ خط دکھلاؤ ۔ اس کے جواب میں بڑی دلیری سے اقرار کیا ۔ اور سات روز تک صبح شام کہہ کر ٹالتا رہا ۔ آخر میں اس نے کہا کہ گم ہوگیا ۔ تب اس سے کہا کہ ایسا ضروری کاغذ جب تم نہ سنبھال سکے ۔ تب پھر اور کیا کام کرسکتے ہو ۔ یہ سن کر نادم تو ہوا ۔ مگر راہ راست پر نہ آیا ۔ اور جام نگر نائب داعی کو ایک خط لکھا ۔ جس کا مضمون یہ تھا ۔ کہ موجودہ داعی ناقابل ہے ۔ اس لئے آپ کو داعی بنایا جاتا ہے ۔ اس کا جوابی خط جام نگر سے جو آیا تو اوس پر اوس پڑگئی ۔ کیونکہ نائب داعی نے بڑی ڈانٹ بتائی تھی ۔ پھر بھی یہ لوگ ادنیٰ لوگوں کو جمع کرکے

کھلاتے پلاتے عیش کرتے رہے ۔ یوسف جی ، چاندجی ، احمد جی ، حیدر یہ لوگ سرغنہ تھے ۔ آخر ان لوگوں کا حشر یہ ہوا کہ یوسف پاخانہ میں گرکر مرا ۔ چاند کے منھ میں کیڑے پڑگئے ۔ اور کچھ دنوں بے ہوش رہ کر چل بسا ۔ اب احمد سردار بنا ۔ ایک دن رسول پورہ میں سیدنا قطب الدین شہید کی مسجد میں داعی وقت کے موجود اور حاضر ہوتے ہوئے امام بن کر نماز پڑھادی ۔ مومنین کو غصہ تو بہت آیا مگر خاموش رہے ۔ ۱۰۶۴ھ میں شاہزادہ مراد بخش ناظم گجرات ہوکر آیا ۔ احمد نے جاسوسی کرکے سیدنا کو گرفتار کرادیا پھر ایک کثیر رقم ادا کرکے نجات حاصل کی ۔ رہائی کے بعد آپ سیدی حسن پیر کی زیارت کو چلے ۔ مومنین نے کہا کہ آپ کو سفر میں خدا جانے کیا اتفاق پیش آئے اس لئے منصوص فرماتے جائیں ۔ آپ نے فرمایا کہ جام نگر کے اسماعیل بن ملا راج میرے بعد منصوص ہیں ۔ ۴ر ذوالقعدہ ۱۰۶۵ھ میں احمد آباد سے روانہ ہوکر اپنے دختر کے گھر احمد پور تشریف لے گئے ۔ ۶ر تاریخ کو قریب مغرب " دین وار " تالاب پر پہونچے ، غسل فرمایا ، لیکن درد شکم محسوس ہوا ۔ تین دن کے بعد ۹ر تاریخ کو سجادہ پر بیٹے کہ روح قدس اعلیٰ کو پرواز کرگئی ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ " مسموم مرے " بمقام بی بی پور (سرسپور) احمد آباد سیدنا زین الدین کے قبہ میں سیدنا قطب الدین کے قبر کے مغرب جانب دفن کئے گئے ۔ ۹ر برس چار ماہ ، ۱۱ دن ہدایت فرماتے رہے ۔ افسوس کہ آپ کی ساری عمر مصائب اور آزمائش میں گذری ۔ آپ کی فضیلت کے لئے یہ واقعہ کافی ہے کہ ۷ اسال کی عمر میں جب سیدنا آدم سے تعلیم پاتے تھے ، تو شب عروس کو بھی بعد نصف لیل حسب دستور حاضر ہوئے ۔ استاد شفیق نے کہا کہ اگر آج نہ آتے تو کچھ مضائقہ نہ تھا ۔ فرمایا کہ ہر چیز سے علم کی لذت بالاتر ہے ۔ فراست سے سیدنا آدم قس نے اسی وقت سمجھ لیا کہ کسی دن یہ شخص مرتبہ عظمیٰ پر پہونچے گا ۔[1]

---

[1] موسم بہار جلد سوم صـ۳۰۲ صفدری بمبئی

آپ کے عہد میں مندرجہ ذیل ناظمان گجرات آئے۔ اورنگ زیب کا آخری عہد ۱۰۵۶ھ
شائستہ خان ۱۰۵۶ھ تا ۱۰۵۸ھ، نائب ناظم غیرت خان، شاہزادہ دارالشکوہ ۱۰۵۸ھ تا ۱۰۶۲ھ، شائستہ
خان بار دوم ۱۰۶۲ھ تا ۱۰۶۴ھ شاہزادہ مراد بخش ۱۰۶۴ھ تا ۱۰۶۸ھ آپ ہی کے عہد میں سیدی قاضی خان
تھے۔ سیدی موصوف نہایت بزرگ، عالم، فاضل اور صاحبِ مرتبہ شخص تھے۔ آپ متعدد داعیوں
کے ماذون رہے ہیں۔ تعلیم آپ نے سیدنا پیر خان شجاع الدین اور آپ کے بعد صاحب منصوص
سے کی، سدھپور میں عرصہ تک آپ عامل رہے۔ آپ کا روضہ سدھپور میں ریلوے لائن کے قریب
درمیان قبرستان میں ہے۔ اسی کے ساتھ بوہرہ محلہ ہے۔ آپ ہی کے عہد میں ایک فرقہ "ہجومیہ"
کا پیدا ہوا۔ جس نے متعدد کتابیں ایسی لکھی ہیں جن میں داؤدیہ بوہروں پر اعتراضات کئے ہیں۔ علماء
داؤدیہ نے بھی بحکم داعی اس کے جوابات دیئے ہیں۔ جو ایک کتاب کی شکل میں موجود ہے۔

داعی (۳۴) سیدنا اسماعیل بدرالدین اوّل

اسماعیل نام، بدرالدین لقب۔ آپ کی ولادت غالباً ۹۹۰ھ میں ہوئی۔ آپ کے والد
ماجد مولائی راج ابن مولائی آدم صاحب تھے۔ آپ کا خاندان نہایت شریف ونجیب ہے، شجرہ
نسب مہاراجہ بھارمل تک پہونچتا ہے جو مہاراج ادھیراج راجہ جے سنگھ سدھراج کے معتبر وزراء
میں سے تھے۔ اور مہاراج سدھراج گجرات (پٹن یا انہلواڑہ) کا بہترین حکمران گذرا ہے۔ یہ وہی
راجہ ہے جو مولائی عبداللہ صاحب کے دستِ حق پرست پر مسلمان ہوا تھا۔ راجہ جے سنگھ سدھراج
متوفی ۵۳۶ھ کے اسلام لانے کی روائت اوپر لکھی جا چکی ہے۔ آپ کا شجرہ نسب یہ ہے۔ سیدنا
اسماعیل بن مُلّا راج بن ملا آدم ابن ملا داؤد، ابن ملا راج ابن مولا داؤد ابن مولا علی ابن
مولا اسحاق، ابن مولا یعقوب ابن مولا بھارمل۔ آپ کی چوتھی پشت میں ملا راج تھے۔ یہ وہ

ملا راج ہیں جو ملا جعفر پٹنی کے سرپرست اور پٹن کے عامل تھے۔ اور پٹن سے موربی چلے گئے
تھے۔ ان کے پوتے ملا آدم نے اپنے لڑکے ملا راج کو احمدآباد داعی وقت کے یہاں برائے تعلیم
بھیجا۔ جو اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے واپس آئے۔ یہ عالم بھی تھے۔ اور تاجر بھی۔ کچھ دنوں کے بعد
موربی پر شاہی لشکر کا حملہ ہوا۔ جس کے سبب سے ملا آدم اپنے لڑکے ملا راج کے ساتھ جام نگر
(نوانگر) تشریف لے گئے۔ اور اسی جگہ مقیم ہو گئے۔ مولائی راج صاحب کا وطن مالوف جام نگر تھا
اور وہیں آپ سکونت پذیر تھے۔ ایک دفعہ اپنے وطن سے ۱۰۰۲ھ میں احمدآباد تشریف لائے۔ تاکہ
اموال کی زکوٰۃ ادا کریں۔ آپ کے فرزند ارجمند سیدنا بدرالدین بھی ہمراہ تھے۔ جس وقت سیدنا
داؤد برہان الدین ابن قطب شاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر زکوٰۃ پیش کر چکے تو سیدنا نے فرمایا کہ اے
ملا راج تمہاری دولت میں روزافزوں ترقی ہو۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ خدا نے تمہیں اس دولت کے
وارث کتنے عطا کئے۔ ملا راج صاحب نے عرض کیا کہ اے آقا! حضور کے دعا سے یہ اسماعیل
پانچواں فرزند ہے۔ سیدنا نے فرمایا کہ تب تو تم پر خمس واجب ہوا۔ اس فرزند کو حضور میں پیش کر دو۔
اسوقت آپ کا سن ۱۲ برس کا تھا جسماً قوی و تندرست تھے۔ چہرہ سے ذکاوت اور دینداری کے
آثار نمایاں تھے۔ الغرض ملا راج نے سیدنا کے فرمان کی تعمیل کی۔ اور چھوٹے لڑکے اسماعیل کو
حضور سیدنا کے خدمت میں دے کر وطن واپس آئے۔ آپ اکثر اپنے وطن سے اپنے فرزند
اسماعیل کو تحریر فرمایا کرتے تھے کہ تحصیل علم میں کوشش بلیغ کرو۔ اور اس سے کبھی غافل نہ رہو۔
آپ احمدآباد کے مدرسہ میں داخل ہو کر سرگرمی سے تحصیل علوم میں مشغول ہو گئے۔ آپ چند ہی سال میں
اکثر علوم وفنون پر حاوی ہو گئے۔ کیونکہ رات کی رات مطالعہ کتب اور آموختہ کی تکرار میں ختم فرما دیتے
تھے۔ ایک سال کے بعد وطن تشریف لے گئے۔ اور شادی کی جس سے ایک فرزند خدا نے عطا فرمایا۔
اس کے بعد پھر احمدآباد آ کر مدرسہ میں داخل ہو گئے اور مدت تک رہے۔ قاعدہ یہ قرار دیا تھا کہ

سال میں آٹھ ماہ احمدآباد کے مدرسہ میں اور چار ماہ وطن میں مقیم ہوتے۔ ایک دفعہ نگر سے احمدآباد پہونچے۔ اور سیدنا زین الدین کے خدمت میں حاضر ہونے کے خیال سے در دولت پر پہونچے تو کسی مہاجن کا آدمی بیٹھا ہے۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ آٹھ ہزار روپیہ سیدنا سے لینا ہے۔ عرصے ادا نہیں ہوا ہے۔ اس لئے سیٹھ نے چوکی بٹھلادی ہے۔ سیٹھ کا نام دریافت کیا تو آپ نے اس کو فوراً شناخت کرلیا۔ اور اس دربان سے کہا کہ تیرا سیٹھ تو میرا قرضدار ہے۔ کہاں رہتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ سیٹھ مذکور (مہاجن) جاترا کے لئے گیا تھا۔ واپسی میں جب نگر پہونچا تو ہاتھ خالی ہوگیا۔ بڑے بڑے مہاجن سے مانگا مگر کسی نے نہ دیا۔ لیکن جب سیدی اسماعیل کے دفتر میں آیا تو بلا سود اس کو روپے دیدیئے۔ یہ بالکل اتفاقی بات تھی کہ احمدآباد آکر واپس کرنا بھول گیا تھا۔ سیدی اسماعیل اس کی دوکان پر پہونچے، اس کو بڑی شرمندگی ہوئی۔ نہایت عاجزی سے معافی کا طالب ہوا۔ سیدی اسماعیل نے فرمایا کہ میرے مرشد پر آٹھ ہزار کا جو قرض تمہارا ہے اس کے وصول کی چٹھی لکھدو۔ اور پھر ہمارا تمہارا حساب ہوتا رہے گا۔ اس نے لکھدیا۔ آپ اس کو لیکر سیدنا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام کے بعد نذرانہ کے طور پہ وہ رقعہ قالین پر رکھدیا جس کو دیکھ کر سیدنا نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اور سیدی اسماعیل کے حسن کارگذاری سے بے حد مسرور ہوئے سیدنا اسمٰعیل نے دعاۃ عظام اور بڑے بڑے علماء وقت سے علوم وفنون کی تکمیل کی۔ چنانچہ آپ کی بعض اہم خدمات سے خوش ہوکر سیدنا قاسم جی زین الدین صاحب نے کتاب "المسائل السبعون" کی سبتاً سبتاً نبات خود تعلیم دی۔ اور عہدہ " حدیثہ " پر سرفراز فرمایا۔ غرض اسی طرح درجہ بدرجہ ترقی کرتے ہوئے سیدنا پیرخان شجاع الدین کے عہد میں " اذن " کا مرتبہ حاصل ہوا۔ اور سیدنا پیرخان شجاع الدین کے انتقال پر آپ ہی مسند دعوت پر رونق افروز ہوئے۔ یعنی ۱۰۶۵ھ میں آپ داعی مطلق کے عہدہ پر بنص سیدنا شجاع الدین تشریف لائے، اس وقت آپ کی عمر ۵۰

برس کی تھی۔ آپ بہت ذہین اور دُوراندیش تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر کا ابتدائی عہد تھا۔ عہد مغلیہ کے تین پشتوں کا تجربہ آپ کے پیش نظر تھا۔ آپ نے دوراندیشی سے انجام کو سمجھ کر، دعوت کا مرکز احمدآباد سے تبدیل کرکے نوانگر لے گئے۔ آپ کا خاندان تاجر تھا۔ اور ہر قسم کی رواداری کا سلوک کرتا تھا۔ آپ نے یہاں ایک بڑا مدرسہ عربی کا قائم کیا۔ جہاں طلبہ کو قیام وطعام کا بندوبست کرکے بڑی راحت بہم پہونچائی تھی اور بلا معاوضہ ہر طالب علم کو رہنے کی اجازت تھی تعلیم کا بڑا اچھا انتظام تھا۔ تعلیمی اسٹاف بھی بڑا اعلیٰ تھا۔ دو لاکھ سالانہ محمودی اس مدرسہ کا خرچ تھا۔ جو اپنی جیب سے ادا کرتے تھے۔ ۱۰۶۹ھ میں آپ سخت علیل ہوگئے۔ اور حالت مایوسی کی ہوگئی۔ اسوقت اپنے فرزند ارجمند سیدنا عبدالطیب زکی الدین کو منصوص فرمایا۔ لیکن شافیٔ مطلق نے آپ کو شفابخشی اور جلد صحت یاب ہوگئے۔ اور پھر ۱۹ سال تک دعوت کا کام انجام فرماتے رہے۔ ۱۰۷۶ھ میں آپ نے اپنے صاحبزادے سیدنا زکی الدین کو مختلف ممالک میں امور دعوت کے لئے روانہ فرمایا۔ آپ کے عہد میں چونکہ حاکم کے طرف سے اطمینان کلی تھا، اس لئے اشاعت علوم وفنون میں صرف کثیر کرکے سعی بلیغ فرماتے رہے۔ آپ نے جو مدرسہ اپنے وطن میں قائم فرمایا تھا، جس کا ذکر اوپر گذرا۔ اس سے ہزاروں تشنگان علوم وفنون دُور دراز مقامات سے آکر سیراب ہوتے رہے۔ مسند دعوت پر رونق افروز ہونے کے وقت اگرچہ زندگی کی ۵۰ منزلیں طے فرماچکے تھے۔ پھر بھی اس پیرانہ سالی میں نصف الیل سے صبح تک بیدار رہ کر عبادت الٰہی میں مشغول رہتے۔ اور نماز صبح کے بعد سے ظہر تک اور پھر عصر تک طلبہ کو تعلیم فرماتے رہتے۔ اور یہ دستور آپ کا عمر کے آخری لمحہ تک رہا۔ آپ کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ جو آج تک کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ کہ اس ۷۵ سال کی عمر میں سات دعاۃ عظام کی جان ومال سے خدمت کی۔ ان کے اسمائے گرامی

مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) سیدنا داؤد برہان الدین ابن قطب شاہ (۲) سیدنا شیخ آدم صفی الدین۔ (۳) سیدنا عبدالطیب زکی الدین (۴) سیدنا علی شمس الدین ہندی (۵) سیدنا قاسم زین الدین (۶) سیدنا قطب خان قطب الدین (۷) سیدنا پیرخان شجاع الدین۔ ان پاک دعاۃ کی صمیم قلب سے خدمت گذاری کا خدائے برتر کے جناب سے یہ صلہ عنایت ہوا کہ نہ صرف خود آپ کو اس رتبہ جلیلہ پر فائز کیا گیا بلکہ آپ کے خاندان سے (۸) دُعاۃ بھی اس مرتبہ عُلیہ و عہدۂ جلیلہ پر ممتاز کئے گئے۔ جن کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) سیدنا عبدالطیب زکی الدین (۲) سیدنا موسیٰ کلیم الدین (۳) سیدنا نور محمد نورالدین (۴) سیدنا اسمٰعیل بدرالدین (۵) سیدنا عبدالطیب زکی الدین (۶) سیدنا یوسف نجم الدین (۷) سیدنا عبدعلی سیف الدین (۸) سیدنا محمد بدرالدین بن سیدنا سیف الدین۔

۸ رجادی الثانی کو ذات الجنب کے مرض سے آپ علیل ہوئے، سیدنا زکی الدین دن رات آپ کی تیمارداری میں مشغول رہے۔ موت سے پہلے سیدی حسن اجین سے آگئے۔ علالت سے بے حد ملول ہوئے۔ صبر کی تلقین کی اور نص جلی سے آگاہ کیا۔ سیدنا عبدالطیب زکی الدین کی اطاعت کی وصیت کی۔ پھر ان کو وہیں رخصت کیا۔ موسیٰ کلیم الدین شہر سے باہر تک مشائعت کے لئے گئے۔ ۱۵ دن کی علالت کے بعد ۲۳ رجادی الثانی ۱۰۸۵ھ کو اس دارِ فنا سے ملکِ بقا کی طرف رحلت فرما ہوئے۔ آپ کا مزار شریف جام نگر میں مرجع خاص و عام ہے۔ آپ بحیثیت داعی مطلق کے ۱۹ سال آٹھ ماہ پندرہ دن تک بڑے اولوالعزم ہادیوں کی طرح کام انجام دیتے رہے۔ آپ پہلے جام نگری داعی ہیں۔ آپ کی عمر شریف ۹۵ برس کی تھی۔ اور آپ کے بعد جانشین بہ امر نص سیدنا عبدالطیب زکی الدین آپ کے فرزندِ ارجمند ہوئے۔ آپ نے شاہجہاں و عالمگیر دونوں کا عہد پایا۔ آپ کے ابتدائے عہد میں شاہزادہ مراد بخش ناظم صوبہ گجرات تھا۔

لیکن اورنگزیب عالمگیر کی تخت نشینی کے بعد سے مندرجہ ذیل ناظمان گجرات آئے۔ مرزا شاہ نواز صفوی ۱۰۶۹ھ، راجہ جسونت سنگھ ۱۰۶۹–۱۰۷۲ھ، مہابت خان ۱۰۷۲–۱۰۷۷ھ، خان جہاں ظفر جنگ ۱۰۷۶–۱۰۸۱ھ، راجہ جسونت سنگھ بار دوم ۱۰۸۱–۱۰۸۳ھ، عمدۃ الملک امین خان ۱۰۸۳–۱۰۹۳ھ۔

داعی (۳۵) سیدنا عبدالطیب زکی الدین دوم

۱۰۸۵ھ میں اپنے والد کے بعد تختِ دعوت پر رونق افروز ہوئے۔ عبدالطیب آپ کا نام، زکی الدین لقب ہے۔ آپ کی ولادت جام نگر میں ہوئی۔ عام تعلیم کے بعد علوم خصوصی (علم تاویل و حقیقت) وغیرہ اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ بہت ہی نیکدل اور خدمت گذار تھے۔ چونکہ آپ نے مختلف ممالک کا سفر کیا تھا۔ اور ہر خیال کے مومنین سے ملاقات کی تھی۔ اس لئے آپ کا حوصلہ بلند، خیالات وسیع اور تجربہ کافی رکھتے تھے۔ اپنے والد کے حکم سے آپ نے پہلے اودے پور کا سفر کیا۔ پھر اجین تشریف لائے، رسالہ التذکرہ کے مصنف موسیٰ حسن بن موسیٰ شمس خاں ہمراہ تھے۔ پھر یہاں سے خیرگون، برہانپور، حیدرآباد، بیجاپور، شاہ گڑھ، راکس بھون، اورنگ آباد جاکر پھر واپس برہانپور تشریف لائے۔ اور یہاں سے ہاردہ، خوخرہ، سرونج، آگرہ، جہان آباد (دہلی)، متھرنگر، پہونچے۔ اور اپنے رفیق مولا حسن کو واپس اجین فرمایا اور خود اودے پور آئے۔ اور یہاں سے رامپورہ گئے اور موسیٰ حسن کو طلب فرمایا۔ موسیٰ موصوف آئے۔ روانگی نگر کی خبر دی۔ موسیٰ اجین چلنے پر مُصر ہوئے مگر مجبوری سے نہ جا سکے۔ اور حکم دے گئے کہ رمضان کے بعد دکھن کا دورہ کرکے تم بھی نگر آؤ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ جس سے سیدنا بدرالدین مسرور ہوئے۔ اپنا عمامہ آپ کے سر پر رکھدیا۔ وعا خیر

مومنین کی استدعا پر کی، اور کتاب زہر المعانی کے تعلیم کی اجازت عطا فرمائی۔ سیدنا حکیم الدین کے عہد میں درجہ حدیت کو پہونچے اور دکھن کے ولائت کا فرمان دے کر والی بنایا۔ اور اجین واپس کیا۔ سیدنا زکی الدین احمدآباد تشریف لائے تھے، عالمگیری عہد تھا۔ دشمنوں نے حکام سے مل کر ستانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ان کو گرفتار کرنے کو سپاہی روانہ ہوئے۔ الزام یہ تھا کہ دشمنوں نے یہ خبر پہونچائی کہ دو مزار ہیں، جن کا نام مکہ اور مدینہ ہے۔ اسی کا حج اور طواف کرتے ہیں۔ چنانچہ قبے جبراً گرا دیئے گئے۔ اور مومنین کو بہت پریشان کیا گیا۔ اور ایسے قوانین جاری کئے گئے کہ جس کسی قسم کا اجتماع بغیر اجازت ممنوع قرار پائے۔ مگر اس کی خبر آپ کو لگ گئی۔ اور یہاں سے نکل جانے میں کامیاب ہو گئے۔ اور فوراً نوانگر پہونچ گئے۔ جہاں کے راجہ نے اپنی حفاظت میں لے لیا۔ آپ کے ساتھ جو لوگ تھے۔ وہ گرفتار کر کے اورنگ آباد بھیج دیئے گئے۔ اتفاقاً وہاں قحط پڑا۔ اور ان اسیروں کی دعا سے پانی برسا۔ ان لوگوں کو رہا کر دیا گیا۔ جام نگر میں ذیقعدہ ۱۲ / ۱۱۱۰ھ میں وفات پائی۔ اور وہیں آپ کا مزار ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر آپ کا ہم عصر بادشاہ ہے۔ اور آپ کے عہد میں مندرجہ ذیل ناظمان گجرات آئے۔ عمدۃ الملک امین خان ۱۰۹۳ھ مختار خان ۱۰۹۳–۱۰۹۶ھ، شاہزادہ محمد اعظم شاہ ۱۰۹۶–۱۰۹۹ھ، شجاعت خان ۱۰۹۹–۱۱۱۳ھ، آپ ہی کے عہد میں سیدی خانجی پیرجی احمدآباد کے عامل تھے۔ آپ نے تعلیم سیدی نجم خان ابن سیدنا پیرخان شجاع الدین سے حاصل کی۔ علم، ریاضت، عبادت اور تقوی میں مشہور تھے۔ احمدآباد کا اس وقت ناظم مختار خاں (۱۰۹۳–۱۰۹۶ھ) تھا۔ اس نے مومنین پر بڑے مظالم کئے۔ یہاں تک کہ سیدی خانجی موصوف کے صاحبزادہ کو بھی شہید کر ڈالا۔ ان کا مزار سارنگ پور کے دروازے کے سامنے جو ریل کا پل ہے اس کے اُس طرف ایک چبوترہ پر ہے۔ بعد شجاعت خان ناظم صوبہ گجرات ۱۱۱۰ھ میں اپنے

وطن اودے پور واپس آ گئے۔ اور آٹھ سال تک وہاں رہے۔ اس عرصہ میں ایک بڑا مدرسہ جاری کیا۔ ۱۱۱۸ھ میں وفات پائی۔ اور اودے پور شہر کے باہر ایک پہاڑ کے نیچے بوہرہ قبرستان کے درمیان مدفون ہوئے۔ آپ کا روضہ نہایت شاندار ہے۔ آس پاس کا منظر نہایت خوشنما اور دلفریب ہے۔ سیدنا زکی الدین ہی کے عہد میں فرقہ ہجوبیہ کے رکن رکین تاج خان بن حسن خان تائب ہو کر سیدنا کے زیر سایہ رہے۔ اور اس کے ساتھ اکثر لوگ واپس ہوئے۔ سیدنا نصف شب تک تعلیم دیتے۔ اور پھر صبح تک یاد الٰہی میں مشغول رہتے صبح کو بعد فراغت عبادت و وظائف۔ ایک ساعت آرام لیتے۔ قیام احمدآباد میں آپ نے اپنے لڑکے سیدی موسیٰ کو کلیم الدین کا خطاب عطا فرما کر منصوص بنایا۔ اور اپنے دوسرے لڑکے شیخ آدم صفی الدین کو مکاسر کا رتبہ عطا فرمایا۔ یہ اسوقت اجین میں تھے۔ لوگوں کو جب خبر ہوئی تو بڑی خوشی منائی۔ سیدی صفی الدین اجین سے دورہ کے لئے نکلے تو خرگون، برہانپور، اورنگ آباد، ہردہ، سیرونج، الکوکھوہ، سارنگ پور ہوتے ہوئے شاہجہان پور پہونچے۔ کچھ دن قیام کر کے اجین واپس ہوئے۔ اور یہاں ایک بڑا مدرسہ قائم کیا۔ اور خود درس دیتے۔ قرآن پر آپ کو بڑا عبور تھا۔ اور دعویٰ تھا کہ ہر ایک چیز قرآن میں موجود ہے۔ کسی نے سوال کیا کہ حلال اشیاء کو حکیم مریض کے لئے حرام کر دیتا ہے قرآن میں کہاں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تیمم اس کی مثال موجود ہے، پھر اُجین سے رامپورہ، اودے پور، واگر، کپڑونج، گودھرہ، بالاسور آئے۔ اور پھر ۲۷ رجادی اولی ۱۰۹۳ھ میں بہ رفاقت مولائی حسن جی اور ملا ابراہیم احمدآباد آ کر اپنے بزرگ باپ سیدنا زکی الدین سے ملے۔ دیکھ کر سیدنا بہت مسرور ہوئے۔

(۳۶) سیدنا موسیٰ کلیم الدین

موسیٰ نام، کلیم الدین خطاب بن سیدنا عبدالطیب زکی الدین بن سیدنا بدر الدین، آپ کی ولادت جام نگر میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد علوم و فنون کی تکمیل اپنے والد بزرگوار سے کی۔ ۱۱۱۰ھ میں اپنے والد کے بعد بمقام جام نگر اس دعوت عظمیٰ کی گدی پر رونق افروز ہوئے، آپ کو اپنے دادا کے قائم کردہ مدرسہ سے بڑی دلچسپی تھی، کافی طور پر اس کی نگرانی فرماتے تھے،

طلبہ کے آرام و آسائش کا آپ کو بڑا خیال تھا چنانچہ نہ صرف طعام و قیام بلکہ قلم و دوات اور سیاہی تک دعوت کے فنڈ سے عنائت فرماتے، آپ کے عہد میں تین بڑے ارکان دعوت وفات پا گئے۔ مولائی خان جی بھائی، مولائی حسن جی بن شمس خان، مولائی صفی الدین، یہ تینوں موالی علم کے آفتاب تھے، جس کی ضیا باری سے نگر، احمد آباد، اودے پور، اجین وغیرہ روز روشن کی طرح تاباں تھے۔ آپ کا آخری عہد مصائب میں گذرا، حکام نگر سے اختلافات شروع ہو گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ آپ کے منصوص سیدی نور محمد کو گرفتار کر کے قید کر دیا گیا۔ جس سے آپکو بے حد صدمہ ہوا۔ اور اسی نے آپ کی کمر توڑ دی۔ جس کے سبب سے علیل ہو گئے اور آخر ۲۲ ربیع الاول ۱۱۲۲ھ میں وفات پا گئے اور جام نگر میں مدفون ہوئے۔

اورنگ زیب عالمگیر، اور شاہ عالم بہادر شاہ آپ کے ہمعصر تھے، شجاعت خان ۱۱۱۳ھ محمد اعظم شاہ بار دوم ۱۱۱۳ھ ۱۱۱۶ھ شاہزادہ بیدار بخت ۱۱۱۶ھ اور ابراہیم خان ۱۱۱۹ھ، اس صوبہ کے ناظم آپ کے عہد میں ہوئے۔ اور آپ کے آخری عہد میں غازی الدین فیروز جنگ ۱۱۲۲ھ تک حکومت کرتا رہا۔

(۳۷) سیدنا نور محمد نور الدین

نور محمد نام نور الدین خطاب بن سیدنا موسیٰ کلیم الدین۔ جام نگر میں ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی اور تکمیل تعلیم اپنے عم محترم مولائی صفی الدین صاحب سے کی۔ آپ بہت ذہین تھے۔ اپنے درجہ میں تمام ہمعصروں سے سبقت لے گئے تھے، ایک دفعہ اثنائے تعلیم میں ایک شخص نے سات کی فضیلت دریافت کی۔ استاد مشفق نے آپ سے جواب کی فرمائش کی آپ نے نہایت خوبی سے تمثیلوں کے ساتھ بہ تفصیل فضیلت ثابت کی۔ مثلاً خدا نے سات آسمان، سات زمین، سات دن، سات ستارے پیدا کئے، آپ ۱۱۲۲ھ میں منصوص ہوئے اور دعوت کے نظم و نسق میں مصروف ہو گئے۔ اپنے والد کے آخر عہد میں بحکم حاکم قید ہوئے۔

اور تین لاکھ محمودی جرمانہ داخل کر کے رہائی حاصل کی۔ جبکہ آپ کے والد بستر موت پر تھے وفات سے صرف ایک دن قبل رہائی ہوئی، والد کے انتقال پر اسی سنہ میں تخت دعوت پر رونق افروز ہوئے، آپ نگر (جام نگر) کے چوتھے داعی ہوئے،

چونکہ جام نگر کے حاکم سے اختلاف پیدا ہو گیا تھا، اس لئے پایہ تخت (مرکز دعوت) "کچھ" کو منتقل فرما دیا اور اسی جگہ سے تمام امور دعوت انجام فرماتے رہے۔ آپ کے متعدد روایتیں مشہور ہیں جس میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کی ولادت کی خبر سیدنا شجاع الدین نے مولا حسن جی بن شمس خان کو قید خانہ میں دی تھی۔ آپ کو علوم و فنون سے خاص دلچسپی تھی۔ خصوصاً ادب کے طرف زیادہ مائل تھے۔ اور خوشخطی کو زیادہ پسند فرماتے تھے، مدرسہ میں جا کر خود نگرانی کرتے طلباء مدرسہ کا بڑا خیال رکھتے، طعام و قیام اور دیگر ضروریات کا آرام بہم پہنچاتے، طلبہ کے امتحان کا قاعدہ بھی آپ ہی نے جاری کیا۔ حاکم جام سے جب اختلافات زیادہ ہو گئے تو پہلے موربی چلے گئے، اور عرصہ تک وہاں

رہے، عالیشان مکانات وغیرہ تعمیر کرائے۔

۱۱۲۴ھ میں حاکم نگر مرگیا، اور اس کا لڑکا تخت نشین ہوا، نہایت اصرار سے اس نے نگر واپس بلایا، آپ تشریف لے گئے، بڑے دھوم سے آپ کا استقبال کیا، اور مرید با اخلاص کی طرح آپ کے ساتھ پیش آیا۔ آپ نگر میں عرصہ تک مقیم رہے اور ایک عالیشان مسجد تعمیر کرائی۔ آپ بہت غیور تھے، چنانچہ ایک دفعہ مجلس قرآنی کے وقت آپ کی ایک اہلیہ بیباکی سے آئیں اور دوسری طرف نکل گئیں آپ کو اس قدر ملال ہوا کہ آخر ان کو طلاق دیدی۔ اور پھر دوسری شادی کی۔ کچھ دنوں کے بعد آپ مانڈوی (کچھ) کو منتقل ہو گئے۔ دُعاۃ اور اولیاء کے عرس پر کھانا کھلانے کا بندوبست آپ ہی نے شروع کیا۔

۴ رجب ۱۱۳۰ھ کو آپ نے وفات پائی۔ اور مانڈوی ہی میں مدفون ہوئے، آپ کی اہلیہ کو اس سے بے حد صدمہ ہوا، جس سے جانبر نہ ہوسکیں چنانچہ ۵ رجب کو انتقال کر گئیں (استرحمہ غفرلہما) آپ کا روضہ مانڈوی بندر سے تقریباً ½ میل ندی کے کنارے واقع ہے۔ چاروں طرف قدیم اور جدید مسافر خانے بنے ہوئے ہیں۔ کاٹھیاوار اور ہند کے مختلف حصوں سے بے شمار زائرین عرس کے موقعہ پر جمع ہو جاتے ہیں۔ جام نگر سے لوگ بادبانی کشتی کے ذریعہ وہاں جاتے ہیں۔ بعض روزی بندر سے اسٹیمر پر سوار ہو کر کنڈلا (کچھ) اترتے ہیں۔ وہاں سے بذریعہ ریل بھج (پایہ تخت کچھ) جاتے ہیں۔ اور پھر وہاں سے بذریعہ موٹر جو سرکاری طور پر چلتی ہے مزار شریف تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور بمبئی والے عموماً برٹش انڈیا اسٹیمر سے وہاں جاتے ہیں۔ عرس نہایت دھوم سے وہاں ہوتا ہے۔ اس لئے بہت لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ درگاہ کی طرف سے سب کو کھانا ملتا ہے۔ آپ کے صرف دو لڑکے تھے۔ ایک عبدالکریم آٹھ سال کا اور دوسرا آدم تین برس کا جو ۱۱۳۲ھ میں انتقال کر گیا۔

شاہ عالم بہادر شاہ، جہاندار شاہ، اور فرخ سیر بادشاہ آپ کے ہمعصر ہیں۔ شہامت خان ۱۱۲۲-۱۱۲۴ھ۔ آصف الدولہ اسد خاں ۱۱۲۴ھ۔ شہامت خاں بار دوم۔ داؤد خاں پنّی، اجیت سنگھ ۱۱۲۶ھ۔ خان دوران ۱۱۳۰ھ تک ناظم صوبہ ہوتے رہے۔ آپ کے عہد میں شیخ قاسم خان ابن حمزہ بھائی ماذون تھے، اور مولائی عبدالقادر حکیم الدین مکاسر تھے۔

(۳۸) سیدنا اسمٰعیل بدرالدین دوم

اسماعیل نام۔ بدرالدین خطاب، والد کا نام ملا شیخ صفی الدین آدم بن داعی زکی الدین بن بدرالدین۔ ۲۸ ذوالحجہ ۱۰۹۶ھ بمقام اودے پور پیدا ہوئے، کچھ دنوں کے بعد آپ کی والدہ کا انتقال ہو گیا، والد آپ کے کفیل رہے، لیکن جلد ہی آپ بھی وفات پا گئے۔ اور پھر یہ دُرِ یتیم خدا کی حفاظت میں پرورش پاتا رہا۔ تعلیم و تربیت اپنے بزرگوں سے پائی ۱۱۳۰ھ میں مسند دعوت کو سرفراز فرمایا۔ عرصہ تک آپ نگر میں رہے، لیکن جب حاکم وقت سے آپ کو اذیت پہنچنے لگی تو مجبوراً نگر سے ہجرت کر کے "کچھ" چلے آئے، ایک عالیشان جامع مسجد تیار کرائی۔ اسی کے ساتھ ایک مدرسہ کی بھی بنیاد رکھی جس میں دارالاقامہ کا خاص خیال رکھا گیا۔ اسی طرح انجار واقع کچھ میں بھی دوسری عمارتوں کے سلسلہ میں مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی۔ اور رہنے کے لئے بھی متعدد عمارتیں تیار ہوئیں۔ خاص مانڈوی میں ایک مسافر خانہ اور ایک دیوان خانہ بنوایا۔

عہد طفلی میں اطاعت داعی کا ایک عجیب واقعہ پیش آیا یعنی سیدنا کلیم الدین نے ایک امتحان کے لئے کہا کہ تم اپنے باپ دادوں کی تمام کتابیں دعوت کے کتب خانہ میں داخل کر دو آپ نے اس کی تعمیل کی کہ ایک ورق اپنے پاس نہ رکھا۔ آپ ہی کے عہد میں سیدی عبدالقادر حکیم الدین جو عہدہ ماذون پر ممتاز تھے، بڑے متقی اور پرہیزگار شخص گزرے ہیں۔ آپ کا مزار برہانپور

میں واقع ہے۔ لوگ زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ نذر مانتے ہیں۔ کیونکہ مومنین کے نزدیک ولی کامل کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ اور اکثر کرامتوں کا بھی ظہور ہوا ہے۔ آپ ہی نے اپنی زندگی میں سبیل کی رسم جاری کی۔

اور اس کے لئے ۲/ (دو آنہ) فی صدی کا مقامی ٹیکس جاری فرمایا۔ اس فنڈ سے تعلیم اور دیگر ضروریات پوری فرماتے تھے۔ مذہبی کتب اپنے ہاتھ سے تحریر فرماتے، اور کتاب کے تین نسخہ ہوتے، ایک طالب علم کے لئے، دوسرا داعی کے لئے، اور تیسرا خود اپنے لئے۔ اس طرح سے سات سو کتب جس کے اکیس سو (۲۱۰۰) نسخے ہوئے۔ اپنے قلم سے تحریر کئے۔ آپ اوقات کی پابندی کے لئے مشہور تھے، چنانچہ دن رات کو آپ نے اپنے کاموں میں تقسیم فرما رکھا تھا۔ مثلاً امور دعوت (ماتحت داعی وقت) فیصل قضایا، غسل، صلوٰۃ اللیل، کتابت ایک جز کامل، وغیرہ وغیرہ، آپ حافظ بھی تھے، سیدنا اسماعیل بدرالدین اپنی لڑکی کی شادی سے فارغ ہوئے تھے کہ سیدی عبدالقادر کی وفات ہوئی۔ اس خبر سے آپ پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ روتے روتے آپ کے محاسن تر ہوگئے۔ لوگوں نے سیدی عبدالقادر کو مسجد کے صحن میں دفن کردیا۔ بائیس دن (۲۲) کے بعد حاکم وقت کو جب معلوم ہوا تو غیر قانونی سمجھ کر قبر کھودنے کا حکم دیا، قدرت خدا سے لاش ابھی تک محفوظ تھی وہاں سے نکال کر دوسری جگہ دفن کی گئی۔ سیدنا اسماعیل بدرالدین نے سیدی عبدالقادر کو اپنا منصوص بنایا تھا لیکن افسوس کہ سیدنا سے قبل ہی آپ کی وفات ہوگئی۔

سیدنا نے دو داعیوں کی خدمت کی اور فیضیاب ہوتے رہے۔ سیدنا نورالدین نے آخر عہد میں آپ کو اپنا وزیر بنایا تھا۔ آپ اکثر شب بیدار رہتے، عبادت الٰہی اور مطالعہ کتب میں وقت صرف فرماتے، وفات سے قبل آپ مانڈوی آئے اور وہاں سے نگر پہنچے (۱۳) تیرہ دن کے بعد سات محرم ۱۱۵۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ اور اسی جگہ مدفون ہوئے۔

صبح کے وقت قرآن کا دور ہمیشہ ہوا کرتا تھا، مرض الموت کے وقت کچھ دن خلفشار کے باعث بند رہا۔ آپ کی اہلیہ نے خواب میں دیکھا کہ امام زماں دوسرے چار ہمراہیوں کے ساتھ عراقی گھوڑے پر سوار دروازے پر تشریف لائے، جب اندر آنے کی التجا کی گئی تو آپ نے انکار کردیا، اور مجلس قرآن بند ہونے کی وجہ دریافت کی۔ بیداری کے بعد سیدنا سے اس خواب کو بیان فرمایا۔ آپ بے قرار ہوگئے اور صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے بعد قرآن خوانی کا حکم فرمایا جو آج تک جاری ہے سیدنا کو آخری عمر میں یاس کے بعد دو فرزند عطا کئے جو وفات کے وقت چھوٹی عمر کے تھے۔

سیدنا کے عہد میں ہجومیہ فرقہ کا شیخ داعی لطیف بھائی بن حیدر بھائی تائب ہو کر حدیت کے مرتبہ پر فائز ہوا۔ باوا ملا خان جو سیدی عبدالقادر حکیم الدین کے والد ہیں، بڑے صاحب تقوٰی اور صاحب کرامات اور ممتاز خاندان کے ممبر تھے، آپ کے صاحبزادے سیدی عبدالقادر حکیم الدین، اور پوتے سیدنا ابراہیم وجیہ الدین، اور پرپوتے ہبۃ اللہ المؤید فی الدین منصوص ہوئے۔ باوا صاحب عابد، زاہد اور متقی تھے، سایہ کے طرف ہمیشہ آپ کی نگاہ رہتی۔ تاکہ نماز کا کوئی وقت فوت نہونے پائے، آپ غریبوں اور بیکسوں کی ہمیشہ امداد فرماتے، اور اسی کام کے لئے ایک گھوڑا محلہ میں آپ نے باندھ رکھا تھا۔ اور دانہ، چارے کی فکر رکھتے تھے، آپ کے طرف سے عام اجازت تھی کہ جس کو ضرورت ہو لے جائے اور کام ختم ہو جانے پر اسی جگہ باندھ دے۔

آپ کا روضہ رام پورہ میں (جو علاقہ ہلکر میں ہے) گروٹھ اسٹیشن سے قریباً بائیس[۲۲] میل دور ہے، گروٹھ ریاست ہلکر کے ضلع کا صدر مقام ہے۔ اور ناگدا، متھرا، لائن کا اسٹیشن ہے۔ یہاں سے رام پورہ جانے کے لئے موٹریں اسٹیشن پر ملتی ہیں۔

فرخ سیر بادشاہ کا آخری عہد، رفیع الدرجات، رفیع الدولہ اور محمد شاہ بادشاہ

دہلی، سیدنا اسماعیل بدرالدین دوم کے ہمعصر ہیں۔ اجیت سنگھ ۱۱۳۱ھ، حیدر قلی خاں ۱۱۳۵ھ نظام الملک فتح جنگ ۱۱۳۵ھ سے ۱۱۳۶ھ تک، مبارز الملک ۱۱۴۲ھ، مہاراجہ ابھے سنگھ ۱۱۴۹ھ، اور مومن خاں ۱۱۴۹ھ (ابتدائی عہد) گجرات کے ناظم آپ کے عہد میں ہوئے۔

(۳۹) سیدنا ابراہیم وجیہ الدین

آپ کا اسم گرامی ابراہیم، وجیہ الدین خطاب، والد کا نام عبدالقادر حکیم الدین اور دادا کا مُلا بادا خاں۔ آپ کا اصلی وطن رام پورہ ہے، مگر اُجین میں اقامت رکھتے تھے اور اسی کو دارالدعوت بنایا، جو ۴۳ سال (۱۱۹۳ھ) تک مرکز دعوت رہا۔ ۲۲ ربیع الاول ۱۱۱۱ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ اپنے والد سے عام تعلیم حاصل کی۔ پھر سیدنا بدرالدین کی خدمت میں حاضر ہو کر تکمیل علوم ظاہری و باطنی سے فارغ ہوئے۔

۱۱۵۰ھ میں مسند دعوت پر رونق افروز ہوئے، آپ بہت صاف ستھرے اور پاکیزہ رہتے۔ صفائی کا بڑا خیال رہتا۔ دنیا کو حقیقتاً ایک خواب یا مسافر خانہ سمجھتے، خوف خدا سے ہمیشہ چشم تر رہتے، گریہ کا آپ پر یہ عالم ہوتا کہ روتے روتے آپ کی ریش مبارک تر ہو جاتی، اور جب کبھی آپ پر استغراقی حالت طاری ہوتی تو آپ کو خود اپنی بھی خبر نہ رہتی۔ اولیا کی اکثر زیارت فرماتے، سفر زیادہ کرتے، اور لوگوں کو ہدایت کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔ آپ کا قول ہے کہ جو مسجد میں آئے اور خاموش نہ بیٹھے، لوگوں سے ملے اور سلام نہ کرے، مومنین کی دعوت کو رد کر دے، اور مومنین کو تکلیف پہنچائے وہ میری دعوت سے باہر ہے۔ آپ بہت تھوڑی غذا نوش فرماتے اور عبادت زیادہ کرتے،

۱۱۴۳ھ میں جبکہ آپ اجین میں مقیم تھے، قحط ہو گیا تمام مسلمان نماز استسقا کے

لئے میدان میں گئے، لیکن آپ تشریف نہ لے گئے، اس پر لوگوں نے چرچا شروع کیا، راجہ کو جب معلوم ہوا تو استدعا کی کہ آپ بھی دعا فرمائیں۔ چنانچہ آپ مع ہمراہیوں کے ندی کے کنارے تشریف لائے، وضو کیا اور دو رکعت نماز نفل ادا کی، پھر سجدہ میں ظہر سے عصر تک رہے۔ اس کے بعد ہی خدا نے رحمت بھیجی، اور تر کپڑوں کے ساتھ لوگ گھر پہنچے۔

اُجین کے راجہ نے جب آپ کو پریشان کرنا شروع کیا تو اپنے صاحبزادہ مولانا المؤید کے مشورہ سے برہانپور چلے گئے، جہاں کے مسلمانوں نے بڑا شاندار استقبال کیا۔ آپ ہر صبح کو ایک مجلس میں تلاوت قرآن فرماتے، پھر اپنے والد سیدی حکیم الدین کے مقبرہ پر جا کر فاتحہ خوانی کرتے۔ جو آپ ہی کے عہد میں بڑا عالیشان تیار ہوا تھا۔ آپ ہر شخص کی دعوت قبول فرما کر اس کے گھر تشریف لے جاتے اگرچہ وہ بہت ہی غریب کیوں نہ ہو۔ ۲۶ رجب ۱۱۵۶ھ میں اُجین واپس تشریف لا کر بڑی دھوم سے سیدنا بدرالدین کے لڑکوں کی شادی کر دی، اس کے بعد ہی آپ سخت علیل ہو گئے، حالت یاس ہو گئی۔ تین دن آپ پر بیہوشی رہی۔ اور اسی میں اکثر ورد و سلام پڑھا کرتے، جب ہوش آیا تو لوگوں نے منصوص کے متعلق دریافت کیا، آپ نے اپنے صاحبزادہ ہبتہ اللہ المؤید فی الدین کے طرف اشارہ فرمایا۔ کچھ دنوں کے بعد اللہ نے تندرستی عطا فرمائی۔ ماہ ذوالحجہ میں عید غدیر کے دن وعظ کے بعد آپ نے نص جلی فرمایا، مولانا ہبتہ اللہ نے ۱۲۵ اشرفی اور پچیس[۲۵] ہزار روپے نذر کے طور پر پیش کیا۔ کچھ دنوں کے بعد آپ نے ہوٹی پور کی مسجد تیار کرائی۔ آپ کو مسجد سے عشق تھا۔ اکثر اوقات مسجد میں تشریف رکھتے، اور کلام کرنے سے لوگوں کو منع فرماتے،

۱۴ جمادی الآخر ۱۱۵۶ھ میں آپ اپنے دادا مُلا خان کی قبر کی زیارت کے لئے اسلام پورہ (رام پورہ) تشریف لے گئے، چند ماہ قیام فرمایا، اور ایک جدید محلہ کی بنیاد رکھی،

ساٹھ، ستر گھر آباد کرکے "ابراہیم پورہ" نام تجویز فرمایا۔ اسی کے ساتھ ایک عالیشان مسجد بھی تیار فرمائی۔

۴؍ صفر ۱۱۶۰ھ میں وہاں سے اُجین تشریف لائے، آخر عمر میں افراطِ گریہ سے بصارت میں کمی واقع ہوگئی تھی۔ انھیں دنوں شام اور یمن سے خبر آئی کہ بعض لوگوں نے امامت کا دعویٰ کیا ہے، اور کچھ کرامات بھی دکھاتے ہیں۔ اس کے جواب میں آپ نے لوگوں کو تسلی آمیز خطوط بھیجے، جس کے جوابات بھی شافی آئے، اور عام مومنین اس فتنہ سے محفوظ رہے۔

۱۷ محرم ۱۱۶۸ھ کو آپ کی وفات ہوئی، اور اُجین ہی میں مدفون ہوئے، سنہ قمری کے حساب سے آپ کی عمر شریف اٹھاون ۵۸ برس کی تھی۔ اور اٹھارہ ۱۸ برس رشد و ہدایت میں مصروف رہے۔ آپ کا روضہ اجین (مالوہ ریاست گوالیار) کے محلہ نواپورہ میں واقع ہے۔

اس روضہ میں متعدد داعی آرام فرماتے ہیں۔ (۱) سیدنا ابراہیم وجیہ الدین متوفی ۱۱۶۸ھ (۲) سیدنا ہبۃ اللہ المؤید فی الدین متوفی ۱۱۹۳ھ (۳) سیدنا عبدالقادر نجم الدین ابن سیدنا زین الدین متوفی ۱۳۰۲ھ اس کے علاوہ متعدد دُعاۃ کے فرزند بھی مدفون ہیں، مثلاً مہرالدین بھائی صاحب جو صاحبِ تصنیف تھے،

یہ روضہ اجین کے رئیس اعظم سیٹھ نذر علی کے زمانہ سے اس کی تعمیر شروع ہوئی کیونکہ قدیم روضہ شکستہ ہو رہا تھا۔ روضہ از سرتا پا مجسم سنگِ مرمر ہے، اور جا بجا سنگِ سلیمانی سے کتبہ کندہ ہے، اور اکثر بیل بوٹوں کی اسی طرح پچی کاری کی گئی ہے، روضہ نہایت بلند اور شاندار ہے۔ سیٹھ نذر علی کے انتقال پران کے لائق فرزند سیٹھ لقمان جی کے ہاتھوں اسکی تکمیل ہوئی اور اپنے بزرگ باپ کی تمنا پوری کرکے سرمایہ ثواب آخرت حاصل کیا، (جزاک اللہ فی الدارین خیرا) اس کے اردگرد اعلیٰ درجہ کا مسافرخانہ تعمیر کردیا گیا ہے۔ جس سے

مسافروں کو بے حد آرام ہے۔

آپ کا ہمعصر بادشاہ محمد شاہ ہے۔ مومن خاں ۱۱۵۶ھ، مفتخر خاں ۱۱۵۷ھ، فخر الدولہ ۱۱۶۱ھ تک ناظم صوبہ گجرات کے آپ کے عہد میں ہوئے۔

(۴۰) سیدنا ہبۃ اللہ المؤید فی الدین

آپ کا نام ہبۃ اللہ، خطاب المؤید فی الدین، ۱۶؍ ربیع الاول ۱۱۲۵ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ تکمیل تعلیم غالباً اپنے والد ماجد سے کی۔ ۱۱۶۸ھ میں دعوت کے مسند پر رونق افروز ہوئے، آپ کا اخلاقی اثر اس قدر بلند تھا کہ مہاراجہ سندھیا اور ہلکر کے ساتھ مساویانہ ملاقاتیں کرتے تھے، مہاراجہ نے اجین اور رام پورہ میں مختلف قطعات زمین عطا کئے۔ اس کے علاوہ جماعت (داؤدیہ بوہروں) کو اور خصوصاً سیدنا موصوف کو معاشرتی اور سول حقوق عطا کئے۔ دیوانی اور فوجداری کا مقدمہ ان ریاستوں میں جماعت کے کسی فرد پر بغیر آپ کی اجازت کے چل نہیں سکتا تھا۔ ان کے محلوں میں بوہروں کے سوا دوسرا کوئی غیر آدمی ان کی اجازت کے بغیر داخل نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کا فرمان تامر پتر اور کاغذ پر ابھی تک موجود ہے۔ مہاراجہ سندھیا نے پالکی اور مورچھل عطا کئے، اور دیگر امراء کی طرح آپ بھی استعمال کر سکتے تھے، آپ نے دہلی کے شہنشاہ "شاہ عالم" کو بھی تحفہ بھیجا؛ جس کے جواب میں رسید خط کے ساتھ خلعت سے سرفراز کئے گئے۔ جواب خط میں سرنامہ پر سیدؑ طاہر، اعظم، معزز وغیرہ جیسے القاب سے یاد کیا گیا۔ اس کے علاوہ شہنشاہ نے بھی تحفے اور حقوق عطا کئے، یہ فرمان آج تک محفوظ ہے، اُجین کے نائب مُلا کو قاضی القضاۃ کا عہدہ بھی دیا گیا۔ اور اس سے فائدہ بھی اٹھایا جاتا تھا۔ لیکن چند دنوں سے سیاسی وجوہ کے بنا پر اس حق سے دست برداری کرلی ہے۔ سورت گورنمنٹ کے دفتر میں اصل فرمان موجود ہے، جو شاہ عالم کے

طرف سے صادر ہوا تھا۔ ۱۱۸۶ھ میں بمبئی کی گورنمنٹ نے بھی آپ کو امرا میں شامل کیا، اور آپ کے حقوق تسلیم کر لئے۔

۱۱۹۰ھ میں آپ اسلام پورہ میں تھے کہ ہمشیرہ کی علالت معلوم کر کے رات کے وقت تنہا نکل پڑے، اُجین کے قریب وفات کی خبر ملی۔ بے حد غمگین ہوئے، کچھ دنوں کے بعد اسی طرح پوشیدہ طور پر رات کو واپس آگئے۔ بات یہ تھی کہ اُجین کے حاکم رام راؤ سے اور سیدنا کے بھائی سیدی خان بھائی سے کسی معاملہ میں رنجش ہوگئی تھی اور مومنین نے ہڑتال کر رکھی تھی۔ چھ ماہ بعد حاکم مذکور نے معافی مانگی، سیدنا بھی اُجین پہنچے، حاکم نے استقبال کیا۔ کچھ دنوں کے بعد سیدنا برہانپور اور وہاں سے اورنگ آباد پھر لوٹے، اور وہاں سے ۱۱۹۲ھ میں سورت پہنچے۔ یہاں آپ نے کچھ دنوں قیام فرمایا، وہاں کا ہائی کمشنر مسٹر بریز ایک سنجیدہ آدمی تھا، سیدنا کے ساتھ بڑے خلوص سے پیش آتا۔ اکثر امور سیاسی میں آپ سے مشورہ لیتا، جب مسٹر موصوف کا تبادلہ ہوگیا اور ۱۱۹۶ھ میں مسٹر جارج آئے، تو چونکہ سیدنا مسٹر بریز کے معتمد علیہ تھے، بدیں وجہ کچھ حاسد پیدا ہوگئے، اور ان حاسدوں نے غلط بیانی کر کے جدید حاکم مسٹر جارج کو آپ کا دشمن بنا دیا۔ اور وہ تاک میں لگا رہا۔ ایک دن عصر کی نماز سے فارغ ہوئے تھے کہ اچانک سپاہیوں نے آکر گرفتار کر لیا، ملا موسیٰ امر جی بھی ساتھ تھے، سپاہی نواب سورت کے مکان پر لے گئے، اور دو دن نظر بند رکھنے کے بعد ایک لاکھ روپے کی ضمانت پر آپ کو رہا کر دیا۔ آپ نے ایک ماہ تک جعفر بھائی ابن محمد بھائی کے مکان پر قیام فرمایا۔

۲۲ محرم ۱۱۹۲ھ کو مخفی طور پر سورت سے روانہ ہو کر بیلی مہرہ (بلی مورہ) پہنچے، انگریزوں کو جب خبر ہوئی تو گرفتاری کے لئے آدمی روانہ کئے مگر ناکام واپس آئے، بیلی مہرہ کے حاکم نے آپ کا استقبال کیا۔ اور بڑی عزت سے آپ کو رکھا۔ کچھ دنوں کے بعد بوقت روانگی آپ نے

حاکم کے لئے کچھ ہدیہ بھیجا، جس کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ پھر تمام ہدیہ ساتھ لے کر سیدنا کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ ہم کو ان چیزوں کی حاجت نہیں۔ میں تو فقط آپ جیسے بزرگوں سے دعا کا خواستگار ہوں۔ چنانچہ سیدنا نے اس کے لئے دعا کی، اور واپس شدہ ہدایا خیرات کر دیئے۔

۲ صفر ۱۱۹۲ھ کو وہاں سے کوچ کیا، اور سون گڑھ میں مقیم ہوئے، کریم بھائی ابن ملا خان جی، اور خان جی ابن جعفر جی جیسے ارکان قوم اطراف سے حاضر خدمت ہو کر دو لاکھ روپے نذر کئے، اور اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ سیدنا نے شکریہ کے ساتھ واپس کیا، اور کہا کہ بوقت ضرورت تم لوگوں سے لیتا ہوں، مگر اس وقت بالکل حاجت مند نہیں ہوں۔ سب کو عزت کے ساتھ واپسی کی اجازت دی، اور خود تین ماہ چودہ دن سون گڑھ میں مقیم رہے۔ اسی جگہ بھائی صاحب قمر الدین پیدا ہوئے جس کی خوشی میں متعدد لوگوں کے رُتبے میں اضافہ ہوا۔ پھر برہانپور کے راستہ سے اُجین کی طرف روانہ ہوئے، ۲ رمضان ۱۱۹۲ھ کو اجین پہنچے، اور اپنے کام میں معروف ہوگئے۔

سیدنا شجاع الدین کے عہد میں ایک شخص اسلام پورہ (رام پورہ) کے رہنے والے مُلا قاضی خان تھے، جو اپنے وقت کے بہترین علماء میں شمار ہوتے تھے۔ ان کے لڑکے ملا حبیب اللہ بھی اپنے باپ کے صحیح خلف ثابت ہوئے۔ ان کے بعد آپ کے لڑکے شیخ لقمان جی تو بہت ہی مشہور و معروف آدمی ہوئے۔ آپ کا علم، تقویٰ، فضل، اخلاق بے مثال اور قابل تقلید تھا، ہزارہا شاگرد اور تلامذہ آپ کے پیدا ہوئے، انہیں میں سے ایک شخص اسماعیل بن عبد الرسول تھے، اور ان کا لڑکا ہبۃ اللہ تھا۔ ملا اسماعیل کو حدیّہ کا درجہ مل چکا تھا، ان دونوں نے دعویٰ کیا کہ امام زماں سے میری ملاقات ہوئی۔ داعی بلاغ عبد اللہ بن حارث نے امام کے طرف سے آکر مجھے عالم کی ہدایت کے لئے داعی بنایا ہے۔ اور اس مسئلہ پر ایک رسالہ بھی لکھ ڈالا۔ یہ خبر سیدنا کو ملی۔ اور عوام کو معلوم ہونے سے شورش کا اندیشہ ہوا۔ تو تائب ہو کر سیدنا المؤید کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے

بھی فراخدلی سے معاف کردیا۔

کچھ دنوں کے بعد رات کو خاموشی سے باپ اور بیٹا دونوں بھاگ گئے۔ اور لوناواڑا پہنچے۔ لوناواڑا کے مومنوں نے حاکم سے جاکر کہدیا کہ اُجین کے چور میرے محلہ میں آکر ٹھہرے ہیں۔ جلد پکڑلو، ورنہ بھاگ جائیں گے۔ چنانچہ اس نے پکڑ کر قید کردیا۔ مُلا اسماعیل کا ماذون لالہ نامی ایک شخص کو قید کی خبر پہنچی جو اُجین سے اسلام پورہ اور وہاں سے چل کر چانپا نیر میں عبدالنبی کے یہاں مقیم ہوا تھا۔ عبدالنبی کی سفارش سے حاکم نے ان کو رہا کردیا۔ اور عبدالنبی نے بڑے احترام اور عزت سے گھر لاکر اپنا مہمان بنایا۔ کچھ دنوں کے بعد عبدالنبی نے خواب میں دیکھا جس میں اس کو اسماعیل سے کنارہ کش ہونے کی ہدایت تھی۔ بیدار ہوکر ان سب کو مقید کیا۔ اور نوکر کو حکم دیا کہ جنگل میں لے جاکر ان سب کو قتل کرڈالو۔ ملا اسماعیل نے نہایت عاجزی سے کہا کہ قتل سے کیا فائدہ، بہتر یہ ہے کہ ہم کو سیدنا کے پاس لے چلو پھر جیسا کہ سیدنا کا حکم۔ اس رائے کو پسند کرکے عبدالنبی نے سب کو سیدنا کے پاس پہنچادیا۔ سیدنا نے سب کو قید سے رہائی دی، اور تجدید میثاق کرکے امن سے رہنے کی اجازت دی۔ کچھ دنوں کے بعد پھر ان سے ایسے افعال سرزد ہوئے کہ جس سے مومنین نے تنگ آکر ان کے قتل کی اجازت مانگی، مگر سیدنا نے نہ دی۔ عوام موقع کے منتظر رہے، یہاں تک کہ ایک دن یہ دونوں کہیں باہر نکل آئے۔ لوگوں نے دیکھ پایا۔ دونوں کی خوب مرمت کی۔ ملا اسماعیل تو بھاگ نکلے، مگر ہبتہ اللہ کی ناک کسی نے کاٹ لی۔ سیدنا کو جب اس معاملہ کی خبر ہوئی تو ناخوشی کا اظہار کیا۔ اور ان دونوں کو بلاکر ان کے کھانے اور پینے کا پورا بندوبست کیا۔ اور ہبتہ اللہ کی ناک کا علاج کروایا، یہاں تک کہ تندرست ہوگئے۔

ایک رات موقعہ دیکھ کر یہ لوگ محمد پور بھاگ آئے۔ اور وہاں کے حاکم نے ان دونوں کو پناہ دی جس سے ان دونوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اور پھر آہستہ آہستہ تمام پیرو محمد پور میں

جمع ہوگئے۔ ملا اسماعیل نے ایک رسالہ الوضیہ فی ماجریٰ من نادر القضیہ، تحریر کیا جس میں تفصیل سے امام کی ملاقات اور داعی البلاغ پر فائز ہونے کے حالات بیان کئے۔ انہیں دنوں شیخ علی بن سعید یمنی اور ہبتہ اللہ بن ولی محمد نے ملا اسماعیل اور ان کے لڑکے ہبتہ اللہ کی تعریف اور توصیف میں دو رسالے لکھے۔ ملا اسماعیل اور ہبتہ اللہ المؤید فی الدین کو داعی تسلیم کرتے تھے، لیکن آخر میں انکار کردیا اور اسی طریق پر ان کے معتقدین رہے یہاں تک کہ سیدنا زین الدین کے عہد میں اس فرقہ کا خاتمہ ہوگیا۔

۲۵ر شوال ۱۱۷۸ھ میں سیدنا المؤید اُجین سے اودے پور، وہاں سے رتلام، اور پھر سلانہ، مندسور، پرتاب گڑھ ہوتے ہوئے اودے پور واپس تشریف لائے، اور سات ماہ مقیم رہ کر ۶ر رجب ۱۱۷۹ھ اُجین پہونچے۔ اور اپنے ماذون خان بھائی صاحب کو شاہجہان پور سیرونج، وغیرہ گاؤں میں بغرض اصلاح و ہدایت روانہ فرمایا۔ اور خود اپنے وطن اسلام پورہ کی طرف، ۲۲ر شوال ۱۱۸۱ھ میں پہنچے۔ اسی جگہ آپ کے مکاسر عبد موسیٰ کلیم اللہ ابن سیدنا اسمٰعیل بدرالدین کے وفات کی خبر ملی۔ نہایت مغموم ہوئے، لیکن جب آپ کے ماذون خان بھائی صاحب اسلام پورہ آئے تو آپ کو تسکین ہوئی۔ انہیں دنوں آپ نے اپنے رشتے کے بھائی صاحب فخرالدین کا ختنہ کرایا جس میں بہت تکلف سے کھانا کھلایا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد ۱۴ر ذوالحجہ ۱۱۷۸ھ مندسور روانہ ہوئے۔ پھر کھاچ رود آئے، بعدہ پٹلاد گئے، اس کے پیچھے مجھرہ، خیرگوں ہوتے ہوئے ۹ر صفر ۱۱۷۹ھ برہان پور میں قدم رنجہ فرمایا۔ یہاں چھ ماہ قیام فرمایا، خرابادی بازار میں زمین خرید کر ایک حویلی تعمیر کرائی۔ اور برہان پور کی ندی کے متصل ایک بے نظیر باغ تیار کرایا۔ اسی جگہ بائی صاحبہ اللہ رکھی پیدا ہوئیں۔ ۲۰ر شوال کو یہاں سے روانہ ہوکر یکم رمضان المبارک ۱۱۷۹ھ اورنگ آباد پہنچے، اور تمام ماہ قیام فرمایا، شہر کا حاکم سہراب جنگ

جنگ تھا۔ آپ کے حالات بغور دیکھتا رہا، اور بالآخر اس کی نیت بگڑی، آپ کو گرفتار کرنا چاہا، لیکن خبر لگتے ہی سیدنا ۲ر شوال کو دولت آباد روانہ ہو گئے، وہاں کے قلعہ دار نے بڑی عزت کی۔ حاکم نے ایک قطعہ زمین نذر کیا، جہاں آپ نے ایک محلہ آباد فرمایا، یہاں دو کانوں کے علاوہ ایک مسجد بھی تعمیر فرمائی، اس جگہ دو ماہ آپ مقیم رہے، سہراب جنگ کو جو اس کی خبر لگی تو بہت پیچ و تاب کھایا، آخر دولت آباد کے حاکم کو لکھا کہ سیدنا کو گرفتار کرلو، مگر اس نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ انھیں دنوں سہراب جنگ کا لڑکا بہت علیل ہو گیا، اطبا عاجز آ گئے، زخم پر زخم پشت پر نکلتا تھا۔ (غالباً سرطان تھا) غفلت کے بعد جب ہوشیار ہوا تو باپ سے کہا کہ مجھے ایک شخص نظر آیا جو یہ کہتا تھا کہ تم نے سیدنا کے ساتھ جو بدسلوکی کی ہے، اسی کا یہ نتیجہ ہے۔ سہراب جنگ نے ایک معذرت نامہ تحفہ اور ہدایا کے ساتھ ایک آدمی کے معرفت ارسال کیا اور اورنگ آباد طلب کیا۔ آپ متردد تھے کہ سہراب جنگ خود پہنچا، اور لجاجت سے استدعا کی کہ غریب خانہ کو رونق بخشیں، آپ نے قبول فرمایا، اور بڑی شان سے شہر میں آپ کا داخلہ ہوا، ایک پیالہ پانی کا منگوا کر اس لڑکے کو پلا دیا، اور چند قطرے اس کے ناسور پر بھی ڈالے، اس طرح تیسرے دن اللہ نے لڑکے کو شفا بخشا۔ اور اس قابل ہو گیا کہ اپنے باپ کے ساتھ سیدنا کی خدمت میں سلام کے لئے حاضر ہوا۔ اس کا تمام مسلمانوں پر بڑا گہرا اثر پڑا۔ اور ہر شخص سیدنا کی عزت کرنے لگا۔ آپ اسی جگہ مقیم تھے کہ اُجین سے خطوط آنے لگے۔ کہ یہاں فسادِ عظیم برپا ہو گیا ہے۔ اس لئے جلد تشریف لائیے۔ چنانچہ ۱۴ر ذوالحجہ ۱۱۷۹ھ کو دون گاؤں، پہنچکر مولائی نورالدین کے قبر کی زیارت کی۔ وہاں سے راکس بھون، کے راستہ شاہ گڑھ ہو کر جالنہ آئے۔ ۷ر محرم ۱۱۸۰ھ برہان پور پہنچے۔ ۲۲ر محرم کو روانہ ہو کر ۲ر صفر ۱۱۸۰ھ اُجین آئے، آپ کے پہنچتے ہی ہر طرح سے امن و امان ہو گیا۔ ۱۶ر ربیع الاول ۱۱۸۰ھ

کو بڑے دھوم سے آپ کی سالگرہ منائی گئی۔ اور مستحقین کو درجہ حدیتہ عطا ہوا جس کا اعلان ۲۷ر رجب ۱۱۸۰ھ میں کیا گیا۔ ماہ شوال میں اپنے صاحبزادوں کی بڑے دھوم سے شادی کی۔ خان بھائی صاحب جو آپ کے برادر حقیقی بھی تھے، اور ماذون بھی، آپ کے حکم سے اندور گئے، ایک ماہ چار دن ہوئے تھے کہ ۱۲ر شوال ۱۱۸۵ھ میں آپ پر فالج کا حملہ ہوا۔ پالکی میں سوار کر کے لئے آ رہے تھے کہ وفات ہو گئی سیدنا کو بے انتہا رنج ہوا۔ گویا کمر ٹوٹ گئی۔ سیدنا نے جب سے سورت کا قیام ترک کیا لوگ آپ سے ملنے کے بے حد مشتاق تھے۔ برابر خطوط اور عرضیاں آ رہی تھیں۔ اس لئے آپ نے سورت کے عامل شیخ فاضل شاہ ملک کو تحریر فرمایا کہ بمبئی جا کر گورنر سے ملو، اور سورت کے ہائی کمشنر سے میرے لئے سفارش کراؤ۔ اور کونسل کی ممبری کے لئے بھی کوشش کرو۔ چنانچہ گورنر سے ملنے پر تمام معاملات طے ہو گئے۔ گورنر نے سورت کے کمشنر کو آپ سے بہتر سلوک کرنے کا آرڈر دیا۔ اور آپ کا نام اول نمبر کے سرداروں میں لکھ لیا گیا۔ جب آپ کو اس کی اطلاع ہوئی تو یکم ربیع الثانی ۱۱۸۶ھ کو سورت تشریف لائے، اور باطمینان قیام فرمایا، ماہ رمضان میں بھائی صاحب شمس الدین بن خان بھائی مرحوم ماذون سابق کو بمبئی کا عامل بنایا۔ نور بھائی بن موسیٰ جی کو جو فرقہ علیہ کے مکاسر تھے، اور آپ کے دامن سے وابستہ ہو گئے تھے، حدیتہ کے مرتبہ پر پہنچایا۔

۶ر شوال ۱۱۸۶ھ کو سورت سے گھوگھہ ہو کر بھاؤ نگر پہنچے۔ اور اسی جگہ ذوالحجہ کو بھائی صاحب عبداللطیف ماذون الحال کے ساتھ نوانگر میں آئے، پھر وہاں سے موربی، وانکانیر وغیرہ کا سفر فرما کر واپس نگر تشریف لائے، کچھ عرصہ کے بعد مانڈوی تشریف لے گئے اور کچھ کی تمام زیارتوں سے فارغ ہو کر نوانگر واپس آئے، پھر نگر سے بھاؤ نگر، گھوگھہ، بھروچ، دوحد آئے، ۲۷ر محرم ۱۱۹۰ھ میں بمقام اُجین پہنچ گئے۔ اُجین میں مودی کے سپاہیوں سے بعض بوہروں کی تکرار ہوئی اور پھر فساد تک نوبت پہنچی۔ آپ کے حکم سے تمام دوکانیں بند ہو گئیں، اور مکمل ہڑتال ہو گیا۔ سیدنا

نے بھائی صاحب اسماعیل کو مہاراجہ سندھیا کے پاس بھیجا' اس نے تحقیقات کرکے سپاہیوں کو کافی سزادی۔ لوگوں نے بھی ہڑتال ختم کی۔ ۶؍شوال ۱۱۹۱ھ میں اُجین سے اسلام پورہ آئے' اور عبدالکریم بن ملا خان جی بھائی کے بچوں کی شادی میں شرکت فرمائی۔ ۱۰؍ربیع الاول ۱۱۹۱ھ اُجین واپس آئے، اور یکم جمادی الثانی کو روانہ ہوکر برہان پور تشریف لے گئے' اور وہاں سے واپس آکر اسلام پورہ کے ایک باغ میں کچھ لوگوں کے ساتھ تشریف فرما تھے، کہ یکایک درد شکم ہوا۔ اسی حال میں گھر آئے، تین دن علیل رہے۔ پھر صحت غسل فرماکر جشن صحت برپا کیا۔ شکرانہ میں چند لوگوں کو حدیتہ کا مرتبہ عنائت ہوا۔ ماذون، مکاسر، راس الحدود کے علاوہ سترہ عہدہ دار حدیتہ کے مرتبہ پر آپ کے عہد میں موجود تھے۔

آپ نے دورہ کا پھر ارادہ فرمایا۔ اور بڑودھا، کھیری، جاطہ، نیمچ، اسلام پورہ، آگرہ، گنگرار، اور پھر ۱۲؍ذوالحجہ کو اُجین پہنچے۔ یہاں سرونج جانے کے لئے سوار ہوئے، ۲؍محرم ۱۱۹۳ھ شہر سے باہر نکلے کہ شکم میں درد کا اسقدر سخت دورہ ہوا کہ واپس آگئے۔ پانچ دن تک آپ بے ہوش رہے۔ ۶؍محرم کو حالت مایوس کن ہوگئی۔ تو نص کے متعلق آپ سے سوال کیا گیا' عبدالطیب بن سیدنا بدرالدین کا نام آپ نے لیا۔ سیدی عبدالطیب بھی نگر سے پہنچ گئے۔ سیدنا کو کچھ افاقہ ہوا تو آپ نے باقی اولاد کے شادی کا عزم فرمایا' لوگوں نے عرض کیا کہ حضور کے صحت یاب ہونے کے بعد مناسب ہوگی۔ سیدنا نے فرمایا کہ مملوک آل محمد شادی کے بعد دنیا سے رخصت ہوجائے گا۔ چنانچہ آپ نے سب کی شادی کردی۔ تمام مہمان اور عمال کو شاہانہ تحائف کے ساتھ رخصت فرمایا۔ یکم جمادی الثانی کو ملا داؤد بھائی بن محمد حسن نے اپنے برادرزادے کا ختنہ کرایا' اور ولیمہ میں شرکت کے لئے آپ کو مدعو کیا۔ آپ نے علالت کا عذر فرمایا۔ مُلا صاحب کو افسوس ہوا۔ تو سیدنا ان کے دل رکھنے کے لئے پالکی پر سوار ہوکر چلے، راستہ میں پھر

شکم کا دورہ ہوا' یہاں تک کہ ملا صاحب کے مکان پر پہنچکر ضعف سے اتر نہ سکے، تھال لایا گیا' ایک لقمہ تبرک کے طور پر نوش فرماکر واپس آئے، دو ماہ تک آپ علیل رہے۔ یکم شعبان ۱۱۹۳ھ بمقام اُجین وفات پاگئے۔ آپ کے تجہیز کے والی شیخ فاضل عابد ہوئے۔ اور نماز کے والی شیخ فاضل یوسف بھائی تھے۔ آپ کا مزار اُجین ہی میں مرجع خلائق ہے۔

آپ کے پاکیزہ اخلاق میں جود وکرم، صبر وتحمل، عفت و دیانت، خصوصیت سے نمایاں تھیں۔ ہر جمعہ کو مجلس وعظ منعقد فرماتے تھے اور مسائل فقہ خصوصاً زیادہ بیان فرماتے تاکہ عوام اس سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ اور چونکہ آپ قدرتاً فصیح اللسان تھے' اس لئے آپ کا وعظ پُر تاثیر ہوتا' آپ کے چہرہ سے وقار نمایاں تھا' سیر وتفریح کے لئے ہمیشہ تنہا نکلتے۔ جب اُجین میں تشریف لائے، تو ایک بازار' ایک عالیشان مسجد' اور ایک باغ تیار کرایا' تقریباً چھبیس ۲۶ برس مومنین کی ہدائت میں مشغول رہے۔

سیدنا کے وقت کا ایک تاریخی واقعہ قابل تحریر ہے، محمد شاہ (۱۱۳۱ھ – ۱۱۶۱ھ) کے وقت میں مرکزی حکومت (دہلی) میں اسقدر ضعف آگیا تھا کہ اس کے سبب سے تقریباً تمام صوبے خود مختار ہوگئے۔ ناظم گجرات کے ماتحت نائب کی حیثیت سے تیغ بخت خان سورت کا متصدی تھا۔ اس نے بھی فرمانبرداری کا جوا آتار پھینکا' اس کے مرنے پر اس کا بھائی محمد صفدر خاں سورت کا حاکم مطلق العنان بنا۔ اس زمانہ میں سید معین الدین عرف اچھن' اور سید ضیاء الدین عرف مچھن' دو برادر تھے۔ سورت پر حملہ آور ہوئے مگر شکست کھاکر پسپا ہوئے۔ مچھن صاحب نے تو شرمساری سے خودکشی کرلی۔ اور سید اچھن نے دوبارہ حملہ کیا' اور بدقسمتی سے پھر شکست کھائی اب سید صاحب نے دوسری تدبیر کی' یعنی مرہٹوں کے نائب ملھار راؤ کے لشکر کے ذریعہ سورت پر قابض ہوگئے۔ لیکن خود ملھار راؤ کو جبکہ اس کی فوج سورت کو لوٹ رہی تھی' کسی نے اس کا کام

تمام کردیا۔ اب سید اچھن صاحب سورت کے حاکم تھے۔ مگر بدقسمتی سے سوائے مسٹر لیپ کے جو انگلش کمپنی کے منیجر تھے کوئی اُن سے راضی نہ تھا۔ خوش قسمتی سے حافظ مسعود ایک ہوشیار آدمی سورت میں موجود تھے، سید صاحب کو ان سے بڑا خطرہ تھا۔ اور آخر کو یہ خطرہ صحیح ثابت ہوا یعنی وہاں کے سب لوگوں نے ان سے مشورہ کرکے صفدر محمد خاں کو جو سندھ چلا گیا تھا واپس بلالیا۔ مجبوراً سیادت مآب جناب سید معین الدین عرف اچھن صاحب کو سورت سے پونہ جانا پڑا۔ اس وقت محمد شاہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ ۱۱۶۱ھ میں احمد شاہ تخت نشین ہوا۔ چھ برس کے بعد ۱۱۶۷ھ میں احمد شاہ کی جگہ عزالدین عالمگیر ثانی کو غازی الدین عماد الملک نے تخت نشین کیا۔ ادھر سورت میں صفدر خاں کے بعد صفدر الدولہ عرف نواب خاں حاکم ہوئے۔ اور ان کے بعد خوش قسمتی سے پھر سیادت مآب جناب سید معین الدین عرف اچھن صاحب سورت پر قابض ہوگئے، نواب صاحب کے عہد میں چونکہ خانہ جنگی سے خزانہ خالی ہوگیا تھا، اور عام مسلمانوں کی قوت بازو سے ان کے خاندان کو دوبارہ حکومت ملی تھی۔ اس لئے مومنین پر ایک خاص قسم کا ٹیکس عائد کیا۔ تاکہ خزانہ پُر ہو۔ اور مومنین کی مسجدوں میں سرکاری امام مقرر کیا۔ تاکہ عام مسلمان خوش ہو جائیں۔ لیکن اس کا اثر یہ ہوا کہ مومنین سخت ناراض ہو کر ترکِ وطن پر آمادہ ہوگئے۔ اسی عرصہ میں (۱۱۷۲ھ) محمد ہادی خاں بندر گاہ کا محتسب ہو کر آیا۔ اس نے تمام کاغذات کو دیکھ کر کے مومنین کے خلاف تمام احکام منسوخ قرار دیئے۔

وہ دستاویز مندرجہ ذیل ہے

استغفت

خادم شرع محمد رسول الله مفتی نصر الله
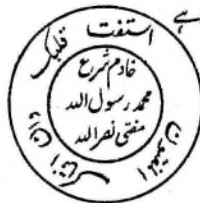
سند بہ مہر محمد ہادی خاں و فارس خاں و
نورالدین علی خاں مرحومین، و محسن علی خاں و
محمد فخرالدین، و عبدالقادر چلبی و صالح چلبی و

فضل علی خاں، مہری نیابت خاں و ملا محمد خاں
و محمد رضا و محمد خان جہاں، و خواجہ الفت، و
نیک ساعت خاں و بہرہ مند خاں، بتاریخ
غرہ شہر رجب ۱۱۷۲ھ آنکہ، ایں ذکریست
درمیاں آنکہ بندر درگاہ محمد ہادی خاں تعلقہ
احتساب بندر مبارک سورت از پیشگاہ خلافت
جہانبانی سرفرازی دارد، دریں ولا بندہ از حضور
پُرنور، بہ بندر مسطور رسیدہ از سررشتہ احتساب
مطلع گشتہ، کہ مبلغ یکصد و پانزدہ روپیہ از قوم
بوہرہ سال بہ سال بصیغہ نذرانہ موافق معمول
ماضی می گیرند چوں قوم بوہرہ جماعت مسلمین جمیع
وجوہ بصلاح و عبادت و پنجگانہ نماز مقید و
سرگرم می باشند، وعمال سابقین از رہ ظلم و
شقاوۃ بر جماعت مزبور بدعت ساختہ، بندہ مبلغ
مذکور را صریح حرام و لحم خنزیر برخود دانستہ،
بتصدق فرق مبارک خلیفۂ آفاق، ورفع
بدعت از قوم مسطور معاف کردہ، بعد ازیں

ترجمہ اردو

سند جس پر محمد ہادی خاں و فارس خاں و
نورالدین علی خاں مرحومین[1] اور محسن علی خاں،
محمد فخرالدین، عبدالقادر چلبی، صالح چلبی، فضل
علی خاں مہری نیابت خاں، ملا محمد خاں، محمد
رضا، محمد خان جہاں، خواجہ الفت، نیک ساعت
خاں، بہرہ مند خاں، کی مہریں ثبت ہیں اور جو
یکم رجب ۱۱۷۲ھ کو لکھی گئی۔ اس میں یہ بیان
مذکور ہے کہ خلافت جہاں پناہ کی بارگاہ سے
بندہ درگاہ محمد ہادی کو بندرگاہ سورت کا صیغہ
احتساب سپرد کیا گیا ہے اور جب حضور پُرنور سے
رخصت ہو کر بندرگاہ مذکور میں پہنچا، تو محکمہ
احتساب کے کاغذات دیکھنے سے معلوم ہوا کہ
بوہرہ قوم سے ہر سال ایک سو پندرہ روپے
بطور نذرانہ معمول وصول کئے جاتے ہیں۔ چونکہ
بوہرہ قوم مسلمانوں کی ایک جماعت ہے جو ہر
لحاظ سے امن پسند ہونے کے ساتھ پنجگانہ نماز

[1] معلوم ہوتا ہے کہ یہ سند بھی اصل سے نقل کی گئی ہے۔ ورنہ "مرحومین" کا لفظ نہ ہوتا۔

مَن دہن بعد مَن ہر کس برین کار احتساب مامور باشد، وازین جماعت یک روپیہ بصیغہ نذرانہ سالیانہ بگیرد، دشمن خدا و رسول اللہ خواہد بود۔ جمیع سادات واعیان ومتصدیان حال و استقبال سلطنت، این تسطیر سند وتمسک را اعتبار نمودہ مواہیر خود ہا برین قرطاس نمائند عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور خواہد بود۔

اور عبادت الہی میں مشغول رہتی ہے، اور سابق عمال حکومت نے ظلم و شقاوت کی بنا پر سالیانہ وصول کرنے کی ایک بدعت جاری کی تھی، اس لئے اس بندہ نے مبلغ مذکور لحم خنزیر کی طرح اپنے اوپر حرام سمجھا، اور خلیفہ آفاق کے سر پر تصدق کرکے، بدعت مذکور رفع کرنے کے لئے قوم مذکور سے سالیانہ معاف کردیا، اس لئے اب اس کے بعد میں خود، یا میرے بعد کوئی اور جو احتساب کے محکمہ پر مامور ہو، اور جماعت مذکور سے ایک روپیہ بھی بطور نذرانہ سالیانہ وصول کرے تو وہ خدائے تعالےٰ اور رسول اللہ کا دشمن ہوگا۔ تمام سادات، اعیان حکومت، متصدیان موجودہ و آئندہ اس تمسک کو معتبر سمجھ کر اس پر اپنی مہریں ثبت کردیں اور عند اللہ ماجور اور عند الناس مشکور ہوں۔

کچھ دنوں کے بعد ایک تصدیقی سند اس کی لی گئی۔ کیونکہ حاکم موصوف کا انتقال ہوگیا تھا۔ اور خطرہ تھا کہ موجودہ حکمران میر حفیظ الدین عالم خاں، پھر کچھ کر نہ بیٹھیں، اس لئے جو لوگ اس وقت زندہ تھے، اور جن کے سامنے کا واقعہ تھا ان کی بھی مہریں لی گئیں۔ محضر نامہ مندرجہ ذیل ہے،

باعث تحریر این سطور آنکہ امارت وایالت دستگاہ مرتبت وشریعت پناہ،

واہل تقویٰ وسادات عظام، مشائخ کرام، وتجار ذوی الاحترام، وبیوپاریان وجمیع جمہور سکنہ بندر مبارک سورت مطلع و واقف اند، کہ جماعت قوم مامردم بواہیر از مدت مدید درین شہر سکونت داریم، ومساجد بنا نمودہ وملایان قوم خود امام وموذن مقرر میداشتیم، واحدے مانع ومزاحم مردم نبود۔ کہ ارباب اغراض وغمازان بنوع دیگر در سرکار متصدیان ظاہر ساختہ اماماں از سرکار در مساجد مقرر کنانیدند۔ ونذرانہ سالیانہ علاوہ آن نہادند۔ بظہور این معنے اکثر بواہر قوم مامردم کہ بیوپار شائستہ می کردند، جلا وطن گردیدند، وملایان وبیوپاریان قوم ما بہ سبب عدم تجارت وبیوپار وپریشانی احوال می خواستیم، کہ جلا وطن شویم، متصدیان نظر بہ رعیت پروری، وافزونی تجارت دانستہ ملایان سرکاری را از مساجد موقوف ونذرانہ سالیانہ معاف نمودند، واز رہ فضل وکرم فرمودند، کہ بکشادہ پیشانی بخانۂ خود ہا آبادہ بودہ بفراغ خاطر بہ کسب پیشۂ خود ہا مشغول بودہ در تجارت وبیوپار مقید وسرگرم باشند، احدے آئندہ مزاحم ومتعرض احوال شما نخواہد شد، انشاء اللہ تعالےٰ ہرچند بیوپار وتجارت افزوں خواہند کرد ترقی بیوپار باب بیت اللہ بظہور خواہند آورد، رعائت ومراعات بہ عمل خواہد آمد، لہٰذا ہر کس کہ برین معنے اطلاع داشتہ باشد حسبتہً للہ مہر وشہادت برین قرطاس ثبت نمائد، کہ عند اللہ ماجور وعند الناس مشکور خواہد شد۔

ترجمہ

ان سطور کے تحریر کا باعث یہ ہے کہ امارت وایالت دستگاہ، مرتبت وشریعت پناہ، فتویٰ صادر کرنے والے، سادات عظام، مشائخ کرام، تاجران ذوی الاحترام

دوکاندار، اور تمام باشندگانِ شہر سورت، واقف اور مطلع ہیں، کہ ہماری جماعت
(فرقہ بوہرہ شیعہ) ایک مدت مدید سے اس شہر سورت میں سکونت پذیر ہے۔ اور
اپنی مسجدیں بنواکر، ان میں اپنی طرف سے ملاؤں اور مؤذنوں کا تقرر کرتی ہے۔ اور
اس معاملہ میں نہ کوئی شخص دخل دیتا تھا نہ مزاحمت کرتا تھا، لیکن بعض غرض پرست
چغل خوروں نے اس بات کو سرکار متصدیوں کے سامنے ایک نئی صورت میں
پیش کیا جس سے سرکار کی طرف سے ہماری مسجدوں میں پیش امام مقرر کئے گئے
اور سالانہ ٹیکس بھی لگایا گیا، اس واقعہ کے ظہور میں آنے سے اکثر ہماری قوم
کے وہ لوگ جو بڑے پیمانہ پر تجارت کرتے تھے جلاوطن ہوگئے۔ اور ہمارے ملا
اور بیوپاری بسبب عدم تجارت و پریشانی ترکِ وطن کا ارادہ رکھتے تھے لیکن
متصدیوں نے بہ نظر رعایا پروری اور بخیال ترقی تجارت ہماری مسجدوں سے
سرکاری اماموں کو موقوف کردیا، اور سالانہ ٹیکس بھی معاف کردیا، اور مہربانی
سے فرمایا کہ تم لوگ (فرقہ بوہرہ شیعہ) کشادہ پیشانی سے اپنے گھروں میں آباد
رہو۔ اور فراغ دلی کے ساتھ اپنے پیشہ میں مشغول رہ کر تجارت میں سرگرم رہو۔
آئندہ کوئی شخص تمہارے معاملات میں دخیل نہ ہوگا۔ انشاءاللہ تمہاری تجارت
میں جس قدر ترقی ہوگی، اتنا ہی باب بیت اللہ (سورت) کی تجارت کو فروغ
حاصل ہوگا۔ تمہارے ساتھ خاص رعائت عمل میں آئے گی۔ پس اس لئے
جو شخص اس بات سے واقف ہو، حسبتہً للّٰہ اس کاغذ پر اپنی مہر اور گواہی
ثبت کرکے عنداللہ ماجور اور عندالناس مشکور ہو۔ الخ

اس تحریر کے نیچے مندرجہ ذیل مہریں درج ہیں:

قاضی ابوالحسن ۔ مفتی نصراللہ ۔ معین الدین خاں ۔ نجم الدین عثمانی ۔ فارس خاں ۔ سید علی عید
روس ۔ فخرالدین ۔

آپ ہی کے عہد میں سیدی و مولائی لقمان جی ابن داؤجی صاحب تھے، پاکیزہ سیرت
متقی، عالم اور اردو زبان کے خوش گو شاعر تھے، متعدد کتابیں منظوم تحریر فرمائیں، سنسکرت
پر بھی آپ کو عبور تھا۔ غالباً آپ بوہرہ داؤدیہ قوم میں اردو کے پہلے شاعر ہیں۔ گجراتی میں بھی اشعار
کہتے تھے، اور تخلص "جیو" تھا۔ اردو نظموں میں آپ کا تخلص "لقمان" ہوتا، آپ متعدد کتابوں
کے مصنف بھی تھے۔ سیدنا کے طرف آپ درجہ "ماذون" پر ممتاز تھے، ۱۱۷۷ھ میں بمقام اودے
پور وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ آپ کا روضہ شہر اودے پور (میواڑ) کے اندرون شہر محلہ
وجیہ پور میں واقع ہے۔

آپ کے عہد میں سب سے پہلا انگریز ہندوستان کا گورنر جنرل "ہیسٹنگز" ہوا۔
اور تمام گجرات پر مرہٹوں کا قبضہ تھا۔

(۴۱) سیدنا عبدالطیب زکی الدین سوم

عبدالطیب نام، زکی الدین لقب، ابن سیدنا اسماعیل بدرالدین (ق س)، آپ صرف چار برس
کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ شعبان ۱۱۹۳ھ میں آپ کو داعی کا رتبہ عطا ہوا۔ آپ خاندان جام نگر
سے تھے، مگر برہان پور میں مقیم رہے۔ صرف دس سال کے تھے جب آپ حافظ قرآن ہوئے، اور علم
تجوید کے ماہر تھے۔ خوشنویسی میں بھی آپ کو کمال تھا۔ علوم درسیہ حاصل کرنے کے بعد سیدنا ابراہیم
وجیہ الدین سے تکمیل تعلیم فرمائی۔ نہایت متقی بڑے ذہین اور طباع تھے، شباب سے قبل آپ
نے علوم وفنون میں کمال حاصل کرلیا۔ آپ اپنی طباعی سے اسقدر محبوب ہوگئے تھے کہ جدھر نکل جاتے

لوگوں کی نگاہیں آپ کی طرف اٹھ جاتیں، علمائے وقت قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اسی باعث خان بھائی صاحب سے جو عہدہ ماذون پر سرفراز تھے سیدنا فرمایا کرتے کہ عبدالطیب کو فرزندے زیادہ عزیز رکھتا ہوں، اور ان کے علم واجتہاد سے خوش ہوتا ہوں۔ میرے بعد یہی داعی ہونگے عبدموسیٰ حکیم الدین جو آپ کے برادر کلاں تھے، کہتے تھے کہ عبدالطیب دریائے علم ومعرفت اور فضل و بزرگی میں بڑے ہیں۔ آپ ہمیشہ مسجد میں نماز ادا فرماتے، اور رات عبادت میں گزارتے۔ ہر پنجشنبہ کو وعظ فرماکر علوم اہل بیت بیان کرتے۔ سیدنا المؤید کے انتقال کے وقت آپ مندرہ میں تھے، وہاں سے نگر آئے اور اپنے لڑکوں کی شادی کی نگر سے سورت آئے اور عرصہ تک یہاں مقیم رہے۔

آپ کے عہد کا مشہور واقعہ یہہ ہے کہ مانڈوی (کچھ) میں آپ نے ایک زمین خریدی۔ جب عمارت کے لئے بنیاد کھودی گئی تو ایک دیگ اشرفیوں سے بھرا نکلا، جس میں ایک تامر پتر بھی تھا۔ پنڈتوں اور بھاٹوں کو طلب کرکے اس کو پڑھایا، جس شخص کا نام نکلا، اس کے خاندان کو تلاش کرایا، چانپانیر میں ایک غریب کاشتکار کا پتہ چلا، خرچ بھیجکر اس کو طلب کیا، اور کل مال جو ۵۰ ہزار اشرفیاں تھیں، اس میں پانچہزار اشرفیوں کا اضافہ کرکے اس کے حوالہ کیا، اور بحفاظت تمام اس کے گھر تک پہنچادیا۔ جب اس کی خبر راجہ کو ملی تو اس نے ضبطی کا حکم دیا، وزیر نے سمجھایا کہ لوگ کیا کہیں گے؟ کہ مُلا صاحب نے تو دیدیا اور راجہ نے چھین لیا۔ راجہ نے بھی اپنا ارادہ ملتوی کردیا شعراء نے آپ کے فضائل میں بہت قصیدے کہے، بعض قصیدے کے دو شعر مندرجہ ذیل ہیں :-

اذا کان ذو فضل من القوم فلیلا — کاولاد بدرالدین بیض الشمائل
فلا خیر فی مرءٍ رفیعٍ مقامہ — واولاد مثل الحصا والجنادل

ترجمہ :- جب کوئی سربلند قوم میں سے ہو تو چاہیئے کہ اولاد بدرالدین

جیسے پسندیدہ اخلاق کے بچے پیدا کرے، اور ایسے شخص میں کوئی خوبی نہیں جو باوجود اعلیٰ پایہ کے اس کی اولاد کنکر اور پتھر جیسے ہوں۔

ملا اسماعیل اور ان کے لڑکے ہبتہ اللہ مجدوع نے ایک خط سیدنا کو لکھا، جس میں آپ کی مدح وثنا کے بعد اپنی دعوت کی تصدیق چاہی تھی، اور سیدنا المؤید کے خلاف تحریر کیا تھا۔ سیدنا نے اس کا جواب بڑی تفصیل سے دیا، اور سیدنا المؤید کے فضائل تحریر کئے اور ملا مذکور کے دعوت کی پُرزور تردید کی۔

آپ کے عہد میں شیخ آدم صفی الدین ماذون، اور یوسف نجم الدین مکاسر تھے، عہد سابق میں شیخ ولی بھائی جو دیوان تھے آپ کے وقت میں حدیہ سے سرفراز ہوکر عہدہ وزارت پر مامور ہوئے۔ نماز صبح کے بعد سورۂ یٰسین اور دعاء "اِنَّ اللّٰہ" پڑھنے کا دستور آپ ہی نے قائم فرمایا۔ آپ نے سورت سے شیخ فاضل حبیب اللہ بن نعمان جی کو برہان پور بھیجا، اور ایک عالیشان عمارت تعمیر کرائی۔ جب اس کی اطلاع آپ کو ہوئی تو سورت سے برہان پور چلے، مگر راستہ میں ڈاکوؤں کے سبب سے واپس نگر ہوئے۔ جب راجہ اُجین اور پیشوا سے راستہ کے امن وامان کا اطمینان ہوگیا، تو ۱۱۹۹ھ میں نگر سے برہان پور پہنچے۔ کل ۶½ برس امور دعوت انجام دینے پائے تھے کہ ۲ صفر ۱۲۰۰ھ میں وفات پاگئے۔

گجرات میں اسوقت گائکوار کی حکومت تھی، ماناجی ۱۱۹۹ھ/۱۷۸۴ء آپ کا ہمعصر تھا۔ آپ کے عہد میں دوسرا گورنر جنرل انگریز "کارن والس" ہوا۔ آپ کا مقبرہ برہان پور سے دو میل پر موضع شاہدرہ میں واقع ہے، اس مقبرہ میں تین عالیشان روضے ہیں۔

(۱) سیدی ومولائی عبدالقادر حکیم الدین ابن سلاخان کا مزار (۲) سیدنا عبدالطیب زکی الدین ابن سیدنا اسماعیل بدرالدین کا مزار، جس میں متعدد قبریں دوسری بھی ہیں (۳) شیخ

جیون جی ابن شیخ داؤد بھائی کا مزار جو موجودہ داعی (سیدنا طاہر سیف الدین صاحب) کے اجداد میں سے ہیں۔ اس کے گرد کئی مسافر خانے قدیم و جدید طرز کے بنے ہوئے ہیں، زائرین کو ہمیشہ درگاہ کے طرف سے کھانا ملتا ہے۔

(۴۲) سیدنا یوسف نجم الدین دوم

آپ کا نام یوسف اور لقب نجم الدین ہے، ۲۳ ذوالحجہ ۱۱۶۲ھ میں آپ کی ولادت ہوئی طفولیت کا زمانہ طلب علم میں صرف کیا، عنفوان شباب ہی سے بڑے زاہد اور عابد تھے، چٹائی پر عموماً آرام فرماتے، اور اس کے باوجود عمر کا حصہ زیادہ تر اعلیٰ تعلیم کے حصول میں گزارتے، صفر ۱۲۰۰ھ جبکہ آپ کی عمر ۳۳ سال کی تھی دعوۃ کے ممتاز عہدے پر فائز ہوئے، ایک شخص نے آپ کی عمر کو دیکھ کر یہ بدگمانی کی کہ دعوت کا اہم کام وزیر اور دیگر اہل الرائے آپ کی طرف سے کرتے ہوں گے۔ مگر چند روز رہ کر اس نے دیکھا تو حقیقت اس پر روشن ہوگئی، آخر اپنی غلطی محسوس کرکے معافی مانگی۔ آپ کا شغل درس و تدریس تھا۔ اور اس میں کافی دلچسپی لیتے تھے، آپ کے عہد میں مرہٹوں کی لوٹ مار، اور ایسٹ انڈیا کی فتنہ انگیز پالیسی کا گجرات میں تقریباً خاتمہ ہوچکا تھا۔ اس لئے امن وامان کے ساتھ تجارت میں مخلوق مشغول ہوگئی، یہی سبب ہے کہ آپ کے عہد میں مومنین میں فارغ البالی شروع ہوگئی، اور تجارت کے سبب سے آمدنی میں اضافہ ہوگیا۔ دعوت کے خزانہ میں جو کچھ توفیر ہوئی، اس کا بڑا حصہ کتابوں پر صرف ہوا، آپ وعظ بھی فرمایا کرتے تھے، اور آپ کے وعظ سے دل بیدار ہوجاتا، آپ نگرے جب احمدآباد تشریف لائے، اور فاتحہ کے لئے دعاۃ کے مقبروں پر گئے، تو بغیر قبوں کے مقبرہ کو دیکھ کر قبے بنوانے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ اب بھی احمدآباد سرسپور میں قبے موجود ہیں۔ آپ بہت رحم دل تھے، زیارت کے لئے تشریف

لے جاتے تو چشم پُرنم ہوجاتے۔ آپ کے بھائی سیدنا سیف الدین کی شادی میں بڑا اہتمام ہوا، بڑے بڑے معززین شریک ہوئے، چنانچہ مہاراجہ سندھیا بھی شریک تھے سورت میں جو "دیوڑھی مبارک" کے نام سے عمارت مشہور ہے، وہ آپ ہی کی بنوائی ہوئی ہے۔ پھر آپ کے بعد ہر داعی نے اپنی ضرورت کے مطابق تھوڑا بہت ترمیم کیا۔ اسی عہد (سنہ ۱۲۰۰ھ) سے سرکاری (دعوت) مرکز یہی قرار پایا۔

جب آپ سورت تشریف لے گئے تو بارش نہ ہونے کے سبب سے قحط عام تھا، اسوقت ابر کرم بن کر آپ نے لوگوں کی امداد کی، اور فاقہ زدوں کو موت سے بچایا۔ برہان پور میں کچھ اختلاف ہوگئے تھے، اس لئے سورت سے آپ وہاں تشریف لے گئے۔ اور ہر مسئلہ کا حل بتا کر سب کو متفق کیا۔

شیخ آدم صفی الدین ماذون، مولائی عبدالقادر حکیم الدین آپ کے مکاسر، اور مولائی عبدعلی سیف الدین راس الحدود تھے۔ سیدنا برہان پور سے ایک سال کے بعد روانہ ہوکر "راویر" آئے، اور وہاں سے "کاسودہ" پھر اورنگ آباد، اور یہاں سے "ودن گام" آئے جہاں مولائی نورالدین کی زیارت سے مشرف ہوئے، اس کے بعد پونہ پہنچے، جہاں ایک باغ میں فروکش ہوئے، تیس ہزار روپے ۳۰۰۰۰ مومنین نے نذر کئے۔ نانا فرنویس وزیر مادھوراؤ پیشوا نے بڑے اصرار سے استدعا کی کہ چند دن آپ یہاں قیام فرمائیں، آپ نے قبول فرمایا۔ پونہ میں داخلے کے وقت بھی اس نے بڑے تزک و احتشام سے آپ کا استقبال کیا تھا، اب اس نے ایک گاؤں، "گنج یاہو" نامی احمدنگر کے پاس پیشوا کی طرف سے آپ کو نذر دیا، آپ نے انکار فرمایا، مگر اصرار کرنے پر قبول کرلیا اور واپسی کے وقت نوبت خانہ کے اخراجات کے لئے وزیر کو واپس کردیا، کیونکہ آپ نے اس کو فقط اخلاقاً قبول فرمایا تھا۔

یہاں سے آپ سورت تشریف لائے، جس کو مستقل طور پر اپنا قیام گاہ بنایا۔

آپ کا یہ واقعہ قابل تحریر ہے کہ وفات کے وقت آپ نے تمام ملکیت اور نقود فقراء اور مساکین کو تقسیم فرما دیا۔ اور وصیت کی کہ ایک غریب آدمی کے طرح ہمارے جنازہ کی تجہیز و تکفین ہو، اور کسی قسم کی بدعت نہ کی جائے، آپ کی عمر شریف ۳۶ برس کی ہوئی، ۱۳ برس چار ماہ تیرہ دن لوگوں کو ہدایت فرماکر ۹ رجمادی الآخر ۱۲۱۳ھ میں وفات پائی۔ سورت ہی میں مزار مقدس ہے، آپ کے عہد میں ہر قسم کا امن رہا، مومنین ہر نوع آرام سے رہے، داخلی و خارجی کسی قسم کی بدامنی نہیں ہوئی۔ اس امن کی برکت سے لوگ مستفید ہوکر غنی ہوگئے، ہر طرح سے سیاسی انقلاب سے بھی محفوظ رہے، اور اسی لئے آپ کا عہد امن کے لئے آج تک ضرب المثل ہے۔

گجرات میں گوبند راؤ گائیکوار ۱۲۰۰ھ - ۱۲۲۱ھ آپ کا ہم عصر تھا، اور سرجان شور ہندوستان کے گورنر جنرل تھے۔

(۴۳) سیدنا عبد علی سیف الدین بن سیدنا عبد الطیب زکی الدین

عبد علی نام، سیف الدین لقب، ابن سیدنا عبد الطیب زکی الدین، ۹ صفر ۱۱۸۹ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ اپنے برادر معظم سیدنا یوسف نجم الدین سے تکمیل تعلیم کی۔ سیدنا موصوف آپ کی بڑی تعریف فرماتے تھے اور بہت مانتے تھے۔ کمسنی سے علم و عمل میں شہرۂ آفاق ہوئے خدائے برتر نے دو چیزوں سے آپ کو سرفراز فرمایا تھا۔ ذہن رسا . . . و . قوت فیصلہ، اسی سبب سے ۱۲۱۳ھ میں جبکہ آپ کی عمر ۲۴ برس کی تھی، اپنے فضائل کے باعث اس عہدۂ جلیلہ پر

فائض ہوگئے۔ آپ جلد اور بآسانی متنازعہ معاملہ کا فیصلہ فرما دیتے تھے، اور اس سے مومنین کو بڑا آرام ملتا تھا۔ آپ بڑے عابد تھے اور بیکاری سے آپ کو سخت نفرت تھی ۱۲۱۴ھ میں ایک شخص مسمی چاندجی نے میدپور (اورنگ آباد) نے ایک جدید فتنہ کا دروازہ کھولا، جس سے ایک سال تک لوگوں کو تکلیف رہی۔ سیدنا نے بمبئی کے عامل شیخ فاضل قطب بھائی بن سلیمان جی کو حکم دیا کہ اورنگ آباد جاکر اس فتنہ کو دفع کرو۔ آپ اُن دنوں موربی میں مقیم تھے، چنانچہ شیخ مذکور اورنگ آباد گئے۔ اور نواب مشیر الملک کی سعی سے نور علی پونوی کے ہاتھ شخص مذکور کو گرفتار کرایا۔ اور موربی نے کر حاضر ہوئے، جہاں قیدخانہ میں دنیا سے سفر کر گیا۔

شیخ فاضل ہبۃ الدین ولی بھائی نے جوان دنوں آپ کے وزیر تھے، اس واقعہ میں اپنی تدبیروں سے بے حد فائدہ پہنچایا۔ سیدنا رمضان ۱۲۱۴ھ میں موربی سے نگر تشریف لائے، اسی سال آپ کی رفیقہ محترمہ امۃ اللہ بائی کا انتقال ہوگیا۔ اور اس کے بعد آپ کے فرزند عبد الحسین نے بھی اپنی والدہ کا ساتھ دیا۔ تب آپ نے سکینہ آئی بنت ہبۃ اللہ سے شادی کی۔ اور نگر سے سورت تشریف لائے،

۲۶ محرم ۱۲۱۵ھ میں سکینہ آئی نے بھی داغِ مفارقت دیا۔ ۱۲۱۷ھ میں آپ کے برادر مولائی عبد القادر حکیم الدین نے بھی سفرِ آخرت کی راہ لی، ان حوادث نے آپ کی کمر خم کردی اور مصائب نے نڈھال کر دیا۔ مومنین پر بھی کچھ کم مصائب نہ آئے، رام پورہ میں عبد القادر غلام علی اور تاج خاں ابراہیم قاسم جی جیسے رؤسائے شہر پر میاں صاحب شیخ آدم نے ہلّہ بول دیا، اور عوام نے ساتھ دیا۔ بمبئی میں بوہروں کا بازار نذرِ آتش ہوگیا۔ لاکھوں روپے پر ایک ساعت میں پانی پھر گیا۔ کھرگوں کے رئیس نربدا ندی میں غرق ہوگئے، رتن گڑھ کھیری، جاتھ کے رؤسا کو بالو راؤ مرہٹہ نے قید کر دیا۔

آپ کی فضیلت میں یہہ بات داخل ہے کہ سیدی خان جی بھائی بن پیر بھائی سے جو دو سلسلے اعلیٰ تعلیم کے جاری ہوئے تھے آپ دونوں کے حامل تھے ۔ سیدنا نے زمانہ کی روش دیکھ کر تعلیم پر قیود عائد فرمائے، جب تک کوئی شخص علم فقہہ میں کامل تعلیم پاکر امتحان میں کامیاب نہو جائے، علم تاویل کی اجازت نہ دیتے ۔ اور علم حقائق کا کیا ذکر، وہ تو بہت ہی بیش بہا خزانہ تھا۔

ایک دفعہ کسی عامل نے ایک طالب علم کو علم حقائق کی تعلیم دی، اس کی خبر آپ کو ہوگئی تو آپ نے ایک سخت تحریر کے ذریعہ ردکا۔ اور فرمایا کہ تم نے ذکی اور غبی، لائق اور نالائق دونوں کو برابر کر دیا۔ آپ بڑے رعب و داب والے تھے، کسی کی مجال نہ تھی کہ خلاف ورزی کرے، سیاست سے خوب واقف تھے، امورِ دعوت کی جزئی واقعات پر بھی نگاہ رکھتے تھے، اور عمال کی کافی نگرانی فرماتے، عمال کے لئے جو رسالہ آپ نے تحریر فرمایا ہے وہ اس پر شاہد ہے ۔ آپ نے بھاؤنگر میں جیونا آئی سے شادی کی لیکن وہ بھی جلد ہی وفات پاگئی ۔ اس سے آپ کو سخت صدمہ ہوا۔ کچھ دنوں کے بعد ۱۲۲۵ھ میں وزیرہ آئی بنت ملا یوسف رام پوری سے آپ کی شادی ہوئی ۔ ۲۲ ربیع الثانی ۱۲۲۶ھ میں ایک صاحبزادہ پیدا ہوا جس کا نام محمد بدرالدین رکھا، ۱۲۳۰ھ میں آپ سخت علیل ہوگئے، یہاں تک کہ اطبا کو صحت سے مایوسی ہوگئی، لوگوں نے منصوص کو دریافت کیا تو چار شخص کی موجودگی میں مولانا عزالدین کو منصوص فرمایا لیکن اخفا کی سخت تاکید کی ۔ پھر بفضل خدا آپ کو صحت ہوگئی ۔ اور معاملہ یوں ہی پوشیدہ رہا۔

اسی عہد میں سورت میں سیلاب آیا، تو گلی گلی پانی بھر گیا، اکثر لوگ خانماں برباد ہوگئے اس حالت میں آپ کی ہمدردانہ روش سے شہر والوں کی مصیبت میں بے حد کمی آگئی۔ کشتی کے ذریعہ تمام فاقہ زدوں کو کھانا پہنچایا ۔ اور بلا تفریق مذہب و ملت آپ نے ہر شخص کو امداد پہنچائی

اور جس قدر ممکن ہو سکا لوگوں کے ساتھ عملی ہمدردی کی ۔ آپ نے اپنے ذاتی خرچ سے ایک بڑی مسجد بنوائی ۔ اسی طرح ایک عربی مدرسہ بھی تیار کرایا ۔ جس میں دو سو طلبہ کے قیام و طعام کا بندوبست کیا۔ اس مدرسہ میں مذہبی کتب کے علاوہ عربی ادب، حساب، فلسفۂ قدیم کی بھی تعلیم کا معقول انتظام کیا۔ ۱۸۸۲ء میں جو تعلیمی کمیٹی گورنمنٹ نے بنائی تھی، اسوقت ڈبلو ہنٹر صاحب سے مسٹر طیب جی نے جو کچھ حالات اس کے متعلق بیان کئے وہ بھی دیکھنے کے قابل ہیں۔

۱۲۲۸ھ میں جھالاواڑ، اور مانڈوی قحط زدہ ہوگیا تو قحط زدہ چودہ ہزار بوہروں کو فقط سورت میں پناہ دی ۔ اور مدت تک ان کے اخراجات کا بار خود اٹھاتے رہے ۔ پھر موقع دیکھ ان کو واپسی کی اجازت دی ۔ اور ایسے سامان اور اوزار بھی بہم پہنچائے جن سے ان کا مستقبل روشن ہو ۔ اور یہہ تمام اخراجات اس دولت سے کئے جو باپ دادا کا اندوختہ تھا۔ مالوہ کے دورہ میں اُجین بھی تشریف لے گئے، جہاں اتفاق سے محرم کے متعلق ہندوؤں اور بوہروں (داؤدیہ) میں تنازعہ ہوگیا ۔ چونکہ حاکم ہندو تھے، اس لئے ان لوگوں کے ساتھ غیر منصفانہ برتاؤ کیا گیا ۔ جس سے آپ کو سخت صدمہ ہوا ۔ اور واپس ہوگئے ۔ مہاراجہ دولت رائے سندھیا کو اس کی اطلاع ہوئی تو اپنے ہندو حاکموں پر بڑا ناراض ہوا ۔ اور آپ کو منانے کی بڑی کوشش کی ۔ چنانچہ پالکی، مورچھل اور چار سو پانچ روپے ماہوار کا عطیہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا۔ ۱۲۳۰ھ میں بمقام پونہ پٹھانوں نے بوہروں کو بہت دق کیا ۔ منشی محمد حنیف اور مسٹر مودی صاحب کے ذریعہ لارڈ الفنسٹن صاحب گورنر بمبئی کو اس طرف توجہ دلائی گئی ۔ چنانچہ لارڈ موصوف نے باجی راؤ پیشوا کو حکم بھیجا کہ جس طرح ممکن ہو پٹھانوں کے ظلم سے ان کو بچایا جائے پیشوا نے اپنے وزیر "ترمبک راؤ تاتیا" کے ساتھ ایک فوج بھیجدی جس سے دو دن تک

جانوں اور مکانوں کی حفاظت ہوتی رہی جس کے بعد امن ہوگیا۔

آخر رجب ۱۲۳۲ھ آپ پر سخت علیل ہوئے۔ ۷ر ذوالقعد کو آپ بہت سخت بے قرار تھے، لوگوں کے اصرار پر نص جلی کا اظہار فرمایا۔ وفات کے وقت شیخ آدم صفی الدین بن سیدنا عبدالطیب زکی الدین ماذون۔ اور شیخ آدم بن میٹھا بھائی مکاسر۔ اور شیخ آدم بن شیخ سلطان بھائی رام پوری راس الحدود۔ اور میاں عبدالقیوم صاحب وزیر تھے۔ آپ کی عمر شریف ۴۳ برس کی تھی۔ ۱۹ برس چار ماہ، چوبیس دن آپ تخت دعوت پر رونق بخش رہے۔ یکشنبہ بعد عصر ۱۲ر ذوالقعد ۱۲۳۲ھ میں وفات پائی۔ اور سورت ہی میں جسدِ خاکی سپردِ قبہ یوسفیہ ہوا۔

مشہور کتاب مجالس سیفیہ آپ ہی کے عہد مبارک ۱۲۲۴ھ میں تصنیف کی گئی۔ آپ ہی کی زوجہ محترمہ وزیرہ بی بی آئی نے ایک جائداد وقف کی، جس کی آمدنی سے چھ سو ۶۰۰ روپے آپ کے عرس میں اور غربا کی امداد میں صرف ہوتے ہے۔ اور (۱۴۰) روپے خود واقفہ کے ایصال ثواب کے لئے ہے، باقی روپے متولی اپنی مرضی کے مطابق کار خیر میں صرف کرے۔

آپ کے عہد میں لارڈ ولزلی ۱۲۱۳ھ۔ لارڈ کارنس والس ۱۲۲۲ھ اور پھر اسی سال سر جارج بارلو گورنر جنرل ہوئے۔ اور آخر میں لارڈ منٹو ۱۲۲۲ھ میں پھر مارکوئس ہسٹنگز ۱۲۲۸ھ میں ہند کے گورنر جنرل ہوئے۔

۱۸۱۶–۱۸۲۱ء ۱۲۳۲ھ داعی (۴۴) سیدنا محمد عزالدین ابن سیدی جیونجی بن داؤد بھائی بن ملا صالح جی

محمد نام، عزالدین لقب، والد کا نام سیدی جیونجی، سیدنا عبدعلی سیف الدین

سے تکمیل تعلیم فرمائی۔ سیدنا موصوف آپ کی بڑی تعریف فرماتے، اور بہت مانتے تھے، اور آخر عمر سیدنا سیف الدین نے بمبئی کا عامل بنا کر بھیجا پھر علالت سیدنا سیف الدین کے باعث جلد ہی واپس آگئے۔ جمعہ ۲۳ر ذوالقعد ۱۲۳۲ھ میں آپ داعی کے رتبہ پر پہونچے۔ اور مرکزی دعوت ورشد کا مسند عالی آپ کی ذات سے مشرف ہوا۔ آپ نے اپنے علم وفضل اور اعلیٰ اخلاق سے اپنے خاندان کی شہرت میں چار چاند لگائے۔ ۱۲۳۳ھ میں گورنر بمبئی لارڈ الفنسٹن کے بنگلہ سے گورنمنٹ ریکارڈ اور بعض قیمتی اشیاء چوری گئیں۔ بہت سر مارا مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اس لئے لارڈ صاحب کو اس کی بڑی فکر تھی۔ آخر سیدنا موصوف کے نائب کو بلا کر بڑی عزت کے ساتھ آپ سے اس معاملہ میں گفتگو کی۔ اور استدعا کی کسی صورت سے دستیاب ہو جائے۔ کامیابی کی صورت میں کافی انعام دیا جائے گا۔ چنانچہ گورنر کے خواہش کے مطابق ہوشیار آدمی کو اس کام پر لگایا گیا، اور خوش قسمتی سے بڑی محنت شاقہ کے بعد گمشدہ چیزوں میں سے کاغذات اور دستاویزات واپس ملے۔ جس کے شکریہ میں گورنر صاحب سیدنا کے نائب سے ملاقات کے لئے ان کے مکان پر تشریف لائے۔ جناب سیدنا کو جاگیر دینے اول درجے کے سرداروں میں نام لکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ مگر جناب موصوف نے عطیہ کے قبول کرنے سے صاف انکار فرمایا بلکہ اخراجات جو ہوئے تھے، اس کو بھی آپ نے نہیں لیا۔ اور لارڈ صاحب موصوف کے ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی کہ سیدنا کو دنیاوی وجاہت اور دولت کی مطلق حاجت نہیں۔ صرف اسقدر خواہش ہے کہ اپنے پیش رو گورنروں کی طرح آپ بھی اگر محبت کی نظر رکھیں تو ہم لوگوں کا اطمینان قلب ہو جائے گا۔ اور یہی معاوضہ ہمارے لئے کافی ہے۔ اس واقعہ کے بعد سے جو افسر ایسٹ انڈیا کمپنی کا یہاں آتا اس کا پہلا فرض یہ ہوتا کہ سب سے پہلے سیدنا سے ملاقات کرتا۔ اس برتاؤ کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر دو فریق میں اتحاد ومحبت کا رشتہ بہت مضبوط ہوگیا۔ جس کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ

سیدنا محمد عزالدین اور آپ کے جانشین سے مسٹر رومر اور سر جان مالکم سے ہمیشہ پُراز محبت خط و کتابت جاری رہی۔ اور جب سورت آئے تو سیدنا سے ملاقات کی۔ اور دریافت کیا کہ اگر کوئی مطالبہ گورنمنٹ سے آپ کرنا چاہتے ہیں تو ہم منظور کرنے کے لئے بڑی خوشی سے تیار ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی استدعا کی کہ آپ کا نام سرداروں کی فہرست میں درج کر دیا جائے۔ مگر سیدنا موصوف نے قبول کرنے سے انکار فرمایا۔ اور کہا کہ اسوقت تک حکام وقت نے جس طرح مہربانی کی نظر مجھ پر رکھی ہے۔ یہی میرے لئے کافی ہے۔ میاں صاحب عبدالقیوم صاحب آپ کے عہد میں بھی وزیر رہے۔ ۱۹ رمضان ۱۲۳۶ھ کو رحلت فرما گئے۔ مزار شریف سورت میں ہے، مزار پر ایک بڑا قبہ بھی ہے۔ جو آپ کے نام سے منسوب ہوکر "قبہ عزیہ" کہلاتا ہے۔ اس قبہ کی زمین اسی کام کے لئے آپ نے خرید کی تھی۔ اس قبہ میں پانچ داعی مدفون ہیں۔ (۱) سیدنا محمد عزالدین ابن شیخ جیون جی متوفی ۱۲۳۶ھ (۲) سیدنا طیب زین الدین ابن شیخ جیون جی متوفی ۱۲۵۲ھ (۳) سیدنا محمد بدرالدین ابن سیدنا سیف الدین متوفی ۱۲۵۶ھ (۴) سیدنا محمد برہان الدین ابن سیدنا نجم الدین متوفی ۱۳۲۳ھ (۵) سیدنا ابوالفضل عبداللہ بدرالدین ابن سیدنا حسام الدین متوفی ۱۳۳۳ھ۔ اس کے مقابلہ میں ایک اور قبہ ہے جو اس کے قبل تعمیر ہوا تھا۔ اس میں دو داعی مدفون ہیں۔ اور اس کا نام قبہ نجمیہ ہے غالباً سیدنا نجم الدین مدفون ہیں جن کے نام سے "قبہ نجمیہ" مشہور ہوا۔ یہ دونوں قبے بوہروں کے محلے میں بمقام نواپورہ سورت میں واقع ہیں۔ اس سے تھوڑی دور پر دوسرے راستے سے موجودہ داعی (سیدنا طاہر سیف الدین) کے آباو اجداد کے محل ہیں۔ جو بڑے ملا صاحب کی دیوڑھی کے نام سے مشہور ہے۔ آپ ہی کے عہد میں "منتزع الاخبار" تصنیف کی گئی۔ لارڈ آمہرسٹ ۱۲۳۹ھ گورنر جنرل ہند آپ کے ہم عصر ہیں۔

داعی (۵۴) سیدنا طیّب زین الدین

۱۲۳۶ھ ۶ ۱۸۲۱ / ۱۸۳۷ء

طیب نام، زین الدین لقب، ابن سیدی جیون جی۔ سیدنا محمد عزالدین کے وفات پر آپ کے برادر سیدنا طیب زین الدین اس عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوئے یہ واقعہ ۱۲۳۶ھ کا ہے، اس واقعہ کے تین برس بعد یعنی ۱۲۳۹ھ میں تاپتی ندی میں بڑا سیلاب آیا[1]۔ پانچ دن تک لوگ اپنے اپنے مکانوں میں بند رہے۔ ہزاروں آدمی فاقوں سے مرنے لگے۔ تو جناب موصوف نے کشتیوں کے ذریعہ سب کو کھانا بہم پہنچایا۔ اور فاقہ زدہ لوگوں کی امداد کر کے مخلوق خدا کو اس سے نجات دلائی۔ ۴ رشعبان ۱۲۳۹ھ میں سورت سے کھنبائت اور وہاں سے احمد آباد تشریف لا کر زیارات سے فارغ ہوئے۔ پھر تمام رمضان کپڑونج میں رہے۔ بعد محرم دوحد آئے۔ بعد ایک ماہ رتلام، ۲۵ ربیع الثانی ۱۲۴۱ھ میں مندسوا پہونچے۔ مندسوا میں یہ واقعہ پیش آیا کہ اتفاقاً ان دنوں ایک شخص مولوی رمضان علی صاحب نامی اس جگہ تشریف ہوئے تھے اور عام مسلمانوں میں بہت محبوب تھے، ان کا قیام مسلمانوں کی اس مسجد میں تھا جو بوہرہ محلہ میں واقع تھی۔ اس سبب سے بوہرہ محلہ میں عام مسلمانوں کی آمد و رفت زیادہ ہوگئی۔ ایک دن سہ پہر کو ایک بوہرہ جا رہا تھا اور مسجد کے اوٹے پر کچھ مسلمان بیٹھے تھے، کسی بات پر دونوں میں تکرار شروع ہوگئی اور بالآخر نوبت جنگ کی پہونچی، اور ایک بوہرہ مقتول ہوا۔ یہ خبر جب

---

[1] موسم بہار جلد سوم صفحہ ۵۵ میں ذوالحجہ ۱۲۳۶ھ لکھا ہے۔

بوہروں کو لگی تو مسلح عرب جو سیدنا کے باڈی گارڈ تھے نکل پڑے اور بندوقوں سے فائر کرکے اس کا انتقام لیا گیا، اس جنگ میں مولوی رمضان صاحب بھی ایک گولی سے مقتول ہوئے، جب عام مسلمانوں کو مولوی صاحب کے مرنے کی خبر ملی تو اچھا خاصا بلوہ ہوگیا۔ سیدنا کے محل کا چاروں طرف سے محاصرہ کرلیا گیا۔ بوہروں نے عام طور سے باہر نکلنا بند کردیا۔ اور اپنے اپنے مکان کو مقفل کردیا۔ اس وقت سیدنا کے پاس تیس سوار مسلح تھے اور مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ بہت ممکن تھا کہ ان سواروں سے مدد لے کر مجمع کو متفرق کردیا جاتا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ سب باتیں بلا اطلاع سیدنا کے وقوع پذیر ہوئیں۔ جس وقت سیدنا کو اس کی خبر ہوئی آپ نے فوراً منع فرمایا، اور سواروں کو پیش دستی کرنے سے روک دیا۔ کیونکہ خطرہ تھا کہ کثرت تعداد کے باعث عام بوہروں کو سخت نقصان نہ اٹھانا پڑے، اس لئے آپ نے غالباً باقاعدہ کارروائی شروع کی اور نیمچ چھاؤنی کے افسر کو اس واقعہ کی اطلاع دی، جہاں سے فوراً سواروں کی تین پلٹنیں مسٹر بورتھرک اور مسٹر ولزلی اور حمزہ خان جمعدار کے ماتحت پہونچیں۔ مسلمان محاصرہ اٹھاکر اپنے اپنے گھر روانہ ہوگئے، اطمینان ہوجانے پر آپ کا جلوس بڑے شان کے ساتھ روزانہ بازاروں میں نکلنے لگا۔ ۱۰ رجب تک آپ کا قیام اسی جگہ رہا۔ اہل اندور کے اصرار سے محافظ دستہ کے ساتھ اندور پہونچے۔ جہاں وزیر تاتیا نے تین میل سے استقبال کیا۔ شعراء نے تہنیت پیش کی۔ کچھ دنوں کے بعد اجین سے امرا کا ایک وفد آیا۔ اور اجین چلنے کی استدعا کی۔ آپ مع تمام اہل و عیال کے اجین تشریف لے گئے۔ اور ۲۱ شوال کو بخیریت تمام پہونچ گئے۔ کچھ دنوں کے بعد مظہر علی نامی ایک مولوی اٹھے اور لوگوں کو مولوی رمضان علی صاحب کے خون کا بدلہ لینے کے لئے ابھارا۔ رات کو ایک مکان میں سب کو جمع کرکے پرجوش تقریر کی۔ اور سب کو انتقام کے لئے آمادہ کیا۔ صبح ہوتے ہی مظہر علی مع دیگر مسلمانوں کے بوہروں

کے محلہ پر آپڑا۔ اور ہر جگہ فساد شروع ہوگیا۔ تمام دوکانیں بند ہوگئیں۔ حاکم بے اختیار ہوگیا۔ اور امن کسی صورت سے قائم نہ رہ سکا۔ فوراً انگریزی چھاؤنی میں خبر کی گئی۔ پلٹن اور رسالے پہونچ گئے۔ لوگ سب بھاگ نکلے اور مظہر علی صاحب گرفتار ہوگئے۔ مقدمہ قائم کیا گیا۔ اور حبس دوام کا انگریزی عدالت سے فیصلہ ہوا۔ ماہ صفر جب شروع ہوا۔ تو ایک سیٹھ نے لوگوں کی دعوت کی۔ اور سیدنا سے اجازت مانگی۔ سیدنا نے کھانے کی تو اجازت دی، مگر تاکید فرمائی کہ گوشت نہ پکانا۔ کیونکہ یہ سراون کا مہینہ تھا۔ اور پچوسن کا دن۔ اور ہندو بنیوں سے تعلقات اچھے رکھنے کی ضرورت تھی۔ مگر صاحب طعام نے اس نصیحت کی پرواہ نہیں کی۔ اور اندرون مکان خاموشی کے ساتھ بکری ذبح کردی۔ سیٹھ صاحب کے دشمنوں نے حکام کو خبر دی۔ پھر تو لوگوں نے اس مکان پر ہلہ بول دیا۔ تمام سامان لوٹ لیا۔ دیگوں کے کھانے سب زمین پر پھینک کر برباد کردیئے۔ اور پانچسو روپے تاوان سیدنا سے وصول کئے گئے۔ سیدنا نے فوراً چند لائق آدمیوں کو گوالیر مہاراجہ کے پاس بھیجا لیکن صیرفی نے ایک سال تک مقدمہ لگا رکھا۔ یہ لوگ گھبرا گئے اور سیدنا کو من وعن سب حال لکھ بھیجا۔ سیدنا نے تسلی دی اور راستہ جلد صاف ہو جانے کی بشارت دی۔ چنانچہ کچھ دنوں کے بعد صیرفی مرگیا۔ اور پھر یہ لوگ مہاراجہ کی خدمت میں باریاب ہوئے، ایک طویل گفتگو کے بعد دولت رائے مہاراجہ گوالیار نے فرمان صادر کیا کہ ہماری مملکت میں بوہرے اپنے اپنے محلوں میں ہر قسم کے ذبیحے ہر وقت کرنے کے مجاز ہیں آئندہ کوئی شخص مانع نہ ہو، پانچسو روپے واپس کئے جائیں۔ سیٹھ مذکور کا جو کچھ نقصان ہوا ہے۔ وہ ادا کردیا جائے۔ مفسدین کو کامل گوشمالی دی جائے۔ اور جو حاکم اس میں شریک تھا وہ معزول کیا جائے۔ اور آئندہ سے سیدنا کی ہر طرح سے عزت کی جائے۔ شعبان تک آپ اسی جگہ مقیم رہے۔ ۷ رمضان کو وہاں سے اسلام پورہ (رامپورہ) تشریف لائے۔ ۲۵ شوال ۱۲۴۰ھ کو اسلام پورہ سے رتلام آئے اور

عرصہ تک یہاں مقیم رہے۔ پھر بعض امور ایسے پیش آئے کہ جس کے سبب عین بارش کے موسم میں آپ نے یہاں سے کوچ فرمایا۔ ۵۰ سوار حفاظت کے لئے ساتھ تھے۔ سخت تکلیف کا مقابلہ کرتے ہوئے ۱۱ ذوالحجہ ۱۲۴۱ھ میں سورت پہونچے۔ صحیح سلامتی کے ساتھ سورت پہونچنے پر مومنین میں بڑی خوشی منائی گئی۔ شاعر بے بدل ادیب لبیب بھائی عبدالحسین بن علامہ سیفی نے خیر مقدم کا جو قصیدہ لکھا ہے۔ اس کے بعض اشعار مندرجہ ذیل ہیں۔ جس سے ناظرین کو یہ اندازہ ہوگا کہ مومنین کے جذبات کیا تھے۔

اهنی بخیر سلامته من حادث	قد مناق منه زماننا الرحداح
اولم یروان الا لمه حفظیه	اذا الانام نفوۂ استصباح
حتی اتیٰ نصر الالٰه علی ،	ایدی انصاری ثم جاء فلاح
اذجاء من رتلام صاحب بو تیک	العاقل المتفنن المجتاح ،
وقصدت اندور المبارکته اللتی	فیها امان کامل و صلاح ،
بکرامته قد زاد فیها تاتیا	صاحب وزیر الهلکر المسماج ،
فاالله یرفق بالنصاری دائما ،	اذودهم للمومنین قحاح ،
وجزاهم عیسیٰ المسیح وامه	ثم الحواریون ممن ساحوا ،
فلقد رعوا لهما منازین الهدیٰ	حق الوداد المحض وهو صراح
لازلت یا زین الهدیٰ فی فرحته	وعلیک انهار النعیم تساح
وقصدت دار الهجرۃ الغراء فی	غرد وجهک مسفر وضاح

اس حادثہ سے جس نے ہماری زندگی تلخ کردی تھی سلامتی کے ساتھ آنے پر میں مبارک باد دیتا ہوں۔ کیا لوگوں نے نہیں دیکھا کہ

خود خدا اس کا حافظ ہے۔ کیونکہ وہ مخلوق کے لئے روشنی ہے۔ نصاریٰ کے ذریعہ خدا کی مدد آئی۔ تو بھلائی (یا نجات) حاصل ہوئی جبکہ مسٹر بورتھوک جو عاقل اور فہمیدہ آدمی ہیں۔ رتلام سے آئے، اور جب آپ نے اندور مبارک کا قصد فرمایا جہاں کامل امن وامان تھا تو مہاراجہ ہولکر کے صاحب اخلاق وزیر نے بڑی عزت کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ خدائے برتر نصاریٰ کے ساتھ ہمیشہ نرمی کرے، کیونکہ مومنین کے لئے ان کی محبت مفید ہے۔ حضرت عیسیٰ مسیح اور ان کی والدہ اور ان کے ہمراہی حواریوں کو خدا جزائے خیر دے۔ جیسا کہ ہمارے طرف سے زین الھدیٰ نے خالص حق دوستی ادا کی۔ اے زین الھدیٰ تو ہمیشہ خوش رہے اور نعمتوں کی نہریں جاری رہیں۔ عزت اور بشاش چہرہ کے ساتھ آپ نے مشہور دار الہجرت (سورت) کا قصد فرمایا۔

لارڈ الفنسٹن صاحب نے سلامتی کے ساتھ واپسی پر مبارکباد دی۔ اور آئندہ بھی ہر موقعہ پر آپ کی حفاظت اور امداد کا گورنمنٹ کے طرف سے یقین دلایا۔ اور سورت کے کلکٹر مسٹر ڈ ومرکو لکھا کہ ان کا ہر طرح خیال رکھنا۔ ۱۲۴۵ھ میں بمنظوری گورنمنٹ نانا فرنویس کے چشمہ سے پونہ کے بوہرہ مسجد میں پانی لائے۔ اور پھر وہاں سے لوگوں کو مفت تقسیم کیا۔ جس کے سبب سے لوگوں کو بڑا آرام پہونچا۔ اس کے تمام مصارف سیدنا نے خود برداشت فرمائے۔ گورنمنٹ نے ازراہِ عنایت لیجسلیٹو کونسل میں ایک سیٹ آپ کے لئے مقرر کی۔ حالانکہ کسی ہندوستانی کو اس وقت تک یہ عہدہ نہیں دیا گیا تھا۔ مگر آنجناب نے شکریہ کے ساتھ انکار فرمایا۔ ۱۲۴۶ھ میں حسب وصیت سیدنا سیف الدین نگر جانے کا قصد فرمایا، ۱۹ شعبان کو سورت سے

عازم سفر ہوئے ۔ مولانا بدرالدین آپ کے ہمراہ تھے ، پہلے کپڑونج پہونچے ۔ ماہ ذوالقعدہ میں روانہ ہوکر احمدآباد آئے اور دعاۃ کی زیارت سے فارغ ہوکر سدھپور رونق افروز ہوئے جہاں قاضی خان کے مقبرہ کی زیارت کی ۔ ۱۵ محرم ۱۲۴۹ھ میں یہاں سے روانہ ہوکر نگر میں مقیم ہوئے ۔ اور عرصہ تک اقامت گزین رہے ۔ پھر مانڈوی تشریف لے گئے ۔ مانڈوی کے مشرکوں نے باہم متحد ہوکر سیدنا کو شہر میں داخل نہ ہونے دیا ۔ ناچار سیدنا نورالدین کے باغ میں جو شہر سے باہر تھا خیمہ زن ہوئے ۔ تمام مومنین کا دل اس سبب سے اداس تھا ۔ گو آپ نے سب کو تسلی اور تشفی دی ۔ اسی درمیان ان مشرکوں کا بڑا گرو آیا ۔ نہایت تزک و احتشام سے اس کا استقبال کیا اور بڑی عزت سے شہر میں مقیم کیا ۔ مگر شانِ خدا دیکھو کہ چند ہی دنوں میں آپس کی نااتفاقی سے نوبت جنگ کی پہونچی ۔ اور آخر حکام نے بڑی توہین اور ہتک کے ساتھ گروجی کو شہر بدر کیا ۔ سیدنا مانڈوی سے سورت روانہ ہوئے ۔ ۱۴ جمادی الآخر کو اپنے مرکزِ دعوت (سورت) میں رونق بخش ہوئے ۔ ملا اسمٰعیل اور ہبۃ اللہ کے مقلدین محمد پور والے سب کے سب تائب ہوکر جماعت میں داخل ہوگئے ۔ ۱۲۵۲ھ میں مولانا محمد بدرالدین کو منصوص فرمایا ۔ دس دن علیل رہ کر ۱۵ ذوالقعدہ ۱۲۵۲ھ میں اس دارفانی سے رحلت فرماگئے ۔ اور قبہ عزیہ میں مدفون ہوئے کل سولہ ۱۶ برس آپ نے ہدائت فرمائی ۔ گورنر جنرل ولیم بنٹنک ۱۲۴۴ھ آپ کے ہم عصر تھے ، اور آخری عہد میں لارڈ آکلینڈ ۱۲۵۲ھ گورنر جنرل ہوکر تشریف لائے ۔ اسی عہد میں بمبئی کے گورنر سرجان مالکم صاحب تھے ۔ جو آپ کے ساتھ بڑے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے ۔ چنانچہ حادثہ ۱۲۴۴ھ سے پہلے ایک خط جو گورنر موصوف نے سیدنا کے نام تحریر کیا تھا ۔ وہ درج ذیل ہے ۔

سرجان مالکم گورنر احاطہ بمبئی ۔ بنام

سیدنا و مولانا طیب زین الدین (اعلی اللہ قدسہ)

عالی جناب معلی الالقاب فضائل و معارف انتساب حقائق و دقائق اکتساب دام عزہ ، ہموارہ از جمیع مکائد دہر دُون مصئون و مامون بودہ باشند ، بعدازطے تعارف بلا نہایات مشہور می دارد کہ مراسلہ مودت مواجہہ محررہ ۲۴ شہر ربیع الثانی در ساعتی مسرت قرین و آوانی بہجت آئین واصل گردید ، چوں مبنی برصحت ذات بود کمال خرمی رخ نمود ، ایام مول مسرود و ابتہاج کہ از ورود آنجناب دریں مملکت دارالحکومت ہند معمورہ بمبئی بآں دوست میزبانی وقوع یافتہ بود رقم درکلک مودت سلک نمودہ موجب و باعث مزید طریقہ امتنان گردید ۔ از فقرات خیرخواہی و شروحات محبت آگاہی سبب افتتاح ابواب منن شدہ ۔ مترصد کہ ہموارہ احوالات خیریت علامات قلمی دارند ۔ حق سبحانہ تعالیٰ ان دوست مہربان راسلامت دارد ۔ ایام عزت بکام باد ۔

عالیجناب معلی الالقاب فضائل و معارف انتساب حقائق و دقائق اکتساب دام عزہ ۔ آپ ہمیشہ کینہ زمانہ کے کید و مکر سے محفوظ و مامون رہیں ۔ بے شمار تعارفات طے کرکے مدعا پرداز ہوں کہ محبت نامہ مورخہ ۲۴ ربیع الثانی مسرت قرین ساعت اور بہجت آئین وقت میں موصول ہوا ۔ چونکہ اس میں جناب کی خیریت درج تھی اس لئے اس کو پڑھ کر کمال درجہ خوشی حاصل ہوئی ۔ آنجناب نے ان ایام مسرت التیام کا ذکر کیا ہے کہ جبکہ دارالسلطنت بمبئی میں دوست ممدوح کے ساتھ میزبانی وقوع میں آئی تھی ۔ یہ ذکر مزید امتنان اور احسان کا باعث ہوا ، اور فقرات خواہی آمیز و شروحات محبت آمیز سے احسان و کرم کے دروازے کھل گئے ۔ امید کے آپ ہمیشہ اپنی خیریت و عافیت تحریر فرمایا کریں گے ۔ حق سبحانہ تعالےٰ مہربان دوست کو سلامتی کے ساتھ رکھے ۔ عزت کا زمانہ موافق مراد کے ہو ۔

محررہ فی ۱۴ر شہر جمادی الاول ۱۲۴۳ ہجرالمبارکہ

S.d John Malcalm

مرقومہ ۱۴ر ماہ جمادی الاول ۱۲۴۳ھ [۱]

دستخط جان ملکم

سورت میں آپ کی تشریف آوری سے نہ صرف مومنین کو خوشی ہوئی ۔ بلکہ طالب علموں کو اس سے زیادہ مسرت ہوئی کیونکہ آپکے وجود باوجود سے مدرسوں میں بڑی رونق آگئی ۔ مشہور ہے کہ جس قدر طالب آپ کے عہد میں جمع ہو گئے ۔ اس سے پہلے کبھی اس قدر جمع نہیں ہوئے ۔ ان سب کے اخراجات کا بار خود اٹھاتے تھے ۔ لیکن آپ کے عہد کا مشہور اور قابلِ قدر واقعہ یہ ہے کہ آپ نے تعلیمی اصلاحیں بڑی نکتہ رسی کے ساتھ فرمائیں ۔ آپ نے جو تعلیمی قوانین بنائے وہ آج تک مروج ہیں ۔ اور میرے خیال میں تمام مسلمانوں کے لئے قابلِ تقلید ہیں ۔ سب سے پہلے نصاب تعلیم تیار کیا ۔ پھر قواعد تیار کئے ۔ کچھ قواعد اساتذہ کے لئے اور کچھ طلبہ کے لئے ، تاکہ استاد اور شاگرد اپنے اپنے حد کے اندر رہیں ۔ مثلاً

(۱) استاد نصاب مقررہ کے علاوہ کوئی کتاب نہ پڑھائے ۔

(۲) طلبہ بھی نصاب کے علاوہ دوسری کوئی کتاب نہ پڑھیں ۔

(۳) استاد کی جو ڈگری ہے اس سے اوپر کی تعلیم نہ دے ۔

(۴) کتب ظاہرہ بھی بغیر اجازت نہ پڑھے نہ پڑھائے ۔

(۵) غیر مستحق لوگوں کو کسی قسم کا علم نہ دے ۔

(۶) معلم خود بھی قوانین پر عمل کرے ۔ اور متعلم سے بھی عمل کرائے ۔ وغیرہ وغیرہ

---

[۱] روضۃ البہیہ ص۱۴۱ قادری پریس جبل پور

تعلیم کے متعلق آپ کے زریں خیالات میں سے بعض فقرے یہ ہیں ۔

ان العلم ھی قنیۃ نفسانیہ خطیرۃ وھی بان تصال حق صمونہا جدیرۃ فلا یسوغ ان یبذل شیٔ منہ الا لاھلہ وینبغی ان یلقی منہ یسیرا الا مستحقہ العارفین بفضلہ

علم ایک قیمتی چیز ہے ۔ حتی الامکان اس کو ہر طرح سے محفوظ رکھنا چاہیئے ۔ اس کو اہل کے سوا غیروں کو دے کر ضائع نہ کرنا چاہیئے

آپ کا ارشاد ہے کہ کتب تاریخ بھی غیر مستحقین کو نہ پڑھانا چاہیئے ۔ نہ خود ان کو پڑھنا چاہیئے ۔ اسی طرح دعوت حقہ کی دوسری کتابوں کا بھی یہی حال ہے ۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ

اما کتاب عیون الاخبار ونزھتہ الافکار فانھا کتب غیر مباحثہ بغیر مستحقھا ، وھی ایضاً محتاجتہ الی استخراج الاذون فیھا ۔

عیون الاخبار اور نزہتہ الافکار بھی نااہلوں کے لئے دیکھنا جائز نہیں ہے ۔ اور اس میں اجازت کی حاجت ہے ۔

اور آخری ناطق فیصلہ آپ کا اس کے متعلق یہ ہے کہ

ولیس لک ان تتعرض لکتاب من الظاھر والباطن فانہ لا فسح لک فیما بقی من الکتب البتہ الا ان ترفع الینا فی ذالک ثم تعمل علی ما یرد بہ الجواب الیک [۱]

علوم ظاہری اور باطنی میں سے کسی کتاب کا دیکھنا تمہارے لئے جائز نہیں ہے ۔ یہ جز اس کے کہ ہم تم کو اجازت دیں ۔

---

[۱] قوانین زینیہ قلمی

ایک دن آپ کو سیدنا سیف الدین قس کی وصیت یاد آگئی اور آپ نے یعنی مولانا بدرالدین کی شادی خانہ آبادی اپنی صاحبزادی سے کرنے کی تیاری شروع کردی۔ چنانچہ کچھ دنوں کے بعد اپنی دختر نیک اختر امتہ اللہ آئی صاحبہ سے مولانا بدرالدین کی شادی کردی اور ساتھ ہی اپنے دونوں صاحبزادوں مولانا عبدالقادر اور مولانا عبدالحسین کی بھی۔ ساتھ ہی ساتھ شادی سرانجام دیدی۔ اس شادی میں کوچہ و بازار کی کافی آرائش کی گئی تھی۔ شب گشت میں لوگوں کا بڑا اژدہام تھا۔ طبل اور تاشا کا معقول انتظام تھا۔ مہمانوں کی بڑی آؤ بھگت ہوئی۔ بڑی فیاضی سے لذیذ کھانے کھلائے۔ اور تمام مومنین کو حسب حیثیت خلعت سے سرفراز فرمایا۔ اکثر لوگوں کو انعام و اکرام سے مالا مال کردیا۔ چنانچہ ایک رسالہ میں آپ نے خدا کا شکریہ ادا کیا ہے کہ جس کے چند فقرات مندرجہ ذیل ہیں۔

" رب الارباب (خدا) کا مملوک آل محمدؐ پر ہر آن احسان اور فضل ہے۔ کہ ایک نعمت کے بعد دوسرے نعمت عطا کرتا رہا۔ مملوک آل محمدؐ ہر لحظ معبود حقیقی کا شکر بجالاتا ہے۔ جس وقت سے دعوت حقہ کا امر میرے ہاتھوں میں آیا۔ خدائے تعالےٰ کی نظر رحمت مملوک آل محمدؐ پر سفر اور حضر ہر حال میں رہی۔ مالوہ کے سفر میں بھی دشمنوں کو نیچا دیکھنا پڑا اور مملوک آل محمدؐ عزت و احترام کے ساتھ دار الہجرت سورت پہونچا دیا گیا۔ اسی طرح یہ شادی خانہ آبادی بھی اتمام کو بحُسن و خوبی اس کے فضل و کرم سے پہونچی اور میری کل آرزو پوری ہوگی۔ الخ "

بعض مخالفین اس شان و شوکت کے ساتھ شادی کرنے پر معترض بھی ہوئے اور اسراف کا الزام لگایا۔ لیکن دعوت حق کے بعض علماء نے اس کا دندان شکن جواب بھی شائع کیا۔ جس سے ہر طرف

خاموشی نظر آنے لگی۔ آپ ہی کے عہد میں سیدی ہبتہ اللہ جمال الدین عہدہ " ماذون " سے ممتاز تھے۔ اور عہدہ وزارت میاں صاحب عبدالقیوم صاحب بن شرف علی کے سپرد رہا۔

۱۲۳۷ تا ۱۲۵۶ھ ۔ ۱۸۳۷ تا ۱۸۴۰ء داعی (۴۶) سیدنا محمد بدرالدین بن سیدنا عبدعلی سیف الدین

محمد نام، بدرالدین لقب، بن سیدنا عبدعلی سیف الدین۔ ۲۷ ربیع الثانی ۱۲۲۶ھ آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ سات سال کے تھے کہ سایہ پدری آپ کے سر سے اُٹھ گیا۔ مولانا عزالدین نے اپنے زیر سایہ رکھا۔ پھر علوم حقائق کی تعلیم سیدنا طیب زین الدین نے خود دی۔ اور مولانا عبدالقادر نجم الدین گو کہ کمالات میں آپ کے مساوی تھے، لیکن تخت دعوت آپ ہی کے سپرد کیا۔ مالوہ کے سفر میں بعد لیلتہ القدر سیدنا زین الدین نے مولائی عبدالقادر کو نجم الدین اور مولانا محمد کو بدرالدین کا لقب عنایت فرمایا۔ ۲۷ رجب ۱۲۴۵ھ میں سیدنا بدرالدین کو راس الحدود بنایا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد مکاسر ہوئے، پھر ماذون بنائے گئے۔ ۱۵ ذوالقعدہ ۱۲۵۲ھ بعمر ۲۶ سال اس رتبہ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ آپ کے مناقب میں یہ بات تحریر کے قابل ہے کہ جب سیدنا زین الدین نے آپ کو منصوص بنایا تو آپ نے بڑی عالی حوصلگی سے عرض کیا کہ آپ کا لڑکا سیدی نجم الدین مجھ سے زیادہ لائق ہے۔ اس لئے منصوص اس کو ہونا چاہئے۔ سیدنا زین الدین نے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ میں نے کیا ہے، وہی صحیح ہے، مگر تمہارے بعد نجم الدین ہوں گے۔ ابتدائے عہد میں ۱۹ محرم ۱۲۵۳ھ کو بمقام سورت ایسی آگ لگی کہ تین دن تک فرو نہ ہوسکی[1]۔ یہ آگ ایک پارسی کے

---

[1] (آتش زدگی سورت) ۱۹ محرم ۱۲۵۳ھ کو ایک پارسی کے گھر سے یہ آگ شروع ہوئی۔ اور

گھر سے شروع ہوئی۔ جس میں آپ کو بھی سخت تکلیف اٹھانی پڑی۔ اس آتشزدگی میں دعوت کی بہت سی کتابیں جل گئیں۔ بوہرہ محلہ برباد ہوگیا۔ اور خزانہ کی اکثر اشیاء خاک سیاہ ہوگئیں۔ پھر بھی آپ صابر و شاکر رہے۔ ہمت و استقلال میں کوئی فرق نہیں آیا۔ شکر کرتے رہتے۔ تاپتی محل میں

ایسی آگ لگی کہ لوگوں کا اپنی جان بچانا بڑی کامیابی سمجھی جاتی تھی۔ پہلے دائیں طرف کے شرفاء کا مکان جلنا شروع ہوا۔ ۲۰ محرم کو داؤدیوں کے محلوں کو جلانا شروع ہوا۔ دوپہر تک بڑی مشکل سے اس کو خاموش کیا گیا۔ پھر بائیں طرف آگ لگی اور زوال کے وقت تک پورے عروج پر تھی، بہت کوشش کی گئی کہ کسی طرح فرو ہو مگر ناممکن ہوگیا۔ دعوت کے مخصوص نسخ پہلے نکال لئے گئے۔ پھر دوسری کتابیں بھی بچالی گئیں۔ باقی دوسرے خزانے اور سامان وغیرہ سب نذر آتش ہوئے۔ ان کا بچانا محال تھا۔ عورتوں اور بچوں کو بڑی مشکل سے بچایا گیا۔

اس کے بعد تو پھر آگ نے اس تیزی سے جلانا شروع کیا کہ کسی کی کہاں مجال جو قریب بھی پھٹک سکے۔ تمام بوہروں کے مکانات بلکہ سارا محلہ جل کر خاک سیاہ ہوگیا۔ تقریباً دس ہزار مکانات جل گئے۔ زیادہ تر شرفاء سورت، اور صراف اور بڑے بڑے تجار کے مکانات جلے۔ ۲۱ کی نصف شب کو آگ ٹھنڈی ہوئی۔ کچھ دنوں کے بعد طغیانی سے پھر سورت کی تباہی ہوئی۔ اس میں تمام شہر کے مومنین نے امداد دی۔ مگر خصوصیت سے اسلام پورہ کے لوگوں نے سب سے پہلے اور بڑی خاص امداد دی۔ چنانچہ ملا جیوا بھائی بن عبدالقادر ایک لاکھ روپے کے ساتھ سیدنا کے خدمت میں حاضر ہوئے۔

چلے گئے۔ مدرسہ بھی جاری وہیں کیا۔ ۹ شعبان ۱۲۵۳ھ کو پونہ تشریف لے گئے اور مع خاندان اور تمام دفتر کے اہلکاروں کے اسوقت تک وہاں مقیم رہے جب تک کہ سورت میں حسب خواہش مکانات تیار نہ ہوگئے۔ داخلہ پونہ کے وقت انگریزی سرکار نے بڑا استقبال کیا۔ اور یہ پہلا سرکاری استقبال ہے۔ اثناء قیام میں گورنر نے متعدد بار ملاقات کی۔ اور چار گھوڑے کی سواری پر نکلنے کی اجازت دی۔ ۱۹ شوال ۱۲۵۴ھ میں باستدعا، مومنین سورت تشریف لاتے ہوئے بمبئی پہنچے ۱۵ محرم کو بمبئی سے روانہ ہوئے۔ ۲۸ محرم ۱۲۵۵ھ کو سورت پہونچے۔ اور سورت کے مومنین سجدہ شکر بجالائے۔ واپسی سورت پر اپنے والد صاحب کی تقلید کرتے ہوئے، مسجد اور عربی مدرسہ اور آفس (دفتر) کی عمارت اپنے اخراجات سے تیار کرائی۔ دوسروں کے بھی مکانات بہ کثرت بنوائے۔ جس میں اپنی ذات سے بھی صرف کیا۔ اور پبلک فنڈ (خزانہ دعوت) سے بھی لوگوں کی امداد کی۔ جس کے سبب سے فنڈ مقروض ہوگیا، اور اس کی ادائیگی میں بڑی زحمت برداشت کرنی پڑی۔ آپ کے عہد میں سیدی ہبتہ اللہ جمال الدین ماذون کے عہدہ پر مامور رہے۔ ذوالقعد ۱۲۵۵ھ میں باوجود ان مصائب کے شاہزادوں کی شادی بڑی تزک سے کی۔ آپ کا خاندان مولائی بھارمل کے سلسلہ نسب میں منسلک ہے۔ آپ خاندان بدر کے (بن مولائی راج)، نویں اور آخری داعی ہیں۔ اور سلسلہ الدعوت العالیہ کے لحاظ سے آپ کی ذات ۴۶ مقدس ہستی ہے۔ محرم ۱۲۵۶ھ کے مجالس میں مولانا نجم الدین کے متعلق جب ذکر آیا تو نامِ منصوص کے متعلق جس طرح بیان کرتا ہے اسی طرح آپ کی توصیف کی۔ ۲۹ جمادی الآخر ۱۲۵۶ھ میں بمقام سورت اس دار فانی سے کوچ فرمایا[1] اور قبہ عزیزیہ میں مدفون ہوئے۔ تین برس، سات ماہ،

---

[1] آپ کو بواسیر کی بیماری تھی۔ اور آخری ایام میں اس کی بڑی شدت رہی۔ بعض روایت میں ہے کہ الماس کا آٹا بھی کسی نے کھلا دیا تھا۔ جس کے سبب اچانک موت ہوئی۔ ورنہ کچھ حالت مایوسی کی نہیں تھی۔ (موسم بہار ۱۰۰۰؟ ج ۳ بمبئی)

اور رشد و ہدایت میں مشغول رہے۔ شیخ عبدالعلی شیخ عبدالقادر ایک بڑے فاضل بزرگ تھے۔ اور آپ ہی کے عہد میں محکم اشاعت دین و علوم میں معروف تھے۔ سیدنا کی وفات حسرت آیات کے بعد محترمہ مریم بی بی آئی صاحبہ نے آپ کے عرس کے لئے ایک جائداد وقف کی۔ میاں صاحب عبدالقیوم صاحب اس عہد میں بھی عہدہ وزارت پر فائز رہے۔ لارڈ آک لینڈ گورنر جنرل ہند آپ کا ہم عصر ہے۔

داعی (۴۷) سیدنا عبدالقادر نجم الدین بن طیب زین الدین

١٨٤٥ — ١٨٨٥ء

آپ کا نام عبدالقادر، نجم الدین لقب، ابومحمد کنیت ہے۔ ابن سیدنا طیب زین الدین، اور موجودہ داعی (١٣٦٢ھ) سیدنا طاہر سیف الدین کے جد امجد ہیں۔ سیدنا محمد بدرالدین کے ہم سبق اور فضائل میں مساوی۔ علوم و فنون ظاہری اور باطنی کی تکمیل مولائی عبدعلی عماد الدین سے کی۔ ١٢٥٢ھ میں آپ نے تخت دعوت پر متمکن ہوکر مومنین کو سرور فرمایا۔ چونکہ آپ بہت بااخلاق تھے۔ اس لئے ہر شخص سے ملتے جلتے۔ چنانچہ اپنے ذاتی اخلاق کے بدولت گورنمنٹ کے ساتھ تعلقات میں بے حد اضافہ ہوا۔ ہزاکسلنسی "سر بارٹل فرے اے" نے سرداران دکن میں آپ کا اول درجہ قرار دیا۔ اور قانون اسلحہ سے آپ کو مستثنیٰ قرار دیا۔ اور سول کورٹ میں آپ کی حاضری بھی غیر ضروری قرار دی گئی۔ اور یہ امتیاز اب تک موجود ہے۔ اور آپ کے جانشین اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ آپ سخی بھی تھے۔ حاجت مندوں کی حاجت برآری اپنا فرض منصبی سمجھ کر کرتے تھے۔ غالباً اس قسم کے اسباب کے بدولت دعوت فنڈ جو پہلے ہی سے مقروض تھا۔ اور زیادہ مقروض ہوگیا۔ اور باوجود انتہائی جد و جہد کے بھی ادائیگی کی کوئی سبیل نہ نکل سکی۔ چنانچہ ١٨٦٥ء

میں ایک جائداد رہن رکھنی پڑی۔ آپ کا عہد بھی بفضلہ ۴۶ برس رہا۔ آپ کے عہد کا قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ اسی عہد میں بوہرے (داؤدیہ) غیر ممالک میں بغرض تجارت پھیل گئے۔ اور بڑا کثیر منافع حاصل کرکے واپس وطن ہوئے۔ جس سے اس قوم کی ثروت اور دولت میں بہت اضافہ ہوگیا۔ اکثر لوگوں کی مالی حیثیت اچھی اور درست ہوگئی۔ معاشرتی اہمیت بھی پیدا ہوگئی۔ انتظامی دورے بھی آپ نے بہت کئے۔ جہاں جہاں آپ پہونچے، گورنمنٹ اور پبلک نے ہر جگہ آپ کا شاندار استقبال کیا۔ ڈبلو، ای، فیرین صاحب ایجنٹ گورنر مقیم سورت نے آپ سے ١٨٥١ء / ١٢٦٨ھ میں سوال کیا تھا کہ آباؤ اجداد کہاں سے آئے، آپ کون ہیں، یہاں کب آئے، کیا کرتے ہیں۔؟ غرض کہ داؤدی بوہروں کے مفصل حال کا طلبگار تھا۔ سیدنا نے اس کے جواب میں بزبان فارسی خط تحریر فرمایا تھا۔ اس کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے۔ اس خط کی بیشتر باتیں وہی ہیں جو ہم اوپر تحریر کرآئے ہیں۔ اس لئے درحقیقت اس خط کے نقل کی حاجت نہیں تھی۔ مگر مومنین کے لئے سیدنا کا خط تبرکاً مندرجہ ذیل سطور میں تحریر ہے۔

بخدمت جناب ڈبلو، ای، فیرین صاحب ایجنٹ ڈپٹی گورنر مقام سورت

بعد از سلام واضح رائے عالی ہو کہ آنجناب کا فارسی خط مرقومہ ١٠ ماہ رواں اور دفتر کا مورخہ ٣٠ جولائی ١٨٥١ء صادر ہوا۔ میں بخوشی آپ کی خواہش کو جو بذریعہ خطوط مذکور کی گئی ہے۔ پوری کرتا ہوں۔ یہ میرے لئے نامناسب ہوگا، کہ میں اپنے خاندان اور اپنے بزرگوں کا ذکر شاندار الفاظ یا تعریف کے ساتھ کروں لیکن حسب خواہش آنجناب کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔ ٩ھ میں میرے بزرگوں کا مسکن مقام یمن تھا۔ ان کے القاب اور عہدوں کا تذکرہ اور حالات ماضیہ، تاریخ مصر و عرب سے ظاہر ہوسکتے ہیں۔ اس لئے اس کا اعادہ کرنا غیر ضروری سمجھتا ہوں۔

سنہ مذکورہ میں میرے ایک بزرگ یمن سے ہندوستان آئے ۔ ان کی غرض یہ تھی کہ ہمارے فرقہ کا مذہبی حال دیکھیں، اور دوسرے لوگ بھی اس فرقہ میں داخل کئے جائیں ۔ اس لئے میں ان کے ہند میں آنے کے بعد کا تذکرہ کروں گا ۔ احمدآباد پہلا شہر ہے جہاں میرے بزرگوں نے اول سکونت اختیار کی، چونکہ شاہزادگان زمانہ اکثر بدروش ہوتے تھے، اس لئے ہمارے بزرگوں نے اپنی مذہبی پاک حیثیت کی وجہ سے ایسے لوگوں کے ملنے جلنے سے احتراز کیا ۔ اور گوشہ نشینی کی زندگی کو ترجیح دی ۔ باوجود ان باتوں کے اگر کوئی شہزادہ یا راجہ دوستانہ خیال سے ہاتھ بڑھاتا تھا، تو یہ لوگ بھی پیچھے نہیں رہتے تھے ۔ سنہ ۱۰۰ھ میں میرے بزرگ لاہور گئے تھے ۔ وہاں اتفاقاً شہنشاہ اکبر بھی وارد تھا ۔ اس نے ان لوگوں کا حال سُن کر اپنے دربار کے چند امرا، کو بھیجا کہ ملاقات کا وقت مقرر کریں، اس ملاقات میں شہنشاہ ان لوگوں سے نہایت عزت کے ساتھ پیش آیا ۔ اور ایک چاندی کی پالکی اور خلعت بھی بخشا ۔ بعدازاں میرے بزرگوار لاہور سے احمدآباد آئے ۔ اور سنہ ۱۰۶۵ھ تک وہیں مقیم رہے ۔ تقریباً ۱۰۶۵ و ۱۰۶۶ھ کے ہمارے بزرگ مع اہل و عیال جام نگر، اور کچھ بھج چلے گئے ۔ کیونکہ ان مقامات کے راجوں کے ساتھ ہمارے دوستانہ تعلقات تھے ۔ اور اسی سبب سے ہمارے بزرگوں اور راجوں کے ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں ۔ جس وقت دونوں ملتے اس وقت دو مسندیں ہوتیں، جس میں سے ایک پر راجہ اور ساتھ ہی دوسرے پر ہمارے بزرگ بیٹھتے ۔ ۸۵ سال تک یہ صدر مقام رہا ۔ سنہ ۱۱۰۵ھ میں انھوں نے اپنی سکونت اجین کو منتقل کردی ۔ اور وہاں ۴۳ سال تک مقیم رہے ۔ اس مقام پر مہاراجہ ہولکر اور سندھیا سے تعلقات پیدا ہوئے

جو نہایت تعظیم سے پیش آتے تھے ۔ ہمارے بزرگ مہاراجہ سندھیا کے ساتھ ایک ہی مسند پر بیٹھا کرتے تھے ۔ سندھیا سے نہایت دوستانہ تعلقات قائم رہے اسی دوران میں شاہ عالم بادشاہ دہلی نے عمدت الامرار کا خطاب مرحمت کرتے ہوئے، ایک سند دی، اور اس جگہ کی قضاوت کے ساتھ ایک بیش قیمت خلعت بھی مرحمت فرمایا ۔ اس قضاۃ نامہ کی ایک نقل آپ کے دفتر میں اور اصل میرے پاس ہے ۔ مذکورہ بالا زمانہ کے بعد وہ لوگ اجین سے برہانپور چلے گئے ۔ اور چند دنوں تک وہاں مقیم رہے ۔ برہانپور سے پونہ ہوتے ہوئے وہ سورت کو آئے ۔ جب پیشوا مادھوراؤ اور اس کے وزیر نانا فرنویس نے سُنا تو دونوں ایک بڑی جماعت کے ساتھ استقبال کے لئے آئے، اور پونہ کو لے گئے ۔ پیشوا نے اچھی مہمان نوازی کی اور موضع گنزی بیاؤ جو قریب احمدنگر کے ہے، نذر پیش کیا ۔ میرے بزرگوں نے انکار کیا ۔ پیشوا نے انکار کو خلاف اخلاق بتا کر قبول کرنے پر مجبور کیا ۔ چار دن کے بعد انہوں نے پیشوا کے وزیر کو مدعو کیا، جو برہمن ہونے کے سبب ہمارے ہاتھ کا پکایا ہوا نہیں کھا سکتا تھا ۔ اس بہانہ سے ہمارے بزرگوں نے موضع مذکور کو نوبت خانہ وغیرہ کے اخراجات کے لئے نذر کردیا ۔ سنہ ۱۱[illegible]ھ میں پونہ کے پٹھان لوگوں نے ہمارے فرقہ کے خلاف فساد کیا ۔ منشی محمد حنیف اور مسٹر کرستجی مودی نے لارڈ الفنسٹن کو جو اس وقت بمبئی کا گورنر تھا اس امر سے مطلع کیا ۔ گورنر مذکور نے پیشوا باجی راؤ کو ایک خط لکھا، اور اس میں اس امر کی تاکید کی کہ پونہ کے پٹھان کسی طرح سے بوہرہ جماعت کو تکلیف نہ پہونچائیں ۔ اور ہر طرح سے ان کی حفاظت کی جائے ۔ پیشوا نے اس حکم کے مطابق وزیر تربک ٹائیکا

کو حکم دیا کہ فوراً دو رجمنٹ لے کر ملا صاحب کے یہاں پہونچو، فوج کی کمان مانیر موسافٹ کے ہاتھ میں تھی۔ یہ لوگ دو روز تک جب تک کہ فساد جاری رہا موجود رہے۔ ۱۸۲۳ء میں جب لارڈ الفنسٹن کے بنگلہ میں چوری ہوگئی، تو اس میں کچھ جائداد اور کچھ سرکاری کاغذات بھی تھے، گورنر مذکور نے پیشوا اعظم کے نائب کو طلب کیا، جو فوراً گورنر کے پاس پہونچے۔ اس نے نائب مذکور سے کاغذات کے چوری جانے کا حال بیان کیا۔ اور درخواست کی کہ وہ کاغذات کی سراغرسانی میں گورنر کا ہاتھ بٹائیں۔ گورنر نے یہ بھی کہا کہ جو شخص پتہ لگائے گا۔ گورنمنٹ اس کی بہت ممنون ہوگی۔ اور جو رقم کاغذات کے بدلے میں طلب کی جائے گی گورنمنٹ دینے کو تیار ہے۔ نائب مذکور نے فوراً اپنے آدمی چہار جانب روانہ کئے، کہ گمشدہ کاغذات کا پتہ لگائیں۔ سخت دقت کے بعد کچھ کاغذات وغیرہ دستیاب ہوئے، جو کاغذات دستاویزیں، کتابیں حاصل کی گئیں وہ چار گاڑیوں میں سما سکیں۔ وہ سب گورنر مذکور کے پاس ارسال کردی گئیں، وہ بہت شکرگزار ہوئے۔ دوسرے دن گورنر مع دیگر افسران وارکان نائب کے پاس تشریف لائے، جنھوں نے سب کی اچھی طرح خاطر مدارات کی۔ شکریہ کے بعد گورنر نے ان اخراجات کی تفصیل مانگی جو سراغرسانی میں ہوئے تھے۔ نائب نے کہا کہ مجھے خوشی ہے کہ ایسے اہم کاغذات کی سراغرسانی میں کامیاب ہوگیا۔ لیکن کچھ خرچ آنجناب سے نہیں لینا چاہتا۔ گورنر نے خدمات کے عوض ایک موضع بطور انعامی جاگیر کے پیش کیا۔ اور سیدنا کا نام سرداروں کی فہرست میں داخل کرنا چاہا۔ نائب نے ہر دو کو لینے سے انکار کردیا اور کہا کہ ہم لوگوں کا سلسلہ مذہبی ہے۔ اور کسی سے کچھ لینے

کے معنی یہ ہیں کہ ہم ان کی خواہشات کے تابع ہوجائیں۔ ہم اسی پر قانع ہیں کہ گورنمنٹ اور ہمارے درمیان تعلقات دوستانہ قائم رہیں۔ ہمیں مال یا جاگیر درکار نہیں ہے۔ واقعہ مذکورہ کے بعد سے جس قدر افسر گورنمنٹ کے آئے، خواہ تبدیل آب وہوا یا کسی سرکاری کام سے، وہ سیدنا سے ضرور ملاقات کرتے، سردار اور ہندوستانی شرفا بھی ملنے آنے لگے۔ اسوقت سے اب تک گورنمنٹ سے ہمارے تعلقات خوشگوار رہے ہیں۔ مسٹر اومرسے جو کہ جتنے ایجنٹ ہوئے ہیں، وہ جب کبھی اس شہر میں آئے، تو ہمارے یہاں ضرور تشریف لائے، سر جان مالکم صاحب جب سورت آئے، تو انھوں نے بھی میرے مکان پر آکر ملاقات کی۔ اور کہا کہ اگر آپ کی کوئی خواہش گورنمنٹ سے ہو تو فرمائیے، لیکن ہمارے طرف سے جواب دیا گیا کہ کچھ نہیں۔ ہم جاگیردار ہوکر گورنمنٹ کے دست نگر نہیں ہونا چاہتے ہیں۔ ہم کو صرف اس قدر چاہیئے کہ سرکار اس وقت تک جو مہربانی ہم پر کرتی آئی ہے۔ اسی طرح آئندہ قائم رہے۔ ۱۸۵۷ء میں میرے والد ماجد مالوہ تشریف لے گئے تھے، اسوقت "منڈسور" میں فساد ہوگیا گورنمنٹ کے جانب سے میرے والد کی اس وقت حفاظت کی گئی۔ اس کے تفصیلی حالات گورنمنٹ کے کاغذات میں موجود ہیں۔ ایک دستہ فوج کا زیر کمان کپتان بوتھ دک، اندور کے رزیڈنٹ نے دے کر میرے والد کی حفاظت کی، اسی طرح فوج نے اپنی حفاظت میں اجین تک پہونچادیا۔ اتفاق سے یہاں بھی فساد ہوگیا اور رزیڈنٹ اندور نے رجمنٹ اور توپ خانہ مدد کے لئے روانہ کیا۔ جب میرے والد سورت آنے لگے تو اندور کے افسروں نے پچاس سوار اور رسالہ پیدل کا ان کے

ساتھ کر دیا۔ ہمارے خاندان کو اس قسم کی امداد خواہ سفر میں ہو یا کسی جلسہ میں ہمیشہ دی گئی ہے۔ جب کسی غیر ملک یا غیر جگہ کو جانے لگے ہیں تو گورنمنٹ نے اپنی جانب سے خطوط ہم لوگوں کو عنایت کئے ہیں۔ جس سے برطانوی قونصل ہماری حفاظت کرتے تھے، راستوں میں مختلف مقامات کے افسر ہمیں ہمیشہ آسانیاں بہم پہونچاتے ہیں، ۱۸۵۰ء کے ابتدائی زمانہ میں ہز ہائینس راجہ گائیکوار بمبئی جاتے ہوئے سورت آئے، انھوں نے مجھ سے ملنا چاہا۔ میں نے قبول کیا۔ اور وہ میرے مکان پر مجھ سے ملے، اور میں نے بھی حسب شان راجہ صاحب کی خاطر و مدارات کی، ہم دونوں ایک ہی مسند پر بیٹھے، یہ سورت میں سب لوگوں کو معلوم ہے۔ اسوقت تک جو دوستی قائم رہی ہے، اور ایسٹ انڈیا کمپنی سے لے کر آج تک جو مہربانیاں ہم پر کی ہیں۔ امید ہے آئندہ بھی ویسی ہی جاری رہیں گی۔ ان کی مہر یہ ہے' الخ

داعی الی اللہ
ابوطیب بن
داعی اجل زین الدین

سیدہ وزیرہ آئی صاحبہ کو حدیثہ کا درجہ عطا ہوا۔ اور سیدی عبدالحسین حسام الدین، راس الحدود بنائے گئے۔ سیدی حسام الدین ماذون۔ اور سیدی بدرالدین مکاسر ہوئے۔ سیدی ہبۃ اللہ جمال الدین آپ کے عہد تک ماذون کے عہدہ پر سرفراز رہے۔ اور مولائی عبدعلی عمادالدین مکاسر تھے۔ اور قلمدان وزارت میاں صاحب عبدالقیوم کے سپرد رہا۔ پھر ۱۸۶۰ء میں آپ کے وزیر سیدنا

برہان الدین تھے، جو موجودہ داعی سیدنا ابو محمد طاہر سیف الدین کے پدر بزرگوار ہیں۔ اور وزیر کے نائب "داؤد بھائی" تھے۔ ۱۲۵۷ھ میں بعہد سیدنا بدرالدین جب سورت میں آگ لگی تو آپ نے سب مال اسباب چھوڑ کر اپنے کو خطرہ میں ڈال کر کتب دعوۃ کے بچانے میں بڑی جدوجہد کی۔ آپ کے ساتھ طلبہ کی ایک جماعت بھی مددگار تھی۔ سب سے زیادہ مدد آپ کو علامہ زمان میاں صاحب ولی محمد صاحب نے دی۔ اگر آپ نے اس وقت کر ہمت نہ باندھی ہوتی تو دعوت ہادیہ کی بے مثل کتابیں آج دنیا سے ناپید ہوتیں۔

آپ کی توصیف میں علماء نے عربی، فارسی اور اُردو میں بے شمار قصائد لکھے ہیں بعض قصائد کے چند اشعار مندرجہ ذیل ہیں:-

الا انہ داعی آل محمد سراج بہ قصر ضاء من دینہ قصر	جان لو کہ وہ آل محمد کا داعی ہے اور ایسا چراغ ہے کہ دین کا قصر اس سے روشن ہے۔
علی النص داعی من امام کما بدی بان وق فھو خمس وذا عشر	امام کی طرف سے بذریعہ نص وہ داعی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ ن اور ق سے کہ پانچ اور دس والا ہے (نجم الدین قادر)
الیہ انتھی من کل داع ومرشد نصوص کنظم قد رداتھا لہ نشر	ہر داعی کی حد اس تک ختم ہوجاتی ہے اور نظم کئے ہوئے نصوص (موتیوں کی طرح) بکھرے گئے ہیں۔
فضائل نجم الدین والحق ماحوتی مقالی فلا عد انتھا ولا حصر	نجم الحق والدین کے فضائل میرے قلم و زبان کے احاطہ سے باہر ہیں۔
خلیفتہ بدرالدین نجبتہ زینہ یحیط بہ مجد یحف بہ فخر	بدرالدین بن زین الدین کا خلیفہ ہے جس کو فخر اور بزرگی گھیرے ہوئے ہے۔

۱۲۹۶ھ میں ایک مجلس شوریٰ قائم ہوئی تاکہ امورِ دعوت مشورہ سے انجام پائے۔ مگر چونکہ سیدنا کی اطلاع بغیر قائم ہوئی تھی۔ اس لئے اس کا قیام ہوکر رہ گیا۔ آپ سے پہلے دعوتوں کے کھانے کے لئے کسی خاص مکان کا انتظام نہ تھا۔ آپ نے اس کا معقول انتظام فرمایا، ہر جگہ اس کے لئے جماعت خانے تعمیر کرائے۔ سب سے پہلے غالباً رامپورہ میں بنایا گیا۔ آپ کے عہد میں مسجدیں بھی بہت تعمیر ہوئیں۔ کراچی بلکہ کل سندھ کے مومنین کی اصلاح ملاجیوا بھائی عامل کے توسط سے آپ ہی کے عہد میں ہوئی۔ فقہی و تاریخی کتب کے تراجم گجراتی زبان میں کئے گئے جس سے عوام نے بڑا فائدہ اٹھایا۔ دعاۃ ہند میں پہلے داعی ہیں کہ مکہ معظمہ کی زیارت سے مشرف اور فریضۂ حج سے فارغ ہوئے۔ واپسی پر مولائی عبدعلی عمادالدین نے مندرجہ دو شعر آپ کے توصیف میں فرمائے۔

حویت بالحج ما لم یحوہ ارم
من الدعاۃ وان جلو وان کرموا
ان المکارم دار انت ساکنہا
وما لغیرک فی دھلیزھا قدم

داعیوں میں اگرچہ اعلیٰ مرتبہ کے لوگ ہوئے مگر تیرے سوا کسی کو حج کا شرف حاصل نہیں ہوا
تیرا گھر بزرگیاں ہیں جس میں تو رہتا ہے، حالانکہ تیرا غیر اس کے دہلیز میں بھی قدم نہیں رکھ سکتا ہے۔

مکاسر دعوت مولائی عبدعلی عمادالدین صاحب نے ایک قصیدہ اردو زبان میں تحریر فرمایا ہے۔ یہ قصیدہ اس لئے بھی قابل نقل ہے کہ داؤدیہ بوہروں میں جو شعراء گزرے ہیں ان میں سے یہ ایک تیرھویں صدی کے آخر کا نمونہ ہے، یعنی اس سے کم از کم یہ تو معلوم ہوجاتا ہے کہ اس قوم میں سے بعض نے اُردو زبان پر کسی قدر قدرت حاصل کی تھی۔

(شعر)

کوئی عجب زور کی ہے تیری یہ جادو نینی   جان شیدا یہ تیرے آہ رے کیا اُن سے بنی
تیرے دندان کی حقیقت ہو یہ تمثیل نمود   اس لئے در ہوا پیدا، نبی ہیرے کی کنی
جنت الخلد کے پھل پھول سے دیتی ہے خبر   یہ تیری گل دہنی، اور تفاح زقنی
چشم مارے ہے تو لب زندہ کرے ہر جان کو   واہ یہ کشتنی، اے واہ مرے یہ زندہ کنی
نہیں معلوم کہ آفت ہے بلا ہے کیا ہے   یہ تیری گردشی آنکھیں یہ تیری ملک زنی؟[1]
جو تیری ہیکل مہوش کی صفت ہے بس ہے   ہم نے ایسی تو تیرے غیر میں دیکھی نہ سنی
دولت حسن کا گل رو ہے خداوند عظیم   دولت علم کا جیوں نجم الدین مولا ہے دھنی
ہے ثریا کے اور شہ کی بزرگی کا مقام   پئے تعظیم ہے خم پشت، یہ چرخ کہنی
دست میں ابر کے ہے تیری کرم افشانی   یہ جبین ماہ کے چمکے ہے تیرا نور سنی
دل عالم ہے تیرے چہرۂ گلگوں پہ فدا   جس طرح گل پہ فدا ہوتا ہے مرغ چمنی
ہیں دو عالم کے شہنشاہ امام طیب   ان کی ہے آج باطلاق تمین کار کنی
رہے نت مرے اوپر شاہ کا احسان عمیم   میں بھی ایک عبدعلی، شاہ کا ہوں عبد دنی

آپ کے ابتدائی عہد میں ایک بات قابل ذکر ہے، یعنی بعض لوگوں نے یہ سوال اٹھایا کہ آپ منصوص نہ تھے، حالانکہ یہ بات بالکل خلاف واقعہ ہے۔ بات صرف اس قدر ہے کہ سیدنا بدرالدین نے منصوص تو فرمایا تھا۔ لیکن خیال یہ تھا کہ رجب کی متبرک تاریخوں میں اس کا اعلان حسب دستور دعاۃ کردیا جائے گا۔ لیکن اچانک موت سے اس دستور پر عمل درآمد نہ ہوسکا۔

---

[1] غالباً "پلک زنی" ہوگا۔

لیکن کسی دستور، یا رسم کے ترک سے دینی امور میں خلل واقع نہیں ہوتا۔ اور نہ دینی امور ترک کئے جا سکتے ہیں۔ اسی عہد جدید میں مندرجہ ذیل باتوں پہ غور کرنے سے اصل مسئلہ روشن نظر آئے گا۔

(۱) ہمیشہ دعاۃ کا دستور رہا کہ اپنے منصوص کا ذکر مختلف طریق سے مختلف اوقات میں کرتے رہتے تھے۔ اسی اصول پر سیدنا بدرالدین بڑے توصیف کے ساتھ اپنے مواعظ اور خاص خاص ملاقاتوں میں برابر فرماتے رہے جس سے لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ آپ منصوص ہیں۔

(۲) آخری دنوں میں جو حدود عیادت کو آتے اور کوئی منصوص کو دریافت کرتا تو آپ سیدنا عبدالقادر کو فرماتے۔

(۳) میاں صاحب عبدالقیوم صاحب جو سیدنا بدرالدین کے وزیر تھے انہوں نے جمعہ یکم رجب ۱۲۵۶ھ کا جو روزنامچہ (بہی کھاتہ میں) تحریر فرمایا ہے، اس میں سیدنا نجم الدین صاحب کا اسم گرامی اسی طرح تحریر کیا ہے۔ جیسا کہ ہمیشہ دعاۃ کرام کا نام تحریر ہوتا آیا ہے۔ حالانکہ سیدنا نجم الدین کے عہد کا یہ پہلا دن تھا۔ معاملہ اگر غیر مشکوک اور روشن (یقینی) نہ ہوتا تو اسم گرامی اس طرح تحریر نہ کیا جاتا۔

(۴) مولیٰ علامہ میاں صاحب ولی محمد صاحب اپنے رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "وان یوکد ما سبق من امری فی الجمع المشھود" الخ اس سے صاف ظاہر ہے کہ پہلے ایک امر طے پا چکا تھا اور منصوص سیدنا نجم الدین مقرر کئے جا چکے تھے، فقط لوگوں کے سامنے اس کی تشہیر بغرض تاکید یا رسم جاریہ کی تقلید باقی تھی۔

(۵) شیخ فاضل میاں صاحب عبداللہ بھائی، اور شیخ فاضل عبدالعلی صاحب جب عبادت کے لئے تشریف لائے اور منصوص کو دریافت فرمایا۔ تو سیدنا نجم الدین کو منصوص بتلایا۔

(۶) سیدنا عبدالحسین حسام الدین ۲۹ کی رات کو تشریف لائے تو سیدنا بدرالدین نے پاس بٹھلایا۔ نصائح کے بعد اپنا منصوص سیدنا نجم الدین کو اسوقت بتلایا۔

(۷) سیدنا جلال نے اپنے بعد سیدنا داؤد بن عجب شاہ اور پھر سیدنا داؤد بن قطب شاہ [کو منصوص] بنایا۔ چنانچہ سیدنا داؤد بن قطب نے جب اس کا اظہار کیا تو کچھ لوگ معترض ہوئے [ن]ص سابق (نص جلال) کا حوالہ دیا گیا جس سے وہ مطمئن ہو گئے۔ یہی حال سیدنا زین الدین کا [تھا۔] سیدنا بدرالدین کے بعد سیدنا نجم الدین کو منصوص بنایا۔ جیسا کہ سیدنا زین الدین کے [رسالہ] سابق کے بعد لاحق "سے معلوم ہوتا ہے۔

(۸) شیخ فاضل عبدالعلی صاحب، شیخ فاضل ولی بھائی، شیخ فاضل عبداللہ بھائی [اور] الحدود عبدعلی عماد الدین یہ اراکین دعوت تھے، اور ان میں سے دو عینی شاہد بھی تھے۔ [ا]ن سب کے فتوے اسی زمانہ میں شائع ہو چکے تھے کیونکہ رسم دعاۃ کے مطابق اعلان عام نہ [ہو]نے سے بعض لوگ معترض ہوئے تھے۔ پس ان لوگوں نے فتویٰ دے کر اس بات کا اظہار کیا کہ [رسم] کی عدم پابندی اصل مسئلہ (قیام منصوص) غلط نہیں ہو سکتا۔ اس فتویٰ کا اصل منشا عوام [کے] خیالات کی تغلیط اور تصحیح تھی اور منصوصیت سیدنا نجم الدین کی تائید۔

(۹) طریق نص کے متعلق سیدنا حمیدالدین کرمانی نے اپنے رسالہ "وضیہ" میں تحریر فرمایا ہے کہ "[ا]ما امر اللہ، او امر الرسول، او اشار، او فعل فکل طریق من النص" اس اصول [کے م]وجب سیدنا نجم الدین کے منصوص ہونے میں کون شک کر سکتا ہے۔ کیونکہ سیدنا زین الدین [نے] مواعظ میں بارہا اشارہ منصوص کے طرح آپ کی توصیف کی۔ اور متعدد حدود کے سامنے [آپ] نے منصوص کا اظہار کر کے اطاعت کا امر کیا۔ میرا ذاتی خیال تو ایسا ہے کہ اصل چیز نص ہے [او]ر اعلان جلی کی تقسیم بعد کی پیداوار ہے کیونکہ متقدمین کے کتب اور عمل میں یہ بات بالکل نظر نہیں

آتی ۔ خصوصاً ائمہ مستورین سابقین کے عہد میں اور اسی طرح ائمہ مصر کے ابتدائی دور میں اس قسم کی تقسیم کا کہیں پتہ نہیں چلتا جس سے ظاہر ہے کہ اس قسم کی تقسیم متاخرین نے کی ۔ اور یہ بھی کوئی اصولی طور پر نہیں ۔ بلکہ رسمی اور رواجی طور پر ۔ تاکہ منصوص کی شہرت بیک وقت عام و خاص میں ہو جایا کرے ۔

سیدنا موصوف ہی کے عہد میں داؤدی بوہروں کی مشہور تاریخ "موسم بہار" لکھی گئی ۔ جناب سیدنا موصوف نے ۱۳۰۲ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا ۔ سورت میں آپ کا مزار شریف ہے ۔ لارڈ ڈائن برا ۱۲۵۸ھ ، لارڈ ہارڈنگ اول ۱۲۶۰ھ ، لارڈ ڈلہوزی ۱۲۶۵ھ لارڈ کی ننگ ۱۲۷۳ھ ، آپ کے معاصر ہیں ۔ آپ ہی کے عہد میں (۱۸۵۶ء ۱۲۷۳ھ) ایسٹ انڈیا کمپنی سے لے کر برٹش گورنمنٹ نے خود ہند کا انتظام کرنا شروع کیا ۔ اور عنان حکومت ملکہ علیہ وکٹوریہ کے ہاتھوں میں آئی ۔ ملکہ کے عہد میں مندرجہ وائسرائے آئے ، لارڈ ڈال گن ۱۲۷۹ھ ۔ سرجان لارنس ۱۲۸۱ھ ۔ لارڈ میو ۱۲۹۹ھ ۔

داعی (۴۸) سیدنا عبدالحسین حسام الدین ۱۸۸۵ء – ۱۸۹۱ء

عبدالحسین نام ، حسام الدین لقب ، بن سیدنا طیب زین الدین ۔ آپ سیدنا نجم الدین ، ۴۷ داعی کے برادر صغیر ہیں ۔ اور ۵۰ داعی سیدنا عبداللہ بدرالدین کے والد ماجد ۱۳۰۲ھ میں اس عہدہ پر ممتاز ہوئے ۔ دُعاۃ سابقین الاولین کی طرح آپ کے بھی تعلقات گورنمنٹ کے ساتھ بہت اچھے رہے ۔ چنانچہ ڈیوک آف کاناٹ اور لارڈ رے ، وغیرہ کے ساتھ بڑے خوشگوار تعلقات قائم رہے ۔ اور متعدد بار ملاقاتیں ہوتی رہیں ۔ علمی لیاقت بڑے اعلیٰ پایہ کی تھی ۔ اپنے اخلاق ، علمیت ، اور بہترین معاشرتی طور طریقے کے بدولت بہت جلد لوگوں میں محبوب ہو گئے ۔

آپ بہترین مقرر تھے ، اور فن خطابت کے ماہر ، خصوصاً علمی طریقے میں نمایاں حصہ لیا ۔ ۱۸۸۷ء میں جب ملکہ وکٹوریہ کی جوبلی منائی گئی تو آپ نے بھی حصہ لیا ۔ اور دعا کی ۔ آپ کے سکریٹری (وزیر) عبدالحسین عبدالعلی مون چھالا نے ایک عربی قصیدہ لکھ کر ڈیوک آف کناٹ کے ذریعہ ارسال کیا ۔ جس کا جواب سر ہنری پرائیوٹ سکریٹری کے توسط سے دیا گیا ۔ اور تکلیف فرمائی کا شکریہ ادا کیا ۔ اور قصیدہ کی بڑی تعریف کی ۔ آپ علالت کی حالت میں احمد آباد ۱۳۰۸ھ میں تشریف لائے ۔ اور اسی جگہ وفات پائی ۔ آپ کی قبر شریف سیدنا قاسم جی زین الدین کے پہلو میں مشرق کے جانب ہے ۔ آپ کے عہد میں داؤدی بوہروں کی ایک تاریخ موسم بہار جو داعی سابق کے عہد میں لکھی گئی تھی ۔ شائع کی گئی ۔ آپ ہی کے عہد میں راجپوتانہ کا ایک مومن وفات پا گیا ۔ اور چونکہ وہ لاوارث تھا ، اس لئے آپ کے عامل نے حسب قانون دعوت اس کے تمام مال پر قبضہ کر لیا (ریاست) کے حکام نے ان کو دھمکایا کہ اگر یہ تمام مال گورنمنٹ (ریاست) کے سپرد نہ کرو گے تو ان پر باضابطہ دائر کیا جائے گا ۔ چنانچہ آپ کے عامل کے اطلاع دہی پر فوراً اپنے ایجنٹ حفیظ اللہ بھائی کے معرفت وہاں کے پولیٹکل افسر کو اس طرف توجہ دلائی ۔ اس نے جو خط اعلیٰ افسر کو لکھا ہے اس کی نقل مندرجہ ذیل ہے

پولیٹکل افسر ۶۰ سنہ ۱۸۸۳ء

از جانب ای ، جی ، کنڈی اسکوائر ۔ ایجنٹ برائے سرداران دکن ، مقام پونا ۔ بخدمت پولیٹکل ایجنٹ جھالرا پاٹن ، راجپوتانہ ۔

۲۴ مارچ ۱۸۸۳ء

سیدنا عبدالحسین حسام الدین پیشوائے بوا ہر بذریعہ اپنے ایجنٹ حفیظ اللہ بھائی اطلاع دیتے ہیں کہ جھالرا پاٹن میں ایک لاوارث بوہرہ کے انتقال کر جانے

پر مُلا صاحب کے ایجنٹ کو دھمکی دے رہے ہیں اور اس پر فوجداری میں مقدمہ چلانے کا خوف دلا رہے ہیں۔ مُلا صاحب سرداران دکن میں اول درجہ کے سردار ہیں۔ اور برطانی افسران ان کے عمال کی مناسب عزت کرتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس طرف توجہ فرمائیں گے۔ اور مناسب تحقیقات کا حکم صادر فرمائیں گے۔

میں ہوں آپ کا ناچیز خادم

"اے جی، کنڈی، ایجنٹ

لارڈ ڈفرین ۱۳۰۳ھ وائسرائے آپ کے ہم عصر ہیں۔

داعی (۴۹) سیدنا محمد برہان الدین ۱۸۹۱ء / ۱۸۹۶ء

محمد نام، برہان الدین لقب۔ بن سیدنا عبدالقادر نجم الدین ۱۲۵۶ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ بعد تکمیل تعلیم ۱۲۷۶ھ میں جبکہ آپ کی عمر ۲۲ برس کی تھی عامل بنائے گئے۔ ۱۳۰۰ھ میں دعوت کے ایک بڑے علاقہ کے "صاحب علاقہ" (جس کے ماتحت غالباً عامل رہتے ہیں) بنائے گئے۔ ۱۳۰۸ھ میں آپ اس عہدہ جلیلہ پر سرفراز ہوئے۔ اوصاف حمیدہ واخلاق پسندیدہ کے باعث بہت جلد محبوب ہوگئے۔ آپ میں انتظامی قابلیت بہت اچھی تھی۔ اور بڑے کفایت شعار تھے۔ مالی محکمہ پر اپنا پورا اقتدار رکھتے تھے۔ اسی باعث آپ اس قابل ہوگئے کہ خزانہ دعوت پر جو قرض چلا آتا تھا اس کو ادا کر سکیں۔ اور کچھ دنوں کے بعد تو اس میں بڑی کمی آگئی۔ لوگوں نے بھی اس معاملہ میں بڑی مستعدی سے امداد کی۔ خاص قرض کی ادائیگی کے لئے سورت میں ایک کمپنی قائم کی۔ اور کامیاب طریقہ سے چلایا۔ یہی بہت بھاری

سِل تھی۔ جو ترقی میں حائل تھی۔ اس کے بعد سے ترقی کے راستے کھل گئے۔ گورنمنٹ سے بھی آپ کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ راجاؤں میں بھی آپ قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ یمن سے ہند میں دعوۃ مرکز تبدیل ہونے کے بعد سے اسوقت تک اکثر داعی کو مکہ جانے کا اتفاق نہیں ہوا آپ دوسرے داعی ہیں۔ جو اپنے خاندان کے ساتھ مکہ، مدینہ اور کربلائے معلیٰ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ہر جگہ آپ کا شاندار استقبال ہوا۔ سید عون، شریف مکہ نے آپ کی بڑی عزت کی۔ عید کے دن جو دربار ہوا تھا اس میں سید موصوف نے کھڑے ہو کر سیدنا کا استقبال کیا اور اپنی جگہ بٹھلایا، اور اس کے بعد بھی متعدد بار آپ سے ملاقات کی۔ ۱۳۲۳ھ میں بعمر ۶۷ سال آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور بمقام سورت قبہ عزیہ میں آپ کی قبر شریف زیارت گاہ عام ہے۔ کل ۱۵ برس آپ نے مومنین موقنین کو ہدایت فرمائی۔ آپ کے آخری عہد ۱۹۰۱ء میں (بمبئی) چرنی روڈ کا قبرستان بھر گیا تھا۔ اس لئے آدم جی پیر بھائی نے آپ سے اجازت لیکر ایک دوسری زمین خرید کر قبرستان بنایا جو آج کل (ناریل واڑ) مجگاؤں کا قبرستان کہلاتا ہے۔ ۱۹۰۲ء میں آپ کے وزیر "طیب بھائی" صاحب تھے جو موجودہ شمس الدعاۃ سیدنا ابو محمد طاہر سیف الدین صاحب کے برادر تھے۔ آپ ہی کے عہد ۱۸۹۶ء میں ایک نیا فرقہ پیدا ہوا جن کو مہدی باغ والے کہتے ہیں، یہ لوگ ناگپور میں ہیں۔ اس فرقہ کے بانی عبدالحسین صاحب ایک تاجر تھے، جن کا دعویٰ تھا کہ امام وقت کے ساتھ ان کی خط وکتابت ہے اور وہ امام کے حجت ہیں۔ کچھ لوگ معتقد ہوئے کچھ پھر واپس ہوگئے، یہ فرق، آج تک ناگپور میں موجود ہے۔ وائسرائے لارڈ کرزن ۱۳۱۶ھ آپ کے ہم عصر تھے۔ ۱۹۰۱ء / ۱۳۱۹ھ میں ملکہ وکٹوریہ کا انتقال ہوگیا اور ایڈورڈ ہفتم قیصر ہند ہوئے۔

داعی (۵۰) سیدنا عبداللہ بدرالدین ۱۹۰۶ء – ۱۹۱۵ء

ابوالفضل کنیت، عبداللہ نام، بدرالدین لقب، ابن سیدنا عبدالحسین حسام الدین
آپ نے ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد علم حقیقت کا درس اپنے عم محترم سیدنا محمد
برہان الدین سے لیا ۱۳۲۳ھ میں آپ جانشین ہوئے۔ آپ کی انتظامی قابلیت بڑی اعلیٰ تھی
ہر چیز کو بڑی گہری نظر سے دیکھتے تھے۔ آپ پاک طینت اور صاف دل تھے۔ اخلاق حمیدہ اور
اعلیٰ تعلیم سے مزین۔ گورنمنٹ اور دیسی راجے آپ سے باعزت پیش آتے تھے۔ اعلیٰ سے لے کر
ادنیٰ تک جو ایک دفعہ آپ سے ملاقات کرلیتا وہ آپ کی طرف مائل ہو جاتا۔ آپ نے اپنی قوم میں
بہت سی اصلاحیں کیں۔ اخراجات میں بھی ہر ممکن طریقہ سے اصلاح کی۔ خود ذاتی طور پہ ماتحتوں کے
کام جانچتے تھے۔ ملک میں انتظامی دورے بھی کئے۔ عربی مدرسہ کی عمارت کی تجدید کی معلموں
کی بھی اصلاح کی۔ اور انتظامی امور میں بھی اصلاحی احکام جاری کئے۔ جس کے سبب سے مقاصد تعلیم
میں بے حد فائدہ پہونچا۔ ۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ میں بعمر ۶۷ سال وفات پائی اور بمقام سورت
قبہ عزیزیہ میں مزار شریف ہے۔ آپ نے دس برس دعوت وارشاد کا کام کیا۔ آپ ہی کے عہد
میں گودھرہ کے ایک قدیم مسجد کی مرمت کرائی گئی جو بہت شکستہ ہوگئی تھی۔ یہ مسجد گودھرہ کے لوا ہر
محلہ میں ندی سے کچھ فاصلہ پر واقع ہے۔ مسجد کی عمارت بڑی شاندار ہے۔ قبہ میں سیدی اسماعیل
جی شہید ابن موسیٰ کلیم الدین مدفون ہیں۔ جو مسجد کے ایک جانب بہت شاندار بنا ہوا ہے۔
مسجد قدیم پر روسائے گودھرہ نے زرکثیر صرف کرکے تجدید عمارت کی ہے جو شاندار اور خوشنما
ہے۔ آپ نے بغرض امداد معطی بھائی ملا عیسیٰ بھائی کو پچاس ہزار روپیہ رہن پہ دیا تھا۔ اور
ان کے دیوالیہ ہو جانے پر آپ کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ تنظیمی دورے بھی فرماتے

تھے۔ چنانچہ ۱۹۱۱ء (یا ۱۹۱۰ء) میں کھنبائت تشریف لے گئے۔ پندرہ دن قیام فرماکر لوگوں
کو فیض پہونچایا۔ آپ کے عہد میں بھی وزارت کی باگ جرمنہ تک "طیب بھائی" کے ہاتھ میں رہی
لارڈ منٹو ۱۳۲۴ھ اور لارڈ ہارڈینگ دوم ۱۳۲۶ھ وائسرائے ہند آپ کے ہم عصر ہیں۔ ۱۹۱۰ء ۱۳۲۸ھ
میں ایڈورڈ ہفتم قیصر ہند کا انتقال ہوا۔ اور جناب جارج پنجم قیصر ہند تخت نشین ہوئے ۱۹۱۱ء
میں تخت نشینی کی مبارکباد چاندی کی کشتی میں قیصر ہند کے خدمت میں ارسال فرمایا۔

داعی ۵۱ سیدنا طاہر سیف الدین ۱۹۱۰ء

موجودہ داعی تارمل وزیر کے لڑکے سیدی فخرالدین گلیاکوٹ کے خاندان سے ہیں۔
اور اس سلسلہ کے ساتویں داعی ہیں۔ آپ کے اجداد اورنگ آباد کے باشندے ہیں، ابو محمد
کنیت، نام طاہر، سیف الدین لقب، ابن سیدنا محمد برہان الدین۔ ۲۷ ذوالقعدہ ۱۳۰۵ھ
مطابق ۱۸۸۸ء بمقام سورت پیدا ہوئے۔ ذاتِ مقدس تاریخ ولادت ہے۔
اور چھ سات برس کی عمر تک اپنے مہربان والدین کی آغوش میں تربیت پاتے رہے۔ سات
برس کی عمر میں پہلی مرتبہ آپ کو کھنبائت جانا ہوا۔ اور دوسری دفعہ نو برس کی عمر ہوگی جب
آپ اپنے عم محترم کے ساتھ تشریف لے گئے۔ تقریباً پندرہ دن آپ کا قیام رہا۔ وہاں کے
سربرآوردہ لوگوں سے ملے۔ اور معلومات کا ذخیرہ ساتھ لائے۔ آپ کی عمر نو برس کی ہوگی جبکہ
آپ نے ابتدائی تعلیم شروع کی۔ اور اسی ایام میں اپنے عم محترم کے ساتھ ایک دفعہ چاندہ بھائی
کے عرس میں شریک ہوئے۔ دعاۃ کے خاندانی بچے عموماً گھروں میں جید استادوں سے تعلیم پاتے ہیں
عام لوگوں کی طرح مدارس میں تعلیم نہیں پاتے۔ چنانچہ آپ کی بھی تعلیم خاندانی طور پر ایک جید عالم
سیدی عبدعلی سے ہوئی۔ آپ بڑے طباع اور ذہین واقع ہوئے ہیں، چنانچہ جب آپ کی بارہ برس

کی تھی تو اسی وقت سے آپ خیال رکھتے کہ جو فالتو وقت ہو وہ زیادہ تر اپنے والد ماجد کی صحبت میں صرف ہو۔ اور امور دعوت کے سرانجام دینے کو بغور دیکھتے رہتے۔ ۱۹۰۶ء میں جبکہ آپ اٹھارہ برس کے تھے حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے۔ شریف مکہ کی طرف سے آپ کے

داعی عہد سیدنا طاہر سیف الدین کا تعلیمی سلسلہ

قطب خاں
نجم خاں
خان جی بھائی بن پیر جی

- صفی الدین
- عبدالقادر حکیم الدین
- حبیب الدین آدم بن ملا خان
- رحمت اللہ بن حسن جی
- سیدنا سیف الدین

- لقمان جی بن ملا حبیب اللہ
- ہبۃ اللہ بن ملا ولی محمد بن لقمان جی
- سیدنا طاہر سیف الدین

(مرج البحرین یلتقیان)
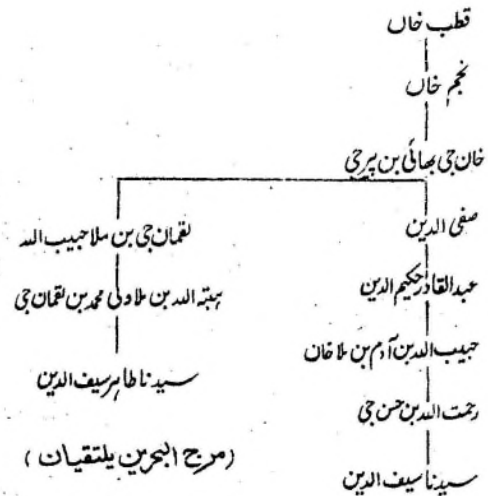
قیام کا پورا بندوبست کیا گیا تھا۔ آپ کے قیام کے لئے خاص سرکاری مکان کا بندوبست ہوا تھا

واپسی مکہ کے بعد ۱۳۲۳ھ میں بمقام سورت جامع مسجد کی ایک مجلس میں حدیثہ کا رتبہ ملا۔ آپ ۱۹ سال کے تھے جبکہ آپ کے والد ماجد نے انتقال فرمایا۔ اور اس وقت آپ نے اعلیٰ تعلیم (علم ظاہر و علم تاویل) حاصل کرلی تھی۔ یہ تمام علوم آپ نے دس سال کی مدت میں حاصل کئے آپ اپنے والد کے وقت ہی سے دعوت کے کام کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ اور جس چیز میں پیچیدگی نظر آتی تو دریافت فرمالیتے۔ اپنے والد ماجد کے وفات پا جانے پر سیدنا عبداللہ بدرالدین کے عہد میں بھی امور دعوت انجام دیتے رہے۔ جس سے اس معاملہ میں نہ صرف تجربہ کار بلکہ کلی و جزئی اور ہر چیز کی ماہیت و حقیقت سے کما حقہ آگاہی ہوگئی۔ ۱۹ سال سے لے کر ۲۹ سال تک یعنی کامل دس برس آپ نے اپنے والد ماجد سے (کچھ حصہ اور بقیہ) سیدنا عبداللہ بدرالدین سے علم حقیقت کے معرفت میں صرف کئے۔ اور مذہبی اعلیٰ صداقتوں کا مطالعہ فرماتے رہے۔ آخری دفعہ ۴ ربیع الاول ۱۹۱۳ء میں میثاق (حلف وفاداری) لیا۔ انھیں خوبیوں کے بدولت اپنے برادر معظم و محترم "طیب بھائی" کے بعد ۱۹۱۱ء سے وزارت کے عہدہ پہ سرفراز فرمائے گئے۔ ۱۹۱۵ء تک اس خوش اسلوبی سے تمام امور انجام دینے اور قابلیت، لیاقت، ذہانت، معاملہ فہمی کا اتنا اچھا نمونہ پیش فرمایا کہ داعی وقت نے اپنے بعد جانشینی کے لئے آپ ہی کو انتخاب فرماکر "منصوص" فرمایا۔ چنانچہ ۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ مطابق ۲۶ جنوری ۱۹۱۵ء میں اس عہدہ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ ۱۹ مارچ ۱۹۱۵ء کو باقاعدہ گدی نشینی کی رسم ادا کی گئی۔ اور "ذو عرش مجید" اس کی تاریخ ہے۔ اس وقت سے آپ کی ذات بابرکات مومنین کے لئے باعث رحمت ثابت ہورہی ہے۔ چونکہ آپ بہت ہی دقیقہ رس واقع ہوئے ہیں۔ اس لئے ہر امر میں اصلاح کو مدنظر رکھ کر کارفرمائی کرتے ہیں۔ آپ نے اپنے عہدہ کے حیثیت سے ہر جگہ کا دورہ فرمایا ہے۔ گورنمنٹ سے بھی آپ کے

تعلقات ہمیشہ اچھے رہے۔ اور وہ تمام امتیازات جو آپ کے پیش رو داعیوں کو حاصل تھے۔ آنجناب بھی بوجوہ اتم اُس سے ممتاز ہیں۔ چنانچہ جون ۱۹۱۵ء میں تمام سرداران دکن میں اول نمبر آپ کا تسلیم کیا گیا۔ اس جنگ عظیم میں بھی آپ نے نہایت دیانتداری اور مآل اندیشی کے ساتھ گورنمنٹ کی ہر قسم کی ممکن امداد کی۔ چندہ اور قرض کے طور پر بھی بہت بڑی مالی قربانی کی آپ کے ہمعصر وائسرائے مندرجہ ذیل ہوئے۔ لارڈ چیمس فورڈ ۱۳۳۴ھ، لارڈ ریڈنگ ۱۳۳۹ھ لارڈ اروِن ۱۳۴۴ھ اور لارڈ ولنگڈن ۱۳۵۰ھ ۔ ۲۰ر فروری ۱۹۱۵ء کو محمد بھائی صاحب آپ کے صاحبزادے کا تولد ہوا۔ ۱۵ر ذوالقعدہ ۱۳۴۵ھ میں بمقام سورت آپ نے اپنی دختر نیک اختر اسماء بائی کا نکاح فخر المأذونین فضل بھائی صاحب کے صاحبزادہ بلند اختر عبدالقادر بھائی صاحب سے کر دیا۔ تمام ہند کے مہمان اس تقریب سے جمع ہو گئے تھے۔ ہر مہمان کی خاطرداری اس خوبی سے کی گئی کہ کسی کو عام طور پر کوئی شکایت کا موقعہ نہ ملا۔ اور ہر شخص بجائے خود خوش تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ خاندان سیدنا نجم الدین و سیدنا حسام الدین کے دس افراد کی شادی خانہ آبادی بھی ہوئی۔ ۱۱ر اگست ۱۹۱۳ء کو سر آدم جی پیر بھائی کا بمبئی میں انتقال ہو گیا۔ اسوقت سیدنا بمبئی میں نہ تھے، اس لئے جنازہ کی شرکت نہ کر سکے۔ البتہ چالیسویں میں شریک تھے۔ فاتحہ خوانی کی مجلس میں سر آدم جی کا مرثیہ جو لکھا گیا تھا ۵۰ ویں داعی کی اجازت نہ ملنے کے سبب پڑھا نہ جا سکا۔ بس ۵۰ ویں داعی کے وفات کے بعد ۵۱ داعی کو سر آدم جی کے لڑکوں نے داعی مطلق تسلیم نہیں کیا۔ اتفاقاً بھوپال میں مسلمانوں سے ایک تنازعہ ہو گیا۔ اس کو طے کرنے کے لئے وہاں کے وزیر آئے اور تمام معاملات طے ہو گئے۔ اس لئے سیدنا نے حکم دیا کہ اس تنازعہ کے سبب سے جو بھوپال سے چلا آیا ہو واپس چلا جائے۔ مخالفوں نے سیدنا کے حکم کی تعمیل نہ ہونے دی اور علانیہ مخالفت کا اظہار یہاں سے شروع ہوا۔ اس کے بعد

سیدنا کے برخلاف اخبارات میں جب جیون جی کے نام سے مضامین شروع ہوئے تو بالخصوص مومنین نے سیدنا سے استدعا کی کہ اس کا تدارک کریں، سیدنا نے صبر کی تلقین کی۔ لیکن دوسرے دن پھر مضمون شائع ہونے سے سات ہزار کا مجمع مسجد میں موجود ہو گیا اور سیدنا سے ان لوگوں کو جماعت سے خارج کر دینے کا مطالبہ کیا۔ سیدنا نے ہر ایک کے یہاں ایک ایک وفدار سال فرمایا کہ شام تک آکر اس کا فیصلہ کر لیں۔ (۱) آدم جی پیر بھائی (۲) جیون جی (۳) عبدالکریم (۴) شرف علی مامونجی، مگر کسی نے کوئی معقول جواب نہ دیا اس لئے دوسرا وفد سر آدم جی پیر بھائی کے پاس بھیجا، مگر ملاقات نہ کی۔ ۲۸ر جولائی ۱۹۱۶ء کے پانچ بجے شام کو ۹ ہزار آدمی جمع ہوئے، شام تک کوئی جواب نہ آنے پر مذکور لوگوں سے قطع تعلقات کا اعلان کر دیا گیا۔ ۲۰ر اگست ۱۹۱۶ء کو بمبئی کی عدالت میں آپ کے برخلاف ایک مقدمہ دائر کیا گیا۔ بظاہر مدعی ایڈووکیٹ جنرل بمبئی تھے۔ مگر درحقیقت سیٹھ سر آدم جی پیر بھائی کے لڑکوں کی طرف سے یہ معاملہ اٹھایا گیا تھا۔ مطالبات مندرجہ ذیل ہیں، جو خلاصہ کے طور پر تحریر کئے جاتے ہیں۔

چاندہ بھائی کا مقبرہ، مسجد، غلہ اور اس سے خرید کردہ جائدادیں رفاہ عام اور خیراتی امور کے لئے وقف ہیں، ان کا مصرف مذہبی اصول پر ہو (سیدنا) ملا صاحب جائز طور پر مقرر شدہ ٹرسٹی نہیں ہیں۔ حسابات شائع کئے جائیں اور نقائص کی تلافی کی جائے۔ ٹرسٹیوں کا تقرر کیا جائے۔ اور ایک رسیور (محافظ) حکام کی طرف سے مقرر کیا جائے۔

ان سب امور کا ایک ہی جواب میں اختصار کے خیال سے تحریر کرتا ہوں۔ جو اصولی طور پر ملا صاحب کی طرف سے دیا گیا۔

جناب سیدنا اپنے عہدہ کے لحاظ سے امام مستور کے نائب اور داعی

مطلق ہیں۔ یعنی اپنے معتقدین کے روحانی اور دینوی معاملات پر حکومت کرتے ہیں۔ بوہرہ جماعت کا ہر فرد ہر کلی وجزئی امر میں اطاعت کرتا ہے۔ پس اسی طرح ہر داعی بحیثیت اپنے عہدے کے تمام املاک، مساجد، مقابر مدارس وغیرہ پر مالکانہ حیثیت سے قابض ہوتا ہے۔ اور اس کو کلی اختیار حاصل ہے کہ جس طرح چاہے اس کو تصرف میں لائے۔ اور اس لئے نہ تو وہ سوائے امام کے جس کے نائب ہیں کسی کو حساب فہمی کا حق حاصل ہے اور نہ کسی قسم کی مداخلت کا۔

۲۰ مارچ ۱۹۲۱ء کو اس کا فیصلہ جسٹس مارٹن کی عدالت سے مندرجہ ذیل ہوا:-

کہ قومی املاک ہر قسم کے خیراتی وقف ہیں گو عدالت ملا صاحب کو کسی قسم کا ٹرسٹی نہیں بناتی ہے، بلکہ محض یہ اعلان کرتی ہے کہ ان کے اور ان کے اسلاف کے اعمال خود قانونی زبان میں ان کو ٹرسٹی بنا دیتے ہیں۔ جناب مُلا صاحب اور ان کے اسلاف نے مختلف تصنیفات میں خود کو ٹرسٹی بیان کیا ہے۔ وہی قانون میں صحیح ہے۔

آپ کے عہد میں مختلف قسم کی عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ شلاً مساجد میں سونا واڑا کی مسجد، دُومس کی مسجد، جوناگڑھ کی مسجد۔ اور بمبئی کی خصوصاً غرۃ المساجد ۶ - ۷ لاکھ اپنے جیب سے خرچ کرکے تعمیر کرائی۔ جو نہایت عالیشان کئی منزلہ عمارت ہے۔ نہایت خوشنما اور شاندار مسجد ہے۔ اور سدھپور کی جامع یوسفی کو ۱۳۳۶ھ میں دوبارہ درست کرایا ہے۔ ۹ ربیع الاول کو دونوں میناروں پر جدید کلس نصب کئے گئے، جن پر ایک ہزار روپیہ کا سونا جڑا ہوا ہے۔ کراچی کی عالیشان مسجد ابھی حال ہی میں تیار ہوئی ہے۔ سیدی حسن پیر شہید

کا قبہ بھی آپ کے عہد میں جدید تعمیر کیا گیا ہے۔ جام نگر میں مدرسہ طاہریہ اور سیفی انسٹیٹیوٹ کی عمارتیں بھی آپ ہی کے عہد کی یادگار ہیں۔ اور بمبئی کا سیفی محل جو اپنی بلندی سے سمندر کا بہترین نظارہ پیش کر دیتا ہے۔ وہ آپ ہی کا مبارک قیام گاہ ہے۔ مکہ معظمہ میں محل سیفی (یا بوہرہ مسافر خانہ) لاکھوں کے خرچ سے نہایت عالیشان تعمیر کرایا ہے۔ آپ کے خطوط نویسی کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے صفحہ کی پیشانی پر کچھ جگہ چھوڑ کر لکھنا شروع کرتے ہیں۔ اور حسب ضرورت چوتھے صفحے تک لکھتے چلے جاتے ہیں۔ آپ کے خطوط عموماً عربی زبان میں ہوتے ہیں۔ ۱۹۱۵ء سندھ اور پنجاب کا دورہ کیا۔ خیرپور اسٹیٹ نے سکھر جاتے ہوئے آپ کی مہمانی کی۔ ۱۳۳۴ھ ۱۲ ربیع الاول کو سیدنا عبداللہ بدرالدین کی برسی ہوئی۔ بھروچ میں آپ کے دادا مُلا حبیب اللہ صاحب کی قبر پر چھتری بنانے کا حکم دیا۔ رادھنپور میں پانی کا انتظام فرمایا۔ سدھپور میں سیفی مسجد کا افتتاح کیا۔ جس کو سیٹھ محمد علی ہرٹ والا نے تیار کیا تھا۔ بمبئی آکر آپ نے سرکار کی وفاداری پر اور امداد جنگ کے لئے بوہروں کو تاکید کی، اور فتح کے لئے آپ نے دعا فرمائی جس کو خدا نے قبول کرلیا۔ ۱۹۱۶ء ۱۳۳۵ھ میں ماہ محرم سورت میں گذارا، اور عشرہ تک مواعظ حسنہ سے مستفید فرمایا۔ اور پھر درس سیفی کے طلبہ کا امتحان لے کر جدید ترتیب دینے کا حکم صادر فرمایا اور جدید طریقہ سے اس مدرسہ کا کورس تیار کیا۔ صفر ۱۹۱۶ء ۱۳۳۵ھ میں کاٹھیاواڑ امریلی گئے۔ تقریباً (۸۰) برس سے اس مقام پر کوئی داعی نہیں گیا تھا۔ اس لئے بڑی خوشی منائی گئی۔ اسوقت عجب لطیفہ یہ ہوا کہ اس مقام میں سخت آگ لگ گئی۔ آس پاس کے تمام مکانات جل گئے۔ لوگ گھبرائے اور چاہا کہ اس مکان کو سیدنا خالی کردیں، مگر آپ نے پانی منگواکر پڑھ کر پھونکا اور پانی ہر جگہ ڈالا جس سے آگ قابو میں آگئی، اور بجھادی گئی، مکانات صحیح وسلامت بچ گئے۔ اس اعجاز سے ہر قوم کے لوگ خوش ہوئے۔ اور شاعروں نے تہنیت نامے ہر زبان میں پیش کئے

او مصیبت زدوں کی کافی طور سے مالی امداد کی ۔ اس دورہ میں اکثر جگہ مسجد اور مدرسہ کی بنیاد رکھی ۔ ۴ ماہ کی مدت میں (۹۰) گاؤں کا دورہ فرمایا، اور لڑکیوں کے دام لینے دینے کی سخت بندش فرمائی ۔ اور پھر بھاؤ نگر پہونچکر جماعت خانہ کا افتتاح فرمایا ۔ ۴ ربیع الثانی کو سیدنا نے دربار قائم کیا ۔ اس میں ہر شخص کو اس کے مرتبہ کے موافق انعام اور خطابات عطا کئے " دھراں دھراء " میں مسجد، مسافر خانہ، جماعت خانہ وغیرہ کا افتتاح کیا جس کو سیٹھ اکبر علی ملا رسول جی بمبئی والا نے تیار کرایا تھا ۔ حلود، موربی وغیرہ سے چل کر کچھ مانڈوی میں آئے ۔ مانڈوی سے بمبئی تشریف لاکر نور مسجد کا افتتاح کیا ۔ جس کو سیٹھ عبد علی سیٹھ آدم جی نے بڑی رقم خرچ کر کے تیار کرائی تھی ۔ رجب، شعبان، رمضان میں بمبئی میں رہے ۔ ۴ اگست ۱۹۱۶ء بدری محل میں تیسرا سالانہ جنگی میموریل کے لئے جلسہ کر کے پونہ ۱۰ اگست ۱۹۱۶ء کو تشریف لے گئے ۔ کیونکہ (۳۰) برس سے کوئی داعی یہاں نہیں گیا تھا ۔ گورنر صوبہ کے طرف سے استقبال کیا گیا ۔ اور ۱۱۴ نمبر مرہٹہ پلٹن کا بینڈ اسٹیشن پر حاضر تھا ۔ گورنر کی موٹر میں تشریف لے گئے ۔ ۱۴ اگست کو گورنر نے بہ معیت ابراہیم جعفر ہارون ملاقات کی اور ۱۷ تاریخ کو ملاقات بازدید کے لئے گورنر آپ کے بنگلہ پر آیا ۔ صدر پونہ میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی ۔ ۱۹۱۸ء کی ابتدا میں ڈونگر پور اسٹیٹ برائے زیارت سیدی فخرالدین گئے، جمادی الاول ۱۳۳۶ھ میں بھائی صاحب داؤد بھائی صاحب شہاب الدین وفات پاگئے ۔ آپ ماذون کے عہدہ پر تھے ۔ اپریل ماہ میں کپڑونج برائے شرکت شادی سیٹھ عبد علی قادر بھائی کے یہاں تشریف لے گئے ۔ جون ماہ میں ایک فرمان اس بات کے لئے نکالا کہ سرکاری قرضہ بغیر سود کے خریدا جائے (سورت کے بوہروں نے ایک لاکھ ۳۲ ہزار لون خریدا) اور بمبئی میں پانچ سات لاکھ کا خریدا (جولائی ۱۹۱۸ء میں گورنر جب سورت آیا تو آپ کے طرف سے سردار فخرالدین بخش بھائی صاحب وغیرہ استقبال کے لئے اسٹیشن پر آئے ۔ اور جلسہ عام

میں آپ کے طرف سے وفاداری بتلائی گئی) اس ماہ میں برہانپور میں مخالفوں نے عامل اور دیگر چند لوگوں پر ہتک عزت کا دعویٰ دائر عدالت کیا ۔ مگر منصف نے سب کو بری کر دیا ۔ نومبر ۱۹۱۸ء میں صلح کے وقت اس قوم نے بڑا حصہ لیا ۔ اور ایک تار مبارکباد کا وائسرائے کو وفاداری کا بھیجا ۔ دسمبر ۱۹۱۸ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ، سورت میں منعقد ہوئی ۔ جس میں آپ نے بڑی ہمدردی کا اظہار فرمایا ۔ اور کامیاب بنانے میں حصہ لیا اور اراکین عظام کی دعوت کی ۔ جولائی ۱۹۱۹ء میں آپ نے دیولالی تشریف لاکر ایک مسجد کا افتتاح کیا ۔ سنے ٹوریم کے لئے زمین خریدی ۔ اور اگست میں بمقام بمبئی سیٹھ یوسف علی بندوق والے نے قصر حسینی اور یوسف باغ کے نام سے بڑا دیوان خانہ اور جماعت خانہ ۳ لاکھ روپے سے تیار کرایا تھا جس میں (۵۰) ہزار روپیہ فنڈ سے دیا گیا ۔ اس کا افتتاح کیا ۔ وہاں سے اودے پور گئے وہاں ایک ماہ مقیم رہے ۔ ذوالقعد ۲۷ کو ملا صاحب کی سالگرہ کی وجہ سے بڑی دھوم دھام ہوئی ۔ اسی دن سیدی بھائی صاحب قطب الدین فضل بھائی صاحب بن سیدنا عبداللہ بدرالدین کو ماذون مقرر کیا ۔ اور بھائی صاحب اسحاق جمال الدین صاحب مکاسر کی جگہ مقرر ہوئے ۔ وہاں سے سورت محرم میں تشریف لائے ۔ عشرہ میں وعظ فرمایا ۔ فروری ۱۹۱۹ء (جمادی الاول ۱۳۳۷ھ) جام نگر جاتے ہوئے (دھلی) میں ایک مسافر خانہ عام اور دوسرا بوہرہ مسافر خانہ کا افتتاح کیا ۔ جام نگر میں استقبال دھوم دھام سے ہوا اور وہاں بوہرہ دواخانہ کھولا ۔ ۲ فروری کو جام نگر ندی کے پل کا پایہ رکھا ۔ وہاں سے راجکوٹ آئے اور ایک مسافر خانہ کا افتتاح کیا ۔ پھر گونڈل، جیت پور، جیتل سر، دھوراجی وغیرہ میں جماعت خانوں کا افتتاح کیا ۔ اس وقت قحط کے سبب ہر جگہ سستے اناج کی دوکانیں کھلوائیں ۔ سورت میں دیوڑھی پر بھی ایک دوکان کھلوائی ۔ مارچ مہینہ میں شیخ قمرالدین ملا نذر علی کے یہاں شادی کی شرکت کے غرض سے پالن پور پہونچے ۔ جہاں نواب صاحب کے طرف سے نہ صرف

استقبال شاندار ہوا بلکہ خلعت بھی عنایت ہوا۔ اور پھر سیدنا نے بھی پوشاک نواب صاحب کی خدمت میں ارسال کی۔ انجمن اسلام نے بھی ان کو سپاس نامہ دیا آپ نے اس کے فنڈ کے لئے معقول رقم دی۔ سدھپور میں غلام علی اور قربان حسین مدراس والے کی درخواست پر ایوان نجمی کا پایہ رکھا۔ اور دو لاکھ روپے خرچ کرکے محل تیار کرایا۔ پھر رتلام پہونچکر باہمی تنازعہ قدیم کا فیصلہ کرکے لوگوں کو ملادیا۔ پھر پنچ محال ہوکر سُنیل گاؤں میں پہونچے جہاں ۱۵ برس کے بعد داعی دین تشریف فرما ہونے اس خوشی میں سارے گاؤں کو دعوت دی گئی۔ یہاں سے جھالرا پاٹن گئے جہاں راج کے طرف سے بڑا استقبال ہوا اور شہر سجایا گیا۔ بھانپور ہوکر رامپورا پہونچے۔ جہاں علیل ہو گئے مالوہ کی گرمی اور مسافرت کی تکان نے پریشان کرڈالا۔ وہاں سے سورت آکر سیٹھ رجب علی یوسف علی کے اشرف باغ میں ایک ماہ بغرض صحت مقیم رہے۔ تمام قوم آپ کی صحت کے لئے دعاگو تھی جولائی ماہ میں صحت کی خوشی میں عیسٰی بھائی موٹا بھائی اور سیٹھ یوسف علی شرف علی نے تمام جماعت کو ضیافت دی۔ اسی کے ساتھ صلح جنگ یورپ کی بھی خوشی منائی گئی۔ اس علالت کے وقت ماہ رمضان میں مومنین کے لئے ایک کتاب" ثمرات الھدیٰ " تصنیف کی۔ اگست میں کپڑونج ٹیکرہ پر نو ہزار کے خرچ سے ایک مسافرخانہ کا افتتاح کیا۔ وہاں سے بمبئی پہونچے جہاں پچاس ہزار خرچ کرکے مسافرخانہ جو بنایا گیا تھا اس کا افتتاح کیا۔ ۱۳۳۸ھ کے محرم میں سدھپور بغرض وعظ وہاں دو ماہ رہے، اور بہت اصلاح کی۔ ۴ ربیع الآخر کے دن فیض سیفی اور فیض طیبی نام کے دو مشہور کھاتے کھولے گئے۔ جس کا منشا غریب بوہروں کی تجارت میں امداد۔ سود کے لین دین سے بچانا چھوٹی رقم سے اچھی آمدنی پیدا کرنے کا راستہ بتانا تھا۔ اس سے بہت لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔ دُمنج میں ایک مسافرخانہ کھولا۔ سیدی حسن پیر میں (۶۰ ہزار) خرچ کرکے مسافرخانہ بنوانے کی اجازت دی اور پایہ رکھا۔ رادھن پور کاغذ کے تاجر مسٹر علی بھائی اکبر علی نے ایک لاکھ کے صرفہ

سے قدیم کے بجائے جدید قبہ کی بنیاد رکھوائی۔ اور وہاں پانی کا انتظام کیا۔ وہاں سے انکلیشر گئے۔ اور وہاں سیٹھ طیب علی ڈرادا والا نے ۲۵ ہزار خرچ کرکے ایک بوہرہ مسافرخانہ جو بنایا تھا، اس کا افتتاح کرایا، وہاں سے موربی گئے جہاں روضہ کے مسجد کا پایہ رکھا۔ وہاں سے جیت پور میں مسجد کا افتتاح کیا۔ پھر سدھپور ہوکر اندور پہونچے جہاں راجہ نے مہمان نوازی کی۔ جنوری ۱۹۲۰ء بمقام اندور مدرسہ، جماعت خانہ وغیرہ کا افتتاح کیا۔ اُجین پہونچے جہاں راجہ کے طرف سے بڑا استقبال ہوا۔ کیمپ میں ایجنٹ ٹو دی گورنر سے ملاقات کی۔ اور اُجین میں سیدنا عبدالقادر نجم الدین کے مقبرہ کا افتتاح فرمایا جس کو خان بہادر نذر علی اللہ بخش نے چار لاکھ روپے خرچ سنگِ مرمر سے تعمیر کرایا تھا۔ اور وہاں سے بمبئی برائے شرکت شادی سیٹھ صالح بھائی بروڈھ والا تشریف لائے۔ مارچ ۱۹۲۰ء میں کپڑونج برائے شرکت شادی سیٹھ عبداللہ بھائی فیض اللہ بھائی ہارڈو تشریف لائے۔ اسی تاریخ میں سیدنا کے فرزند ارجمند حسین بھائی صاحب کا تولد ہوا۔ (۱۳۳۹ھ) یہاں پہلے تو تنازعہ باہمی کا فیصلہ کیا، اور متحد کرکے پونے لاکھ سے مدرسہ محمدیہ کا افتتاح کیا۔ یہاں بھی آپ نے اپنی کرامت سے مخلوق کو فائدہ پہونچایا۔ یعنی ایک بوہرہ کے گھر میں جب آگ لگی تو امر علی کی طرح دعائیں پڑھ کر پانی پر دم کرکے جب آگ پر ڈالا تو قابو میں آگئی۔ اور آج تک لوگ اس کو یاد کرتے ہیں۔ اپریل میں سمرنا فنڈ میں شہید ترکوں کے بچوں کے لئے ایک لاکھ فرانک عطا فرماکر مسلمانوں سے ہمدردی کا ثبوت دیا۔ اس کے بعد جام نگر اُس پل کا افتتاح کرنے کے لئے تشریف لے گئے جس کا پایہ اس سے قبل رکھا تھا۔ اور ایک مدرسہ طاہریہ اور سیفی انسٹی ٹیوشن کی بنیاد رکھی۔ جس کو سیٹھ داؤد بھائی بھاربل جام نگری اور سیٹھ محمد علی تبا والا نے دو لاکھ روپے سے بنوانے کی اجازت طلب کی تھی جو عطا کی گئی۔ اور شالیں بطور خلعت عنایت کیں۔ سیفی انسٹی ٹیوشن کی بنیاد جام صاحب نے رکھی اور پھر جدید محل میں ایک شاندار پارٹی دی گئی۔ شیخ حیدر علی دیوان

نے شکریہ ادا کیا اور دونوں کے تعلقات پر روشنی ڈالی۔ اور وداع کے لئے اسٹیشن پر جام صاحب آئے۔ ماہ مئی میں وہاں سے سورت آئے۔ بیگم پورہ کی بڑی مسجد ایک لاکھ سے زیادہ صرفہ کرکے جدید طور پر تعمیر کرانے کی اجازت مومنین نے مانگی۔ وہاں سے ڈوس پہونچکر رمضان بھر مقیم رہے۔ ۲۶ رمئی کو نواب محسن نے واپسی پونہ کے بعد ایک پارٹی دی۔ جس میں سورت کے اکابرین شریک تھے۔ نواب صاحب نے دو پلاٹ زمین عنایت کی اور کمخواب کی تھیلی میں اس کی سند پیش کی گئی جس طرح اس سے قبل سیدنا نجم الدین کو وہ زمین عطا کی گئی تھی جو آج ملا باڑی کے نام سے مشہور ہے۔ جولائی میں بمقام سورت ملا صاحب کے طرف سے مدرسہ طیبہ کا افتتاح ہوا۔ جہاں دینی اور دنیاوی تعلیم ہوتی ہے۔ اور محکمہ تعلیم دعوت کے ماتحت جاری ہے، یہاں (۴۵۰) طلبہ تعلیم پاتے ہیں۔ اور لڑکیوں کے سوزن کاری کی تعلیم بھی دیجاتی ہے۔ اور اس کی تین شاخیں گوپی پورہ، رحمت پورہ۔ اور کپڑونجی ٹیکرہ پر کھولی گئی ہیں۔ ان کا ماہواری صرفہ (۱۲۰۰) ہے۔ اور پھر یہاں سے بمبئی پہونچے۔ جہاں حاجیوں کے آرام کا بندوبست کیا۔ اسی درمیان دیواس کے راجہ نے بدری محل میں ملاقات کی۔ ۲۲ر اگست کو ایک بوہرہ کی شادی میں پونہ تشریف لے گئے جہاں عام مسلمانوں کی طرف سے استقبال کیا گیا۔ اور ۲۱ر اگست کو سر جارج لائڈ سے اپنی شاندار ڈیوڑھی میں ملاقات کی اور عربی میں دونوں کی باتیں ہوئیں۔ اور چائے کی دعوت کی گئی۔ وہاں سے بمبئی آئے۔ اور چاندابھائی غلہ کیس کے وجہ سے عرصہ تک مقیم رہے۔ ۱۹۲۱ء جنوری میں عبدالطیب بھائی صاحب متولد ہوئے۔ فروری ۱۹۲۱ء میں سورت کے سیٹھ عیسیٰ بھائی موٹا بھائی اور خان صاحب فتح علی عبدالعلی نے کلکتہ آنے کی دعوت دی۔ جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ کے آخری دن دکٹوریہ اسٹیشن سے دو سو آدمیوں کے ساتھ اسپیشل میں روانہ ہوئے۔ بھساول، ملکاپور، جلیم، اکولہ وغیرہ پہ شاندار استقبال ہوا۔ اور ہر جگہ سیدنا کے دیدار کے لئے لوگ آئے۔ ناگپور میں

تمام مسلمانوں کی طرف سے استقبال ہوا۔ سیٹھ ملا فدا علی، ملا سلطان علی کے استدعا سے شہر میں گئے۔ رائے پور پہونچے جہاں اسٹیشن پر استقبال ہوا۔ اور شہر میں گئے۔ وہاں سے روانہ ہوکر پھر ہوڑہ پہونچے۔ جہاں بڑا شاندار استقبال ہوا۔ چوکڑی پر سوار ہوکر سیٹھ عیسیٰ بھائی موٹا بھائی اور ملا فتح علی کی بنائی ہوئی مسجد کا افتتاح کیا۔ مسجد، مسافر خانہ، مدرسہ، عامل کا قیام گاہ تین چار لاکھ سے مذکور لوگوں نے تیار کیا تھا، اس کو بطور وقف آپ کے حوالہ کیا (۲۰) دن قیام رہا۔ جہاں ہر طرح سے آپ کی حفاظت کی گئی۔ ڈاکٹر کلار ناتھ۔ راجہ بھوپندر ناتھ سنہا وغیرہ علمائے بنگالی سے ملاقات کی۔ سر جگدیش چندر بوس کے انسٹی ٹیوٹ کا معائنہ کرکے کافی امداد دی۔ کلکتہ سے جبل پور آئے، جہاں کافی طور سے استقبال کیا گیا۔ اور انجمن اسلامیہ کے طرف سے ایڈریس دیا گیا اور آپ نے یتیم خانہ فنڈ میں معقول رقم دی۔ مسجد اور عامل کے رہنے کی جگہ کا افتتاح کیا اور وہاں سے کھنڈوہ تشریف لائے اور بوہرہ مسافر خانہ کا افتتاح کیا۔ اور پھر برہانپور تشریف لے گئے جہاں پانچ ہزار بوہروں نے اسٹیشن پر ملاقات کی اور آپ سیدی حکیم الدین کی درگاہ پر فاتحہ خوانی کے لئے تشریف لے گئے۔ سیٹھ ملا یوسف علی کوٹھا والا نے یہ سب انتظام کیا اور ایک بڑی رقم نذرانہ کی دی اور وہاں سے بمبئی پہونچے۔ آرسی کمپنی کی طرف سے جماعت کو اس آمد کی خوشی میں ضیافت دی۔ پھر کھنبائت جاتے ہوئے کھیڑا کے کلکٹر مسٹر گریٹ صاحب آنند کے اسٹیشن پہ ملے۔ مسٹر جام جوشی دیوان اور خان صاحب محمد قلی خاں اسسٹنٹ دیوان مسٹر دتی بھائی نے استقبال کیا۔ ۱½ دن آپ کا قیام ہوا۔ مسجد اور جماعت خانہ کا پایہ ڈالا۔ مولائی عبداللہ کی قبر پر جاکر زیارت کی اور جدید گنبد کی تعمیر کا حکم فرمایا اور سینے ٹوریم (صحت گاہ) بنانے کی اجازت دی۔ پھر یہاں سے سیٹھ عیسیٰ بھائی موٹا بھائی کے یہاں بہ تقریب شادی سورت تشریف لے گئے۔ ۱۳۳۹ھ ۲۱ رجب (مطابق ۲۱ر مارچ ۱۹۲۱ء) کا دن بوہرہ قوم کے لئے

ایک سنہری یادگار کے طور پر منایا گیا۔ کیونکہ اُن دنوں چاندہ بھائی کے غلہ کا مقدمہ حسبِ خواہش بوہرہ قوم فیصل ہوا۔ مُلا صاحب کو داعی مطلق تسلیم کیا، اور کل اختیارات بحالہ قائم رکھا۔ سیفی درس کے طلبہ نے بھی پارٹی دے کر خوشی منائی اور مجلس کر کے تمام قوم کو مبارکباد دی۔ اس مجلس میں خود مُلا صاحب نے بھائی صاحب کو حدیث کا عہدہ عنایت فرمایا۔ اور صفی الدین کا خطاب دیا۔ اس خوشی میں بمبئی کے عامل بھائی صاحب نعمان بھائی صاحب نورالدین اور متعدد دیگر معززین نے آکر بمبئی کے جلوس میں شرکت کی استدعا کی۔ یکم اپریل کو بمبئی پہونچے، گرانٹ روڈ پر دس ہزار بوہروں نے استقبال کیا۔ اور وہاں سے قصرِ حسینی یوسفی باغ میں پہونچے۔ جس کو خوب سجایا تھا۔ اس میں خوب جشن منایا، اور قوم نے چار لاکھ روپیہ نذرانہ پیش کیا۔ اس کے بعد دیوان میاں صاحب عبد علی نے سیدنا کا پیغام سنایا جس میں بوہروں کی وفاداری کا شکریہ ادا کیا گیا اور اعلان کیا کہ اس نذرانہ میں سے دس ہزار روپیہ بمبئی کے غریب مسلمانوں کے لئے دیئے گئے۔ اور دو لاکھ مقدمہ کے اخراجات میں داخل کئے گئے۔ اس کے بعد نائب عامل طیب بھائی کوکب نے مدح میں چند غزلیں سنائیں اور پھر دیوان جی حیدر علی نے مدح پڑھی۔ مسٹر صالح بھائی بڑودہ والا۔ سیٹھ یوسف علی بندوق والا سیٹھ راج الدین۔ محمد علی جے پی۔ سیٹھ ابراہیم عبدالقادر جے پی۔ سیٹھ محمد علی اللہ بخش جے پی۔ مُلا عبدالطیب شیخ عبدالحسین کو قیمتی انگشتری مُلا صاحب کے طرف سے دی گئی۔ بمبئی سے سورت آتے ہوئے نوساری میں سینے ٹوریم کا پایہ رکھا۔ سورت میں آپ کے خاندان میں شادی تھی تو ڈیوڑھی اور سیفی مدرسہ کی بڑی آرائش کی گئی۔ ملتان، راولپنڈی، کراچی سندھ، حیدرآباد دکن، اودے پور سدھپور، اُجین، اندور، سنرب پورا، دوحد، گودھرا، لونا واڑ وغیرہ سے مہمان تشریف لائے تھے، مدرسہ سیفی میں ایک ہی مجلس میں ۱۹ نکاح ہوئے۔ تمام عمال جمع تھے۔ مُلا صاحب کے بھائی۔ صالح بھائی شجیع الدین۔ ابراہیم بھائی صاحب کی اصلی شادی تھی۔ سیفی درس میں ایک

ایٹ ہوم دیا تھا۔ معزز شہریوں اور حکاموں کو دعوت دی تھی۔ نواب آف سچین۔ مسٹر کا براجی کلکٹر سورت سردار سیر نظر حسن خاں۔ سردار میر معصوم عالم خاں۔ نواب زادہ نصراللہ۔ طالع یار خاں ڈسٹرکٹ جج۔ مسرا ڈارج ناڑدن پھاٹک جی۔ راؤ بہادر رنجیت کالا بھائی وغیرہ آئے۔ اسی وقت غلہ کیس کی منڈی میں بہت خوشی منائی گئی، اور مختلف پارٹیاں دی گئیں۔ اس کے بعد احمدآباد تشریف لائے مرحوم میاں بھائی بھائی وزیر صاحب اور جماعت کے سفیر کی دعوت پر عزت بخشنے کے لئے ان کے گھر تشریف لائے۔ انجمن اسلام نے بھی پھولوں کا ہار اور ایڈریس دیا، تاجپور میں مجلس منعقد ہوئی اور قوم نے نذرانہ دیا۔ اور انجمن اسلام، ینگ مین مسلم ایسوسی ایشن کے طرف سے نمان بہادر سید محبوب میاں جج۔ اسسٹنٹ جج امام بخش قادری۔ حسن خاں۔ دمنے خاں فرسٹ کلاس مجسٹریٹ۔ سابق ڈپٹی انسپکٹر تعلیمات۔ خان بہادر جان محمد۔ مسٹر نظیر محمد شیخ وکیل، وغیرہ لوگوں نے ملاقات کی، دو دن کے بعد بمبئی پہونچے، رمضان وہیں گزارا۔ پھر سیٹھ عبدالحسین سیٹھ جیواجی، مدراس والے کے لڑکوں نے دو لاکھ کی عمارت تیار کر کے ہال کے افتتاح کے لئے سدھپور آپ کو بلایا۔ اس خوشی میں گلیاکوٹ میں ۲۵ کمرے مسافروں کے لئے تعمیر کی اجازت مانگی۔ جو دی گئی۔ سدھپور میں مکان کی تنگی کے سبب ایک نیا محلہ طیب پورہ کا آپ کے ہاتھوں بنیاد رکھا، عدن میں ایک مسجد جامع کی تعمیر کا باجازت کام شروع ہوا۔ سدھپور میں بہت سی قومی اصلاحیں کیں۔ سدھپور میں مدرسہ یوسفیہ کو محکمہ تعلیم دعوت سے ملحق کر دیا گیا۔ وہاں سے پالن پور آئے جہاں نواب صاحب ملاقات کو تشریف لائے۔ پالن پور سے ڈیسہ، دھنیرا، مدا۔ وغیرہ گاؤں میں تشریف لے گئے پھر سدھپور واپس آئے۔ کارخانہ برق (بجلی) جو ہندو بوہرہ نے تیار کیا تھا اس کا افتتاح کیا۔ اور برہانی محلہ کا پایہ رکھا، سدھپور سے دھنج آئے۔ بوہرہ مسافرخانہ کا افتتاح کیا اور جماعتی نزاع کا فیصلہ کیا۔ وہاں سے دیلمال حسن پیر کی زیارت کے لئے گئے، وہاں دو مسافرخانوں کا افتتاح کیا۔

احمد آباد ہوتے ہوئے بڑودہ پہونچے ۔ ایک مدرسہ جو تیس ہزار (۳۰) میں تیار ہوا تھا۔ اس کا افتتاح
کیا۔ ۲۰ ربیع الآخر میں شاہزادہ صاحب بھائی صاحب محمد بھائی صاحب کی سالگرہ تاپتی ندی
کے پاس زینی بنگلہ میں دعوتِ طعام جماعت کو دی ۔ مدرسہ طیبیہ کے اندر لڑکے لڑکیوں کو جنوری
۱۹۲۲ء میں انعام دیا۔ فروری میں سورت سے جام نگر تشریف لے گئے۔ راستہ میں راجکوٹ میں
بوہرہ مسافرخانہ کھولا ۔ ریاست کے طرف سے آپ کا استقبال ہوا۔ سیٹھ محمد علی علی بھائی
کانچ والے نے پونے لاکھ کے خرچ سے روضہ میں جو ٹاور بنایا اس کو جام صاحب کے روبرو
افتتاح کیا۔ اور اس کا نام سیفی ٹاور رکھا۔ وہاں سے کچھ مانڈوی پہونچے ۔ جہاں درگاہ میں مسافرخانہ
کا افتتاح کیا کھیرپور بندر پہونچے جہاں مسافرخانہ اور مسجد و جماعت خانہ وغیرہ کا افتتاح کیا۔
عمال ریاست نے اور آس پاس گاؤں والوں نے ملاقات کی ۔ وہاں سے راجکوٹ پہونچے۔ مسلم
یتیم خانہ کے بچوں کو بلاکر اچھی رقم یتیم خانہ کو دی۔ راجکوٹ سے موربی ہوتے ہوئے آپ سیٹھ
داؤد بھائی ملا میٹھا والا کے استدعا پر داہود پہونچے ۔ یہاں بھی آپ نے مذہبی اصلاح
کی ۔ وہاں سے گودھرہ ہوتے ہوئے بمبئی پہونچے جہاں رمضان کا مبارک مہینہ گذارا سخت گرمی
کے سبب لوگ روزہ افطار نہ کریں مگر برداشت کریں ایسا فرمان جاری کیا۔ چاندہ بھائی سیٹھ کی قبر
پر ایک دوسرا صندوق نذرانہ آپ کی طرف سے باستدعا، مومنین رکھا گیا۔ اس مقدس ماہ میں گجراتی
زبان میں ایک کتاب شربِ کوثری ۔ تالیف فرماکر شائع کی۔ جون میں برہانپور کی عدالت میں خان
بہادر فخرالدین کے طرف سے عامل اور جماعت پر جو بڑی رقم کے لئے مقدمہ ہتک عزت کا چل رہا تھا
اس کو جج نے خارج کردیا۔ اس ماہ میں احمد نگر تشریف لے گئے ۔ اور وہاں سے اورنگ آباد پہونچے
جو آپ کا آبائی وطن تھا۔ نظام ریاست کے عمال نے آپ کا خیرمقدم کیا۔ دو نرگام مولائی
نورالدین کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے نظام نے معقول بندوبست کیا۔ جہاں سے بمبئی واپس

آئے ۔ اور محرم ۱۳۴۱ھ میں آپ نے وعظ فرمایا۔ پھر سورت آئے، سیٹھ غلام حسین عیسیٰ جی
تاج بھائی کے استدعا پر بمبئی پہونچے ۔ باندرہ میں مقیم ہوئے۔ نومبر میں بمقام ستارہ بھائی سیٹھ
آدم جی بھائی رنگ والا کے طرف سے چار لاکھ صرفہ سے بنائی ہوئی مسجد کا افتتاح کیا۔ اُجین میں
خان بہادر نعمان جی کے یہاں شادی میں ان کی استدعا پر تشریف لے گئے ۔ ہر جگہ ریاست کے
عمال، شہر کے معززین نے آپ کا استقبال کیا ۔ اجین کے قبہ میں تشریف فرما ہوئے ۔ جہاں ۹ فٹ
بلند سنہری کلس نصب کی گئی ۔ اُجین میں تقریباً دو ماہ مقیم رہے۔ پھر اندور آئے، عمال نے
استقبال کیا، اور دارالعمارت تک لوگ گئے ۔ اور یہاں دربار لگایا جہاں دیوان صاحب
کو خلعت عطا فرمایا ۔ اندور چھاؤنی میں ایجنٹ صاحب سے ملاقات کی ۔ وہاں سے مہوہ پہونچے
مسلمانوں کے طرف سے دروازے بنائے گئے اور مسلم انجمن کے طرف سے ایڈریس دیا گیا۔ وہاں ایک
کنواں تھا جس کا پانی نیچے اتر آیا تھا۔ شکایت کرنے پر آپ نے اس کا پانی منگوا کر دم کرکے اسی میں
ڈلوا دیا اور آٹھ دن کے بعد جب کھولا گیا تو ۲۵ فٹ پانی اس میں بلندی پر آگیا تھا۔ آپ کی اس
کرامت سے مومنین کے ایمان تازہ ہوگئے ۔ یہاں سے دھار، دس دن کے بعد بڑوانی اسٹیٹ
گئے ۔ راجہ نے شاہی میزبانی کی درخواست کی جو قبول کی گئی اور رسالہ کی حفاظت میں راج محل میں
مقیم ہوئے ۔ راجہ نے ملاقات کرکے استدعا کی کہ بوہرہ تاجروں کو یہاں آباد ہونے کی ترغیب دیں۔
ملاقات بازدید کے لئے ساگر دلاس محل میں راجہ کے گئے ۔ مہاراجہ کے محل میں گارڈن پارٹی دی گئی
وہاں سے رتلام آئے ۔ اگرچہ آپ کے لئے دوسرے مقامات سے طلبی آئی تھی لیکن شیخ حیدر علی دیوان
جی جو سیدنا برہان الدین کے وقت سے اس عہدہ پر رہ کر خدمت انجام دے رہے تھے ۔ ان کی
استدعا پر لوناواڑہ وطن میں پدر بزرگوار کی عزت افزائی کے لئے اسپیشل ٹرین میں سوار ہوکر سیدنا تشریف
لے گئے ۔ ریاست کے حکام نے استقبال کیا ۔ میاں صاحب حیدر علی کے گھر جو کردی پر سوار ہوکر تشریف

لے گئے۔ حیدر علی نے روپے نثار کر کے غریبوں میں تقسیم کئے۔ دیوان صاحب کے یہاں شادی آپ کے مبارک ہاتھوں انجام پائی۔ کنوئے کا پانی خراب تھا اس سبب سے سخت تکلیف تھی لوگوں کے عرض کرنے پر آپ نے ایک گھڑا پانی دعا پڑھ کر اس کو کنوئیں میں ڈلوا دیا۔ اور آٹھ دن بند رکھ کر کھولا، تو وہ استعمال کے لائق ہو گیا۔ اور آج بوہروں کا بڑا حصہ اسی سے سیراب ہوتا ہے۔ آپ نے وہاں مسافر خانہ کے لئے ایک رقم عنایت کی، وہاں سے احمد آباد ہوتے ہوئے بمبئی تشریف لے گئے، اور رمضان شریف وہاں گذارا۔ اور وہاں وڈھوان کے ٹھاکر صاحب نے ملاقات کی، پھر کرٹرو تنج تشریف لے گئے اور ۸ دن قیام کیا۔ سیٹھ حسین بھائی مورش والا اور سیٹھ آدم جی، سیٹھ جیون جی کے استدعا پر شادی کے موقعہ پر کراچی تشریف لے گئے۔ راولپنڈی، لاہور کوئٹہ وغیرہ کے لوگ حاضر ہو کر دیدار سے مشرف ہوئے۔ تمام کراچی کے لوگوں نے آپ کا معقول استقبال کیا۔ وہاں ۲½ ماہ تشریف فرما رہے۔ ۲۷ ذوالقعدہ کو آپ کی سالگرہ تھی جس میں کیمپ کی مسجد میں سلام کا دربار منعقد ہوا۔ اس دفعہ آپ نے مذہبی اور معاشرتی اصلاحیں کیں۔ اور متعدد وقف کے ذریعہ غیر منقولہ جائدادیں آپ کے نام کی گئیں۔ مدرسہ حسینیہ کا الحاق دعوت کے تعلیمی محکمہ سے ہوا۔ اور فیض حسینی کا کاروبار دعوت کے کاروباری محکمہ کے سپرد کیا گیا۔ اور آپ کے حکم سے اس کا انتظام درست کیا گیا۔ اور سستے مکانات غربار کے لئے مہیا کرنے کا بندوبست کیا گیا۔ محرم ۱۳۴۵ھ کا وعظ آپ نے وہاں فرمایا۔ سدھپور، پالن پور، جبل پور، بمبئی وغیرہ کے لوگ وعظ سننے کے لئے تشریف لائے تھے۔ شیخ اسماعیل علی بھائی راولپنڈی والے جو کشمیر کے بڑے تاجر ہیں۔ ان کی استدعا پر کشمیر ماہ ستمبر میں پہونچے۔ کراچی کے قیام میں ایران کے کونسل نے آپ سے ملاقات کی، اور تربت حیدری فنڈ میں معقول رقم عطا کی۔ ۲۵ محرم کو اسٹیشن پر وداع کے لئے تمام بوہرے جمع ہوئے۔ سندھ، حیدرآباد، لاہور

سے ہوتے ہوئے راولپنڈی پہونچے۔ جہاں آپ کا شاندار استقبال ہر قوم کی طرف سے کیا گیا۔ شیخ آدم ماموں جی خان بہادر کے بنگلہ میں قیام کیا۔ یہاں سے مری کے راستہ بذریعہ موٹر کشمیر چلے۔ مری میں سیفی محل میں قیام کیا۔ اور پھر کشمیر پہونچے اور مہاراجہ ٹکاری کے بنگلہ میں ٹھہرے، ریاست کے طرف سے مہمان نوازی کی گئی اور معقول رقم نذر دی گئی۔ آپ نے قدیم عمارات اکبر اور جہانگیر کی ملاحظہ کیں۔ گلمرگ بلند ترین پہاڑی پر رسالہ کے ساتھ تشریف لے گئے اور یہاں پانچ ہزار فٹ سطح سمندر سے بلند ہے، جہاں بادل اور کہر کے سبب واپسی کی استدعا کی گئی۔ آپ نے کہا کہ دو دن تک یہ کہر رہے گا اور آگے بڑھتا جائے گا واپس نہ ہوگا۔ اس کے بعد آپ نے دعا کی کہر ٹھہر جائے۔ چنانچہ فوراً سورج نکل آیا اور کہر غائب ہو گیا۔ آپ اسلام آباد وایبٹ آباد سے ہو کر بنیڈی پہونچے۔ ۳۰ = ۴۰ رسالہ موٹر اور ۱۵ = ۲۰ ہوس موٹر کا قافلہ آپ کے ساتھ تھا، جہاں مقیم ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ کوئی گاؤں آباد ہے۔ آج سے تین سو برس پہلے بعہد اکبر سیدنا داؤد بن قطب شاہ ۲۷ ویں داعی شاہی رسالہ کے ساتھ کشمیر گئے تھے جس کے بعد آج آپ (۵۱) داعی تشریف لائے، ایبٹ آباد سے راولپنڈی خان بہادر شیخ آدم جی ماموں جی کے استدعا پر آپ پانچ دن مقیم رہ کر سیٹھ آدم علی بدرالدین کی استدعا پر پشاور پہونچے۔ جہاں مہمان خانہ سرکاری میں مقیم ہوئے۔ اور پھر خیبر پاس آپ پہونچے۔ جہاں حکام کے طرف سے چاء کی دعوت دی گئی۔ اسسٹنٹ پولٹیکل ایجنٹ موٹر میں ساتھ تھا۔ وہاں سے پنڈی اور لاہور ہو کر ملتان پہونچے۔ جہاں انجمن اسلامیہ نے آپ کا استقبال کیا اور ایڈریس دیا آپ نے اچھی رقم دی۔ پھر آپ سندھ پہونچے۔ جہاں خیرپور اسٹیٹ نے خیر مقدم کیا۔ اور مہمانداری آپ کی کی۔ ایم کے شیخ سورتی وزیر ریاست میرپور خاص ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ سکھر پل کی تجویز آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ پھر سندھ حیدرآباد آئے۔ بمبئی والے سیٹھ اسمٰعیل جی کریم جی لاٹھی والا کی

استدعا پر ۴ ربیع الاول کو بمبئی پہونچے ۔ اور آپ کی طرف سے جماعت کا کھانا ہوا، جانیح وڈ گورنر بمبئی نے جاتے وقت آپ سے ملاقات کی اور جدید گورنر سیلی ون سے ملاقات کی۔ سیٹھ داؤد بھائی شمس الدین بھارمل و سیٹھ ہبتہ اللہ ابراہیم توا والا کے استدعا پر ۲۷ رجنوری ۱۹۲۴ء کو جام نگر پہونچے، حکام نے استقبال کیا۔ ہار پھول سے تواضع کی۔ یکم فروری کو مدرسہ طاہریہ اور سیفی انسٹی ٹیوشن کا افتتاح کیا۔ موربی، وڈھوان کیمپ، بردڈھ وغیرہ ہوتے ہوئے مسافر خانوں کا افتتاح کرتے ہوئے سیٹھ عبدالعلی حیدر علی ملاباری کے یہاں شادی میں شرکت کے لئے سورت پہونچے، اور پھر وہاں سے بمبئی گئے۔[1] فی الحال آپ کے روزانہ مشاغل مندرجہ ذیل ہیں:۔

بعد نماز صبح واوراد و وظائف ناشتہ تناول فرماتے ہیں۔ پھر دس بجے تک اپنے صاحبزادوں اور عزیزوں کو تعلیم دیتے ہیں۔ اس کے بعد ظہر تک عام طلبہ کی تعلیم ہوتی ہے۔ پھر طعام تناول فرما کر عصر تک قیلولہ فرماتے ہیں۔ مغرب تک امور دعوت اور ڈاک وغیرہ ملاحظہ فرماتے ہیں۔ بعد مغرب مشائخوں کو تعلیم دیجاتی ہے۔ اور صلوٰۃ الیل کے بعد استراحت فرماتے ہیں۔ آپ فطرتاً بڑے فیاض واقع ہیں۔ شاذ ہی کوئی بدنصیب آپ کے در دولت پر جاتا ہو اور خالی ہاتھ واپس آتا ہو۔ ہندوستان کے طول و عرض میں ہر جگہ آپ سے لوگ فیض یاب ہوئے ہیں۔ بلکہ ہند سے باہر بھی آپ نے فیاضی کا نمونہ دکھلایا۔ چنانچہ سمرنا فنڈ میں مظلوم ترکوں کے لئے ایک لاکھ بیس ہزار فرانک عنایت فرمایا۔ اسی طرح مسجد اقصیٰ کی مرمت کے لئے ۱/۲ ۱ لاکھ روپے مرحمت فرمائے۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں جب آپ دہلی تشریف لے گئے تھے، تو دہلی کے تمام مسلمانوں نے بڑے تپاک سے آپ کا خیر مقدم کیا۔ مختلف فرقوں کے مسلمانوں نے آپ کو ایڈریس دیا۔ آپ نے

---

[1] عزت الاخبار مطبوعہ نادری جبلپور

ہر ایک کی دلجوئی اور عزت افزائی فرمائی۔ دہلی کے عربک کالج کو ایک ہزار نقد اور دو سو ماہانہ عنایت فرمایا۔ طبیہ کالج کو پندرہ سو دئے گئے، سورت کے یتیم خانے کے لئے پچاس ہزار عنایت ہوا۔ لکھنؤ میں شیعہ کالج کی مسجد کے لئے دس ہزار دئے گئے۔ اور شیعہ یتیم خانہ کا دروازہ باب سیفی کے نام سے تعمیر کرایا۔ شملہ کے شیعہ مسجد کی تعمیر میں سات سو کی رقم سے امداد کی۔ انجمن اسلامیہ شملہ کو ۸۰۰ روپے مرحمت فرمائے۔ آپ نے شاردا بل کے خلاف بھی پُر زور صدائے احتجاج بلند کی اور معقول رقم صرف فرمائی۔ آل انڈیا فلسطین کانفرنس کا اہتمام آپ ہی نے فرمایا تھا۔ اور اس کے تمام اخراجات کا بار آپ نے اٹھایا۔ سیدنا کو بدو طفولیت سے علم اور اہل علم کی صحبت سے عشق رہا۔ اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آپ اس وقت علم کے بحر بیکراں ہیں۔ مواعظ میں آپ ایسی درفشانی فرماتے ہیں کہ اہل علم انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ آپ انگریزی سمجھ لیتے ہیں۔ اردو بولتے بھی ہیں۔ گجراتی مادری زبان ہے، فارسی جانتے ہیں اور عربی میں کمال حاصل ہے۔ حرم سرا کی عورتیں گجراتی اور اردو بولتی ہیں۔ آپ کی عمر سنہ ہجری کے لحاظ سے ۴۶ سال اور سنہ (شمسی) کے حساب سے ۴۴ سال کی ہے۔ آپ کا حلیہ مندرجہ ذیل ہے۔

دُبلے پتلے، متوسط قد، روشن چہرہ، سفید رنگ، ریاضت و عبادت آپ کے بُشرہ سے عیاں، داڑھی متوسط، لباس سادہ، آواز باریک نہ اتنی کہ سننے کے لئے بہت توجہ کی ضرورت ہو، نہ بہت بلند۔ متانت سنجیدگی ہر عضو سے ظاہر۔ اس وقت آپ کے پانچ لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں۔ آپ کا اسٹاف ۳۰۔ ۲۵ آدمیوں پر مشتمل ہوتا ہے اسوقت آپ کے تعلیمی سکریٹری شیخ علی بھائی ہیں (شیخ علی محمد بن ملا عیسیٰ بھائی) دیوان ہیں۔ اور پرائیوٹ سکریٹری شیخ ابراہیم بھائی یمنی، اور ملا حسن قادر بھائی کاروباری سکریٹری

(یا نیجرا) ہیں۔ ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ میں صاحبزادہ عالی وقار محمد بھائی صاحب برہان الدین کو وزارت کے رتبہ جلیلہ پر سرفراز فرمایا۔ دربار میں آپ کا ایک نقیب بھی ہوتا ہے جو باآواز بلند یہ کہتا ہے،

بسم اللہ الرحمن الرحیم، الہیٰ عمر و دولت زیادہ، آقائے نامدار سلام
شان تو فزدن باد، واقبال دو بالا، اے سیف ہدیٰ سلمکم اللہ تعالےٰ
ترا باد اقبال یادر مدام — بحق محمد علیہ السلام

آپ کی تصنیفات میں سے ضوء نور الحق المبین، مشہور کتاب ہے۔ ابتدا میں جب یہ کتاب شائع ہوئی تو مخالفوں نے بڑا شور وغل مچایا۔ مگر آپ نے یہ تشریح فرما کر لوگوں کو خاموش کردیا کہ یہ کتاب میں نے صرف اپنی قوم کے لئے مخصوص طور پر لکھی ہے۔ ۱۳۴۶ھ میں ایک مرثیہ بھی عربی زبان میں لکھا ہے۔ بحر بہت ہی چھوٹی اس لئے منتخب فرمائی ہے کہ عورتیں اور بچے بھی باآسانی ادا کرسکیں۔ زبان صاف اور شستہ ہے۔ مظلومیت، شہادت، جوع و عطش، عورتوں کے بین، بچوں کی ضد، بیمار کا آہ و بکا اس کے اصل مضامین ہیں۔ پھر اس مصیبت پر رونے کی ترغیب دلا کر دعا اور درود وسلام پر یہ مرثیہ ختم ہوجاتا ہے ۱۳۳۶ھ میں ارزاں اناج کی دوکان احمد آباد، امریٹ، گودھرہ۔ داہود، رتلام میں زر کثیر سے کھلوائیں۔ تاکہ غریب بوہرے اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اور ان سے دوسرے لوگ ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں۔ ۱۳۳۹ھ میں کفارہ صوم کے لئے نصف صاع (۱۳۷½ تولہ) کا ایک پیمانہ پیتل کا تیار کراکر تمام عمال کے پاس ارسال کرایا کہ لوگوں کو آسانی ہو۔ آپ تقریباً ہر رمضان میں ایک جدید کتاب تصنیف فرماتے ہیں۔ ۱۹۳۰ء میں آپ نے بزبان عربی اس صفت کے ساتھ ایک کتاب تحریر فرمائی کہ کتاب کے نصف میں کہیں حرف "الف" نہیں لائے۔ علوم ثمرات الہدیٰ

مشرب کوثری۔ زہر الریاض الازلیہ۔ درر اسرار آل کرار۔ قصیدہ غیر منقوط آپکی تصنیفات ہیں۔

(آخری نصیحت دلی کے مسلمانوں کو)

مسلمان ایک دوسرے سے محبت کریں۔ اخلاص بڑھائیں۔ عیب بینیوں کو بالائے طاق رکھدیں۔ اتحاد واتفاق ہی دینی اور دنیوی ترقی کی مسلّم شاہراہ ہے۔ اگر کوئی گھر یا ملک نااتفاقی میں پھنس جائے۔ اس کا ترقی کرتا رہنا تو درکنار۔ ہستی سنبھالنا مشکل ہوجاتا ہے۔ باہمی اختلافات اور نااتفاقیوں سے انسان نہ دنیا کے کام کرکے فارغ البال ہوسکتا ہے۔ اور نہ ہی یکسوئی طمانیت قلب حاصل کرکے عبادت الہیٰ میں مصروف ہوسکتا ہے۔ لہٰذا باہمی مروّت رواداری کرم واحسان اخلاص ویگانیت ہی ایسے زرّیں اصول ہیں جن پر عامل ہونے سے اسلام کی شوکت دوبالا ہوتی ہے۔ اے خدا مسلمانوں کو متحد اور متفق ہونے کی توفیق عطا کر۔
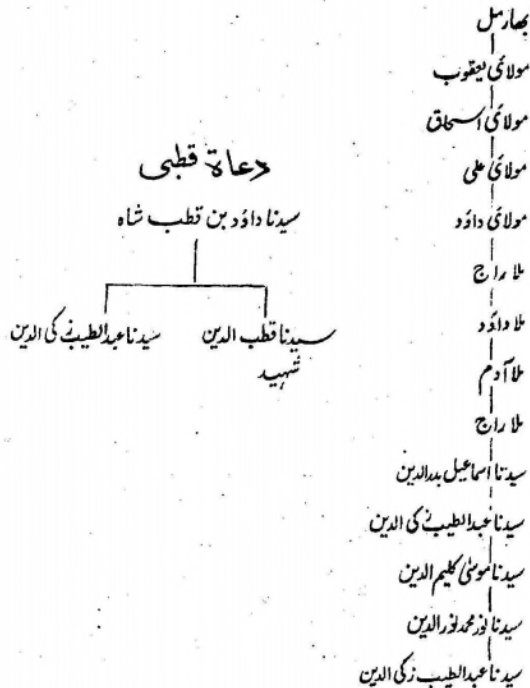
سلسلہ اورنگ آبادی

داعی عہد سیدنا طاہر سیف الدین کا نسب نامہ

ملا حسام خان
|
ملا نجم خان
|
شیخ داؤد بھائی
|
شیخ جیون جی

- سیدنا طیب زین الدین (۴۵)
  - سیدنا عبد الحسین حسام الدین ۱۳۰۲ھ (۴۸)
    - سیدنا عبد اللہ بدر الدین (۵۰)
  - سیدنا عبد القادر نجم الدین ۱۲۵۶ھ (۴۷)
    - سیدنا محمد برہان الدین (۴۹)
    - سیدنا طاہر سیف الدین (۵۱)
- سیدنا محمد عز الدین (۴۴)

سلسلہ نسب دعاۃ جامنگری

بھارمل
|
مولائی یعقوب
|
مولائی اسحاق
|
مولائی علی
|
مولائی داؤد
|
ملا راج
|
ملا داؤد
|
ملا آدم
|
ملا راج
|
سیدنا اسماعیل بدر الدین
|
سیدنا عبد الطیب زکی الدین
|
سیدنا موسیٰ کلیم الدین
|
سیدنا نور محمد نور الدین
|
سیدنا عبد الطیب زکی الدین

دعاۃ قطبی

سیدنا داؤد بن قطب شاہ

- سیدنا قطب الدین شہید
- سیدنا عبد الطیب زکی الدین

شجرہ فرق اسماعیلیہ

امام جعفر صادقؓ

اثناعشری
اسماعیلیہ
(ملک شام) دروزیہ
نزاریہ ۴۸۷ھ
(آغاخانی)
مستعلویہ
۴۸۷ھ
۵۲۴ھ حافظیہ
۵۲۴ھ
طیبیہ
تقریباً ۸۳ھ جعفریہ
علیہ
نگوشیہ
۱۰۰۰ھ
۱۰۰۱ھ سلیمانیہ
ہجومیہ
داؤدیہ
(ناگپور) مہدویہ
مجدوعیہ ۱۱۶۸ھ
تامردلویہ
آدمیہ (سر آدم جی کے لوگ) ۱۳۳۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصہ دوم تاریخ بوہرہ

مذہبی القاب | ائمہ = امام مطلق ۔ امام مستودع ۔ امام مستقر ۔ امام حاضر امام غائب ۔ امام زماں ۔

امام ۔ نائب رسول ہوتا ہے اور اس کی عدم موجودگی میں بالہام الٰہی اس کے احکامات مخلوق تک پہنچانے والا ۔

باب الابواب ۔ وزیر اعظم

باب ۔ مذہب کا اعلیٰ خطاب جو امام کے بعد ہوتا ہے ، اور مثل وزیر کے کام کرتا ہے ، اور امام مستور ہونے کے وقت معتقدوں اور امام کے درمیان سفارت کا کام کرتا ہو ۔

حُجّت ۔ باب کے بعد اس کا درجہ ہے ، امام سے حاصل کر کے دوسروں تک پہنچاتا ہے ، حُجت دو طرح کے ہوتے ہیں ، حجت لیلی ، اور حجت نہاری ۔

ذو مصہ ۔ حجت سے حاصل کرتا ہے ۔

داعی البلاغ ۔ اس کو داعی البلاغ اور داعی اکبر بھی کہتے ہیں ۔ مومنین کے درجات کو ترقی دیتا ہے ، حجت اور امام تک پہنچاتا ہے ۔

داعی ۔ لوگوں سے عہد و پیمان لے کر سلسلۂ بیعت میں داخل کرتا ہے ، اور لوگوں کو علم و معرفت کی تعلیم دیتا ہے ۔

مکلف ۔ یہ عہدہ دار اگرچہ بڑا صاحب علم ہوتا ہے ، لیکن بیعت اس کا کام نہیں ۔ اس کا
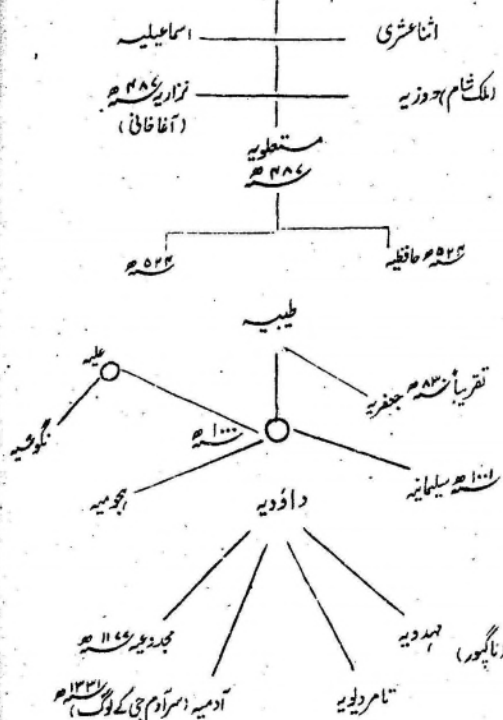
اصلی کام یہہ ہے کہ غیر مذاہب کے عقائد میں حجت اور دلائل سے شکوک پیدا کردے اور متذبذب ہو جائے اور شبہات دور کرنے کا خواہشمند ہو، تو اس کو داعی تک پہنچا دے۔

مومن ۔ اسماعیلی عقیدہ کا عام مسلمان ۔ پس مکلف داعی تک پہنچاتا ہے، عدم تسلی پر داعی الدعا کے پاس بھیجدیا جاتا ہے، اور زیادہ ذہین ہونے پر اس کو حجت کے نزدیک لے جاتے ہیں ۔ اور پھر حجت باب یا امام تک رسائی کرا دیتا ہے، جہاں تسلی کے ساتھ خلعت اور انعام سے مالا مال ہو جاتا ہے ۔

ستر ائمہ کے بعد سے مندرجہ ذیل طریقہ پر القاب مقرر ہوئے ۔

داعی مطلق ۔ اپنے معتقدوں کے روحانی و دنیاوی معاملات پر حکومت کرنے والا ۔ جس کی اس کی جماعت کا ہر فرد، ہر جزئی و کلی امر میں اطاعت کرے، اور بحیثیت عہدہ کے تمام قومی املاک پر مالکانہ تصرف کرے، اور کسی کو مداخلت کا حق نہ ہو ۔

ماذون ۔ جماعت میں دوسرے نمبر کا اعلیٰ عہدہ ہے، داعی کی عدم موجودگی میں تمام کام انجام دیتا ہے، اس کو وزیر اعظم کا عہدہ سمجھو ۔

مکاسر ۔ جماعت میں یہہ تیسرے درجہ کا عہدہ ہے ۔ عہد قدیم میں تو اس کو وزیر جنگ سمجھنا چاہیئے، لیکن آج کل غیر جنگی ہوتے ہیں ۔

حدود ۔ جو موافق شرع کے فتویٰ دیتے ہیں (یعنی مفتی)

قائمین ۔ قاضی، مقدمہ کا فیصلہ کرنے والا ۔

فہرست عہدہ داران ملکی و دینی و خطابات عہد موجودہ

داعی مطلق ۔ نائب امام مستور

منصوص ۔ ولی عہد داعی

ماذون ۔ وزیر اعظم

مکاسر ۔ وزیر جنگ

راس الحدود ۔ مجتہد، مفتی اعظم

مفسوح ۔ بڑا ملا

حدود (حد) مفتی (دینی مسائل اصول سے استخراج کر کے لوگوں کو بتاتے ہیں ۔

شیخ صاحب و میاں صاحب } جو دینی تعلیم پر عبور رکھتا ہو اور سند کے ساتھ عمامہ بھی داعی کی طرف سے مرحمت ہوا ہو ۔ درس اور امامت نماز کی اجازت حاصل ہوتی ہے شہروں میں عامل اکثر یہی لوگ ہوتے ہیں ۔

ملا صاحب ۔ جو معمولی دینی تعلیم حاصل کر کے سند لیتے ہیں، صرف امامت نماز با جماعت کی اجازت ہوتی ہے ۔ اکثر گاؤں میں نائب عامل کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ ان سب لوگوں کو ماہانہ دعوت فنڈ سے وظائف ملتے ہیں ۔

سیٹھ صاحب ۔ معزز دولت مند خیر خواہ داعی کو یہہ خطاب ملتا ہے، اور ان کی نشست داعی یا عامل کے بائیں جانب ہوتی ہے ۔

بھائی صاحب ۔ خاندان داعی کے مردوں کے لئے یہہ لفظ مستعمل ہے ۔

آئی صاحبہ ۔ داعی کی عورتوں کے بولتے ہیں ۔

بدر الدین عماد الدین وغیرہ } عموماً مشائخ، صاحب علم، اور صاحبزادوں (بھائی صاحب) کو اس قسم کے خطابات ملتے ہیں ۔

دعوت فنڈ کو منظم رکھنے کے لئے مندرجۂ ذیل عہدہ دار فی الحال ہیں

داعی مطلق ۔ وزیر ۔ نائب وزیر ۔ کاتب السر (پرائیوٹ سکریٹری)
تعلیم کا وزیر ۔ سیاسی سکریٹری ۔ ناظر العمال (چیف عامل) شاید یہ عہدہ
اب توڑ دیا گیا ۔ نائب ناظر عمال ۔ والی (یا صاحب علاقہ) نائب علاقہ وار
دیوان عامل ۔ نائب عامل ۔ نقیب دربار ۔

جب داعی کا دربار ہوتا ہے، تو خطابات اور عہدے ملتے ہیں ۔ اس کے علاوہ بھی بعض خوشی کے موقعہ پر بھی خطابات عطا ہوتے ہیں ۔ ان دینی عہدوں پر کبھی کبھی عورتیں بھی سرفراز ہوتی ہیں جبکہ ان کی تعلیم کافی ہوئی ہو ۔ اور اعلیٰ لیاقت رکھنے پر ان کے عہدوں میں بھی ترقی ہوتی رہتی ہے ۔ جیسے ستّی (سیدتی) بُو بنت سیدنا داؤد، یا زہرا بی بی بنت سیدنا یوسف (قبل نقض میثاق) اسی طرح ستّی فاطمہ بنت غورا (گورا) بھائی عہدہ مشیخت پر ممتاز تھیں ان کی قابلیت اور علمیت کی کتابوں میں بڑی تعریف لکھی ہے ۔ کپڑونج میں مندرجہ ذیل عورتیں بعہد سیدنا داؤد بن قطب شاہ ملا اور مشائخ میں شمار کی جاتی تھیں ۔ رانی بی بی فاطمہ بی بی بنت محمد ۔ نانی بی بی ۔ مریم بی بی ۔ جیون بی بی ۔ چاند بی بی ۔ فاطمہ بی بی بنت ملا طیب ۔ حوا بی بی ۔ اسی طرح کڑی میں بھی ملا کے عہدے پر چاند بی بی تھیں آئی وزیرہ بی بی بھی درجہ حدیث پر فائز تھیں ۔

ایمان مندرجہ ذیل اشیاء پر ایمان لانا فرض ہے :-
توحید، رسالت اور قرآن ۔ باقی ولایت، طہارت نماز، روزہ، حج زکوٰۃ ۔ جہاد کو فرائض سبعہ کہتے ہیں ۔

توحید ۔ مومنین خداوند تعالیٰ کی توحید کے قائل ہیں ۔ اس کی ذات و صفات کے متعلق تقریباً وہی عقائد رکھتے ہیں جو عام مسلمان حکماء میں رائج ہیں ۔ چنانچہ سیدنا محمد طاہر سیف الدین (زاداللہ فضلہٗ) کی ایک دعا سے اس کی تائید ہوتی ہے ۔ دعا کا کچھ حصہ مندرجہ ذیل ہے ۔

اللھم انی اسئلک یا ھو ۔ یا من لا یعلم ما ھو الا ھو ۔ یا من ھو کما ھو ۔ واتوسل الیک اللھم بالعقل الاول، و بیتا آلیہ و بالسبعتہ العقول اللتی تلیہ ۔ و بعاشرھم القائم المقام الاول ۔ وغیرہ الخ [1]

اس دعا کا مکمل اردو ترجمہ مندرجہ ذیل ہے ۔

اے خدا میں تجھ سے طلب کرتا ہوں ۔ اے وہ ذات کہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کیا ہے مگر وہ خود ۔ اے خدا جو اب بھی موجود اسی طرح ہے جیسے پہلے تھا اور میں وسیلہ اختیار کرتا ہوں عقل اول کے ساتھ اور ان سات عقلوں کے ساتھ جو دوسری عقل کے بعد ہیں ۔ اور دسویں عقل کے ساتھ جو پہلی کی قائم مقام ہے اس شخص کے لئے جو اس کے کناروں کے نیچے رہتا ہے [2] ۔ اور جو احاطہ کرنے والی ہے اپنے جاری مادّے کے ذریعہ ۔ اور بزرگی میں سبقت لے جانے والی ہے ۔ اور وسیلہ تلاش کرتا ہوں ان روحانی قوتوں اور پاک صورتوں کے ذریعہ جو ہر ایک عقل میں موجود ہیں ۔ اور وسیلہ چاہتا ہوں اے اللہ اس صاحب مرتبہ

[1] ممکن ہے کہ اس کے اصلی معانی دوسرے ہوں، اور ان سے مراد ائمہ، دعاۃ اور اولیا ہوں ۔
[2] شائد اس سے مراد داعی ہوں ۔

عالی ، بزرگ ترین کے ذریعہ جو غیر مادی ہے اور آسمانوں اور عناصر کی حرکت اسی کے بدولت ہے ۔ اور عقول جبروتی اور انوار ملکوتی کے چمکنے کی جگہ اسی کے سبب سے ہے ۔ اور وسیلہ مانگتا ہوں ان (۲۷) کے ساتھ جو اس کے حکم کے فرمانبردار ہیں ۔ اور تعمیل میں عجلت سے کام لیتے ہیں ۔ اور وسیلہ طلب کرتا ہوں ان لوگوں کی وساطت سے جو ان کے بعد انوار کے ساتھ آخری مدت تک مبعوث ہوں ۔

اور وسیلہ چاہتا ہوں ان مدبروں کے ذریعہ جو ان دوروں (مراد دوران فلک) کا خاتمہ کرنے والے ہیں ۔ آخری دن کی آخری گھڑی تک ۔

رسالت حضرت محمد صلعم کو نبی اور رسول مانتے ہیں ۔ اور قرآنی آئت "خاتم النبین" کا ترجمہ نبیوں کے مُہر کرتے ہیں [1] دنیا میں چھ ناطق ہوئے ، (۱) حضرت آدم (۲) حضرت نوح (۳) حضرت ابراہیم (۴) حضرت موسیٰ (۵) حضرت عیسیٰ (۶) حضرت محمد صلعم ۔ اور ہر ناطق (رسول) کے لئے ایک مقیم اور ایک وصی ہوتا ہے ۔ چنانچہ مندرجہ بالا ناطقوں کے ذیل کے وصی اور مقیم ہوئے ۔

حضرت آدم کے مقیم ہوبند اور وصی ہابیل ۔ حضرت نوح کے ہیود اور وصی سام حضرت ابراہیم کے مقیم صالح اور وصی حضرت اسمٰعیل ۔ حضرت موسیٰ کے اُد اور وصی حضرت ہارون ۔ حضرت عیسیٰ کے مقیم خزیمہ اور وصی شمعون ۔ حضرت محمد صلعم کے (۰ [2]) اور وصی سیدنا علی

---

[1] سرمایہ نشاط صفحہ ۹ مسلمانوں میں دونوں روائتیں ہیں خاتم بمعنی مُہر ۔ اور خاتم بکسر التاء بمعنی آخری نبی ۔ [2] کتابوں میں مقیم کی جگہ خالی نظر آئی ۔ اس لئے میں نے بھی خالی چھوڑ دیا۔

ولائت مومنین میں یہ بات مسلم ہے کہ حضرت محمد صلعم جب حجۃ الوداع سے واپس ہوئے تو غدیر خم (تالاب کا نام ہے) کے مقام پر جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے ، یہ آئت نازل ہوئی ۔

یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم
تفعل فما بلغت رسالته ۔ واللہ یعصمک من الناس

ترجمہ ۔ اے رسول تیرے رب کے طرف سے جو کچھ تجھ پر نازل ہوا ہے اس کی تو تبلیغ کر ۔ اور اگر نہ کیا تو تبلیغ رسالت کی ہی نہیں ۔ اور اللہ تم کو لوگوں سے بچائے گا ۔

پس اس آئت کے نازل ہونے پر آپ نے تمام لوگوں کو جمع فرمایا ۔ اور سیدنا علی کا دستِ مبارک اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ اے خدا! میں جس کا مولیٰ ہوں علی بھی اس کا مولیٰ ہے اور خداوندا جو علی کو دوست رکھتا ہو اس کو تو بھی دوست رکھ ۔ اور جو علی سے دشمنی رکھے اس سے تو بھی دشمنی رکھ ۔

پس اس آیت میں تبلیغ رسالت سے مراد تبلیغ ولائت تھی ، جو اس مقام پر تمام لوگوں کے سامنے کی گئی ۔ اور اسی لئے آنحضرت کے اختتام خطبہ پر فوراً مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی ۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی الخ

یعنی آج کے دن میں نے تمہارا دین کامل کر دیا ۔ اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دیں ۔

اس طرح بذریعہ رسالت ، تبلیغ ولائت کے معنی تکمیل دین کے ہوا ۔ اور سیدنا حضرت امیر کا

ولائت کے مرتبہ پر سرفراز ہونا یہہ مومنین کے لئے اتمام نعمت خداوندی ہے۔ اس لئے اس کا مطلب یہہ ہوا کہ حضرت صلعم کی وفات پر بحیثیت ولی اور وصی کے قائم مقام رسول (خلیفہ) آپ ہی کو ہونا چاہیئے تھا۔ اگرچہ عام سلمانوں نے اس کو تسلیم نہیں کیا۔ مگر جب تک آپ اس دارفانی میں زندہ رہے فی الحقیقت آپ ہی نائب رسول تھے۔ اور آپ نے اپنی وفات کے بعد حضرت امام حسن رض کو جانشین بنایا۔ (یعنی نص کر گئے)

امامت جیسا کہ ابتدائے کتاب میں بہ تشریح میں نے تحریر کیا ہے کہ کس طرح خلافت اور امامت سلمانوں میں دو علیحدہ شے ہوگئی۔ ایک طرف عام سلمان خلیفہ کو امیرالمومنین (یعنی حاکم) تسلیم کرتے تھے، اور دوسری جانب ائمہ اثنا عشر (۱۳) میں سے ہر مقدس ذات کو اپنا مقتدیٰ اور امام مانتے تھے۔ لیکن کچھ لوگ ایسے تھے جنہوں نے حضرت جعفر صادق کے بڑے صاحبزادہ سیدنا اسمٰعیل اور ان کے خاندان کے صرف منصوص اولاد کو امام مانتے رہے، ان کو اسمٰعیلی کہتے ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ امامت نہ تو کسی امام کی اولاد ہونے سے حاصل ہوتی ہے، اور نہ علم وفضل اور تقویٰ کے سبب اور نہ ہی عوام یا خواص کے کسی کو امام مان لینے سے امام بنتا ہے، بلکہ امام کے مرتبہ پر اسی وقت فائز ہوسکتا ہے جبکہ پیش رو امام اپنے مابعد کے لئے نص (وصیت) کر جائے پس چونکہ یہہ دینی امور من جانب اللہ ہیں اس لئے ناممکن ہے کہ کوئی امام بغیر نص کے وفات پا جائے۔ اور تمام ائمہ بحالت امامت ہر دینی و دنیاوی معاملات میں معصوم ہوتے ہیں۔ ان سے کسی قسم کی غلطی اور خطا ناممکن ہے۔ امام جب تک ہر شخص سے ملتا جلتا رہتا ہے، تو براہ راست مخلوق کی ہدایت کرتا ہے، اور اس کو عام اصطلاح میں امام ظاہر کہتے ہیں اور جب مصالح دینی یا دنیاوی کے سبب عوام کے نظروں سے پوشیدہ ہو جائے تو ان کو

امام مستور کہتے ہیں۔ اور اس حالت کا نام ستر ہے، گو عام طور پر ستر یا مستور کے معنے یہی لئے جاتے ہیں۔ کہ اپنے دشمنوں کے سبب پوشیدہ ہوگئے ہیں، مگر خواص کے نزدیک مستور کے معنی ستر فی ذات اللہ کے ہیں۔ یعنی روحانی طور پر مخلوق سے الگ ہو کر خدا کی ذات میں چھپ گئے ہیں اور امام جب کسی تکلیف میں مبتلا ہو جائے تو اس کو "مخسوف" کہتے ہیں۔ جیسا کہ گیارہویں امام کی حالت ابتدا میں تھی۔ ہر امام کے ساتھ ایک عملہ ہوتا ہے، جو امام کی ہدایت کے مطابق کام انجام دیتا ہے، ظاہر امام کے عہد میں ایک تو وہ عملہ ہوتا ہے جو ملکی انتظام سرانجام دیتا ہے، اور دوسرا وہ جو فقط لوگوں کو اطاعت امام کی دعوت دیتا ہے۔ یہہ لوگ عموماً پوشیدہ کام کرتے ہیں۔ اور خاموشی کے ساتھ کام میں لگے رہتے ہیں۔ لیکن ائمہ مستور کے ساتھ صرف ایک ہی عملہ ہوتا ہے۔ اس عملہ میں (۲۶) آدمی ہوتے ہیں۔ اول باب جو سب کا سردار اور افسر اعلیٰ ہوتا ہے۔ دوسرا داعی الدعاۃ (داعی البلاغ) جو باب کے ماتحت ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ (۲۴) دوسرے اشخاص ہوتے ہیں۔ جن کو حجت کہتے ہیں۔ ان میں سے (۱۲) تو امام کے ساتھ رہتے ہیں اور (۱۲) مختلف ممالک میں امور دعوت انجام دیتے ہیں۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ امیرالمومنین حضرت علی رض اور حضرت امام حسن رض سے سیدنا محمد بن اسمٰعیل تک تو ظاہر امام تھے، اس کے بعد سے مندرجہ ذیل ائمہ کا شمار ائمہ مستورین میں ہوتا ہے۔ سیدنا عبداللہ۔ سیدنا احمد مصنف رسائل اخوان الصفا (۳) سیدنا حسین (۴) سیدنا محمد بن اسماعیل مذکور پس سات (۷) امام ظاہر، اور چار (۴) امام مستور کل گیارہ (۱۱) امام ہوئے جن کے پاس دنیوی حکومت نہ تھی۔ پھر بارہویں امام سے ظاہری امامت کے ساتھ ظاہری دنیاوی حکومت کا سلسلہ بھی شروع ہوتا ہے۔ اس سلسلہ کے پہلی زریں کڑی سیدنا ابو محمد عبداللہ تھے۔ جن کو عام مؤرخین عبیداللہ المہدی کہتے ہیں۔ سلطنت فاطمیہ کے آپ ہی بانی ہیں۔

اور اسی لئے عام مورخین اس سلسلہ کو خلفائے فاطمین کہتے ہیں۔ اس سلسلۃ الذہب میں بطریق منصوص دس امام ہوئے جن کے ہاتھوں میں دینی اور دنیاوی دونوں قسم کی حکومتیں تھیں۔ ان کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) سیدنا امام عبداللہ المہدی (۲) سیدنا امام القائم بامراللہ (۳) سیدنا امام المنصور باللہ (۴) سیدنا امام المعز لدین اللہ (۵) سیدنا امام نزار عزیز باللہ (۶) سیدنا امام الحاکم بامراللہ (۷) سیدنا امام الظاہر لاعزاز دین اللہ (۸) سیدنا امام مستنصر باللہ (۹) سیدنا امام المستعلی باللہ (۱۰) سیدنا امام الآمر باحکام اللہ (۱۱) سیدنا امام ابوالقاسم محمد طیب پس یہ سب ملاکر اکیس[۲۱] امام ہوئے۔ اس کے بعد القاسم سے پھر ائمہ مستورین کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ لیکن ۸۔۹۔۱۰۔۱۱ اماموں کی مستوری اس طرح تھی کہ دعاۃ ان سے ہدایات حاصل کرتے تھے۔ اور عہد موجودہ میں اماموں کی مستوری اس طرح ہے کہ کسی کو کوئی ہدایت بظاہر نہیں ملتی۔ البتہ بعض بزرگوں کو خواب میں امام زماں کی زیارت ہوجاتی ہے۔ اس طرح کل (۲۱) امام ہیں، جن کے نام ہم تک پہنچے ہیں۔ مابعد ائمہ مستورین کے نام بھی عام لوگوں کو معلوم نہیں ہیں۔ لیکن اعتقاد یہہ ہے کہ دنیا میں ہمیشہ خدا کا ایک نائب رہتا ہے، جس کو امام کہتے ہیں۔ تاکہ ذات و صفات الہٰی کی شناخت کرائے۔ حق اللہ کے وجوب اور جائز کو بتلائے۔ محالات کو سمجھائے۔ اور معرفت الہٰی کرائے۔ کیونکہ بغیر معلم کے تعلیم ناممکن ہے۔ پس امام طیب کے بعد ان کے خاندان سے بطریق منصوص ہر عہد میں امام ہوتا چلا آیا ہے۔ اور جب وقت مناسب آئے گا، تو امام کا ظہور ہوجائے گا۔ ایک کتاب میں میری نظر سے یہہ عبارت گزری، کہ (۱۹) داعی سیدنا ادریس عماد الدین کے عہد تک مستور ائمہ سے خط و کتابت جاری رہی۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقط داعی مطلق کو اس کا علم ہوتا ہے۔ کہ امام مستور کون ہے اور کہاں ہے۔ آپ کے

بعد سے یمنی دعوت چونکہ کمزور ہوگئی، اس لئے اس کے بعد سے خط و کتابت مسدود ہوگئی۔ اور دعاۃ امام وقت کے نام اور مقام سے ناواقف رہنے لگے۔ یہہ میری اپنی رائے ہے، وفوق ذی کل علم علیم۔

داعی کے صدر مقام یعنی مرکز دعوت (پایہ تخت) کی فہرست

نمبر	نام	سنہ	کیفیت
۱	کھنبائت	۵۳۶ھ	مستقل
۲	پٹن انہل واڑا	۵۶۶ھ	"
۳	سدھ پور	سنہ	عارضی
۴	احمد آباد	۸۲۵ھ	مستقل
۵	جام نگر	۱۰۶۵ھ	مستقل
۶	موربی	سنہ	عارضی
۷	مانڈوی کچھ	۱۱۲۲ھ	مستقل
۸	اُجین	۱۱۳۵ھ	"
۹	رام پورہ	۱۱۵۰ھ	"
۱۰	برہان پور	۱۱۹۳ھ	عارضی
۱۱	پونہ	۱۲۵۳ھ	"
۱۲	سورت	۱۲۰۰ھ	مستقل
۱۳	ممبئی		عارضی کیونکہ اکثر داعی کا قیام اسی جگہ رہتا ہے

داعی

چونکہ امام مستور ہوگیا ہے اس لئے اس کا قائم مقام داعی مطلق سمجھا جاتا ہے اور ایک داعی کے بعد دوسرا داعی بذریعہ نص اس جگہ آتا ہے۔ اور جس طرح ایک امام بغیر نص کئے دنیا سے رحلت نہیں کرتا، اسی طرح ایک داعی بھی بغیر نص کئے ہوئے وفات نہیں پاتا ہے۔ اور چونکہ وہ نائب امام ہے، اس لئے وہ امام ہی کی طرح معصوم بھی ہے (؟) یعنی وہ امور دینی میں کسی طرح کی غلطی نہیں کرتا۔ اس طرح سیدنا ذویب سے لے کر آج تک اکاون (۵۱) داعی ہوئے، عہد موجودہ میں داعی مطلق سیدنا و مولانا شمس الدعاۃ ابو محمد طاہر سیف الدین (ادام اللہ فیوضہم) ہیں۔ جن کی فطری ذہانت اور کسی جدوجہد سے مومنین کو بے حد فیض پہنچ رہا ہے۔ ہر قسم کے انتظامات کو اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیا ہے۔

داعی مطلق کا "دارالدعوت" گو کہ مستقل طور پر دارالہجرت سورت ہے۔ مگر فی الحال بمبئی میں زیادہ قیام رہتا ہے۔ محکمہ دعوت کی ایک کتاب ہوتی ہے۔ جس میں عمال، علماء، شیوخ، حدود، وغیرہ کے بیعت کا حال درج ہوتا ہے۔

قاعدہ یہہ ہے کہ جب جدید داعی تخت دعوت پر رونق افروز ہوتا ہے تو مثل خلفاؤ ائمہ ظواہر کے ایک دربار کرتا ہے، جس میں تمام عہدہ دار وظیفہ دار نیز امراء وغیرہ حاضر دربار ہوتے ہیں۔ اور حلفِ وفاداری (بیعت یا میثاق) لیتے ہیں۔ اور ساتھ ہی نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ یہہ تمام نذرانے دعوت فنڈ میں جاتے ہیں۔ یہہ دربار مختلف اوقات میں مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ "سلام کا دربار" ہوتا ہے۔ اور اس میں جو کچھ نذرانہ ملتا ہے وہ داعی کا ذاتی ہوتا ہے، اس طرح سے داعی کی پوزیشن (حیثیت) دو قسم کی ہوتی ہے۔ اول سرکاری (یعنی بحیثیت داعی) اس صورت میں ہر قسم کی قومی ملکیت پر تاحیات

مالکانہ قبضہ ہوتا ہے۔ اور ایک داعی کی وفات پر دوسرا منصوص داعی اسی طرح قابض ہوجائے گا جیسا کہ پہلا تھا۔ اس کی اولاد کا اس پر کوئی حق نہیں۔

دوم "ذاتی حیثیت" اس حالت میں تحفہ، ہدیہ، سلام وغیرہ کی آمدنی اس کی ذاتی ملکیت ہوتی ہے، اور ان آمدنیوں سے جو جائداد غیر منقولہ خریدی ہو وہ سب بعد وفات داعی ان کے اقربا کو ورثہ کے طور پر مل جائے گی۔ دعوت فنڈ کا اس پر کوئی حق نہیں۔ اسی واسطے داعی اگر ذاتی طور پر کسی سے قرض لے۔ یا کسی دوسرے کا قرض اپنے ذمہ لے لے، تو اس کی ادائیگی دعوت فنڈ سے نہیں ہوسکتی، جیسا کہ میاں صاحب عبداللطیف کا معاملہ سورت میں پیش آیا تھا۔ یا (۴۷) داعی کے صاحبزادے طاہر بھائی کا قرض (۴۸) داعی نے محض کمال مروت و بلند حوصلگی سے اپنے ذمہ لے لیا تھا۔

داعی کے لئے کوئی ضروری نہیں ہے کہ باپ کے بعد بیٹا ہی کو اس کی جگہ دیجائے۔ بلکہ اس کی بھی پابندی نہیں ہے کہ ایک ہی خاندان سے ہو۔ چنانچہ یمن میں پانچ خاندانوں میں دعوت منتقل ہوتی رہی۔ ان میں سے خاندان حامدی اور خنظلی نے دو دو پشت تک اس منصب جلیلہ پر رہ کر امور دعوت انجام دیا۔ خاندان ولیدی کی (۱۸) پشتیں اس کام میں سرگرم رہیں۔ اس کے بعد مرکز دعوت ہند میں آگیا۔ اور سیدنا یوسف نجم الدین سدھپوری ہند کے پہلے داعی ہوئے پھر قطبی خاندان ہوا، جس کے تین فرزندوں کو یہہ شرف حاصل ہوا۔ اس کے بعد بھارمل کا (جام نگری) خاندان آتا ہے، جس کی آٹھ اولادیں اس عزت سے ممتاز ہوئیں۔ درمیان میں دو افراد حکیمی خاندان کے بھی داعی ہوئے۔ خاندان بھارمل کے بعد موجودہ داعی کا تارمل خاندان ہے، جو اس وقت تک برسر اقتدار ہے۔ اور اس کا ساتواں فرزند عہد حاضر کا داعی وقت ہے۔ میری اس تشریح سے ناظرین کو معلوم ہوگیا ہوگا، کہ نص دعوت کے لئے ہمیشہ ایک

خاندان مقرر نہیں کر دیا گیا ہے۔

نص

سیدنا حمید الدین کرمانی نے اپنی کتاب رسالہ وضیہ میں نص کی یہہ تعریف شرعی کی ہے کہ

" ما امراللہ او امرالرسول او اشار او فعل " یعنی جس بات کا حکم خدا یا رسول نے دیا ہو، یا رسول نے اشارہ سے یا خود کرکے بتایا ہو۔ اس مسلمہ تعریف میں کسی قسم کی قید نہیں ہے پس چونکہ امام نائب رسول اور داعی مطلق نائب امام ہوتا ہے ' اس لئے اس کا امر' اشارہ اور فعل بھی نص میں شمار ہوگا۔ آج کل نص کا طریقہ یہہ ہے کہ پہلے تو منصوص کے متعلق چند خاص لوگوں کو آگاہ کر دیتے ہیں۔ پھر جب حالت یاس کی ہوتی ہے تو داعی ایک مختصر دربار کرتا ہے۔ اس میں ایک خطبہ دیتا ہے اور پھر منصوص کا اظہار کرتا ہے۔ دعوت کے خزانے کی کنجیاں اور دیگر سامان جدید داعی کے سپرد کرکے خود سبکدوش ہو جاتا ہے۔ اس طریقہ کے رائج ہونے سے متاخرین نے نص کی دو قسمیں کر دی ہیں۔ پہلے کو نص خفی اور دوسرے کو نص جلی کہتے ہیں۔ ورنہ شرعی طور پر فقط نص مطلق کافی ہے۔ کیونکہ ائمہ کے ساتھ ہر قسم کے واقعات پیش آئے ہیں کسی نے فقط نص خفی پر اکتفا کیا۔ کسی نے نص جلی ہی کیا۔ اور کسی نے دونوں پر عمل کیا۔

اصل یہہ ہے کہ جس کو جیسا وقت اور موقعہ ملا۔ مثلاً کبھی دو گواہوں کے سامنے اس کا اقرار کر لیا جاتا ہے جیسا کہ سیدنا قطب الدین شہید کے واقعہ سے ظاہر ہے۔ اور کبھی منصوص کی غیبت میں بوقت موت خود داعی لوگوں پر اظہار کر دیتا ہے ' جس طرح کہ سیدنا یوسف نجم الدین سدھپوری اور سیدنا اسماعیل بدرالدین جام نگری کے ساتھ گذرا۔ حالت امن میں داعی زمان موت سے پہلے بھی کسی وقت میں منصوص بنا سکتا ہے۔ جیسا کہ سیدنا نجم الدین عبدالقادر کے ساتھ ہوا۔ کبھی کبھی بیک وقت دو منصوص یکے بعد دیگرے بھی کر لیتا ہے ' اور یہہ سیدنا داؤد بن

عجب شاہ اور سیدنا داؤد بن قطب شاہ کے واقعہ سے ظاہر ہے۔ امام زماں یا داعی کسی کو منصوص بناکر پھر اس کو منسوخ بھی کر سکتا ہے ' جیسا کہ امام مستعلی کے ساتھ پیش آیا۔ تجدید نص بھی کبھی کبھی کرتے ہیں۔ چنانچہ (۱۶) داعی نے اس کو عملی جامہ پہنایا۔

امور دعوت کا انتظام

داعی، دعوت کے انتظامی امور کے لئے اپنی عمر میں ایک دفعہ اپنے تمام علاقوں کا دورہ کرتا ہے ' لیکن کبھی کبھی دور دراز علاقے رہ بھی جاتے ہیں۔ یہہ علاقے مشرق میں سنگاپور اور مغرب میں عرب (یمن) اور افریقہ تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اور ہندوستان میں کشمیر اور سندھ سے لے کر لنکا تک ہیں۔

آبادی

ساری دنیا میں کل مومنین (داؤدی بوہرے) کی تعداد تین لاکھ ہے۔ اور کل علاقہ بمبئی میں ایک لاکھ تیس ہزار (۱۳۰۰۰۰) ہے۔ اور پایہ تخت سورت میں سات ہزار ہے۔ یہہ لوگ جہاں بھی رہتے ہیں ایک ہی محلہ میں قیام کرتے ہیں۔ اور تمام ضروریات اسی جگہ بہم پہنچاتے ہیں۔

داعی کے اختیارات

داعی اپنے متبعین سے جو بیعت یا میثاق لیتا ہے اس کے رو سے اس کے اختیارات بے حد وسیع ہیں۔ وہ اپنے مقلدین کے جان و مال پر ہر وقت مالکانہ اختیارات رکھتا ہے یعنی ہر مرد و عورت کی جان اور مال پر اور اسی طرح ہر شے مملوکہ ' منقولہ و غیر منقولہ کو جب اور جس وقت ضرورت ہو تو دعوت کے فوائد کے لئے بلا تکلف قبضہ اور استعمال کر سکتا ہے۔ اور کسی کو مجال انکار نہیں۔ گو کہ آج تک اس نے ایسا کیا نہو۔ ایسا کرنے کے لئے دینی طور پر بہت دلائل ہیں مگر فقط تشفی کے لئے ناظرین کو دو آیتوں کی طرف توجہہ دلاتا ہوں۔

ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم و اموالھم بانّ لھم الجنۃ (توبہ آیت ۱۱۱)

الںبی اولیٰ بالمومنین من انفسہم (احزاب آیت ۶)

یعنی ۔ اللہ نے جنت کے معاوضہ میں مومنین سے ان کے جان و مال کو خریدلیا ہے ۔

نبی ، مومنین کی اپنی جانوں سے زیادہ اولیٰ ہے ۔

اصل منشاء یہہ ہے کہ نبی کا نائب جو امام ہوتا ہے اس کا قائم مقام داعی ہے ۔ پس جو اختیارات بتوسط نبی ، امام وقت کو حاصل ہیں ۔ وہی بتوسط امام داعی مطلق کو حاصل ہیں ۔ کیا تم دنیا میں اس کی مثال نہیں دیکھتے کہ ایک جج جب رخصت پہ جاتا ہے اور اس کا قائم مقام اگرچہ صرف چند ماہ کے لئے آتا ہے ، تاہم ایک خونی مجرم کو پھانسی دینے کا اسی طرح سے اس کو قانونی اختیار حاصل ہے جیسا کہ جج اول کو تھا ۔ اسی واسطے کتب دعوت میں تحریر کیا گیا ہے ۔

کہ داعی میں ۹۵ صفات کے علاوہ جج کے بھی تمام اوصاف ہونے چاہئیں [1] تاکہ اپنے وسیع اختیارات کو صحیح طور پہ استعمال کر سکے ۔

---

[1] تحفۃ القلوب بحث داعی ۔

داعی کی مُہر

مملوک آل محمد الطاہرین
الملتمس من مولاہ النفر
العزیز دالفتح المبین طاہر
سیف الدین بن الداعی اجل
محمد برہان الدین
۱۳۳۳ ھ

مُہر وزارت دعوت ہادیہ سورت

راقم الحروف کہتا ہے، کہ داعی کا اس قدر وسیع اختیارات رکھنا یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ بلکہ دنیا کی مہذب گورنمنٹ آج بھی اپنے محکومین پر اسی قسم کے وسیع اختیارات کی نہ صرف مدعی ہے بلکہ عامل بھی ہے، چنانچہ جب کبھی ضرورت لاحق ہوتی ہے تو جبری فوجی بھرتی کر کے محکومین کے جان پر قبضہ کیا کرتی ہے۔ اسی طرح جب غیر منقولہ جائداد کی حاجت ہوتی ہے تو نہ صرف لوگوں کے مکانات بلکہ گاؤں کے گاؤں فوجی اغراض کے لئے خالی کرالئے جاتے ہیں۔ روپے کے احتیاج پر نہ صرف لوگوں کے قرضہ کی ادائیگی بند کردیجاتی ہے بلکہ بینک تک بند کر کے لوگوں کو اپنے ذاتی روپے کے حاصل کرنے سے بھی روک دیا جاتا ہے، لیکن اس قسم کے واقعات روزانہ کوئی گورنمنٹ نہیں کرتی بلکہ جب ضرورت اس کو مجبور کرتی ہے تو پبلک فائدے یا تحفظ سلطنت کے لئے ایسا کرتی ہے۔ یہی حال داعی کا ہے، کہ وہ اپنے وسیع اختیارات محض ضرورت کے وقت استعمال کرتا ہے نہ کہ روزانہ۔ پس میرے خیال میں انتظامی امور کے لئے ایسے وسیع اختیارات کا ہونا ضروری ہے اور کوئی غیر معمولی حیرت انگیز بات نہیں ہے۔ داعی حسب ضرورت فرمانات جاری کرتا ہے جس کی تعمیل ہر مومن پر فرض ہے، بحکم آیت کریمہ (قرآن)

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم۔

یعنی۔ خدا رسول اور مسلمان حاکموں کی اطاعت کرو۔

اور ان فرمانات یا خطوط کا طریقہ یہ ہے کہ کچھ پیشانی چھوڑ کر بسم اللہ لکھتے ہیں۔ ان پر انکی مہریں لگی ہوتی ہیں۔ دستخط خط کے درمیانی حصہ میں کرتے ہیں۔ اور داعی کے وفات پر ان کی مہریں ضائع کردیجاتی ہیں۔ داعی کے ماتحت ماذون اور مکاسر ہوتے ہیں۔ اور یہ تینوں ایک وقت میں ایک ایک ہی ہو سکتے ہیں۔ موخر الذکر دونوں، داعی کی عدم موجودگی میں کام کرتے ہیں۔ جیسا کہ ۳۳ داعی کے عہد میں نظر آتا ہے۔ کبھی کبھی ماذون منصوص بھی ہوتے

ہیں۔ جیسا کہ ۴۴ داعی کے ساتھ ہوا۔ لیکن یہ کوئی ضروری بات نہیں ہے۔ متعدد ماذون ایسے بھی ہوئے ہیں کہ مختلف داعیوں کے عہد میں ماذون رہے مگر منصوص نہ ہوئے، جیسے سیدی قاضی خاں سدھپوری وغیرہ۔ داعی لوگوں کو خطابات بھی عطا کرتا ہے، جیسے سیٹھ صاحب، عمادالدین۔ نجم الدین وغیرہ۔ جب کوئی مجلس ہو تو اس میں نشست کی ترتیب بھی داعی کے حکم سے رکھی جاتی ہے۔ اور "حدّیہ" کے مرتبہ پر کسی کو سرفراز فرمانا بھی داعی ہی کے اختیارات میں ہے۔ تمام عمال کا تقرر بھی داعی کی اجازت سے ہوتا ہے۔

وزارت

داعی کا ایک وزیر اور دوسرا نائب وزیر ہوتا ہے۔ اور ایک کاتب السر (پرائیوٹ سکریٹری) ایک دیوان بھی ہوتا ہے، کبھی دیوان اور وزیر کے دونوں عہدے ایک ہی کے سپرد ہوتے ہیں۔ باقی محکمے مثلاً محکمہ تعلیم، وغیرہ سب وزیر کے ماتحت ہوتے ہیں۔ عام مومنین اپنی درخواستیں بذریعہ عمال ارسال کرتے ہیں۔ اور عامل وزیر کے پاس بھیجتا ہے۔ وزیر اس کو دیکھ کر جس محکمہ کے متعلق وہ درخواست ہوتی ہے وہاں ارسال کردیتا ہے اور اگر نفس سیدنا کی خدمت میں پیش کرنا مناسب سمجھتا ہے تو پیش کر کے حکم حاصل کرلیتا ہے ورنہ خود ہی جواب دیتا ہے، اگر کوئی عرضی بغیر توسط عمال ارسال کی جائے تو واپس کردی جاتی ہے۔ لیکن اگر عمال کے ذریعہ ارسال کرنے کا نتیجہ نہ نکلا ہو تو پھر براہ راست اپیل کرسکتا ہے۔ وزیر کے پاس بھی داعی کی طرح ایک مہر ہوتی ہے۔ تمام سرکاری کاغذوں پر جو اس کے توسط سے ہو مُہر ہونا ضروری ہے۔

زبان

دعوت کی سرکاری زبان عربی ہے، اس لئے تمام کاغذات عربی ہی میں لکھے جاتے ہیں، اور مجبوری سے گجراتی زبان (جو مادری زبان ہے) استعمال میں لاتے ہیں۔

عمال

داعی نے انتظامی سہولت کے لئے تمام علاقوں کو نو (۹) حصے پر تقسیم کر رکھا ہے۔ گویا سلطنت دعوت کے یہہ نو صوبے ہیں۔ جہاں ایک والی (گورنر) داعی کی طرف سے رہتا ہے۔ مندرجہ ذیل مقامات میں والی رہتا ہے۔

احمدآباد۔ سورت۔ بمبئی۔ کراچی۔ ملتان۔ اُجین۔ رنگون۔ سنگاپور۔ یمن۔ زنجبار۔ بھوپال کھنبائت۔ باقی مقامات میں عامل یا نائب عامل کام کرتا ہے۔ یہہ والی اپنی دو سالہ (یا سہ سالہ) مدت میں ایک دفعہ ماتحت علاقہ کا دورہ کرتا ہے۔ ان لوگوں کے قیام کے لئے ہر صدر مقام میں ایک عمارت بنی ہوئی ہے۔ جسے صاحب الدعوت کی عمارت کہتے ہیں۔ ان لوگوں کا سفر خرچ، خوراک، اور دیگر ضروری اخراجات، داعی دعوت فنڈ سے ادا کرتا ہے۔ کل عمال کی تعداد ۲۶۶ ہے ان میں ایک چیف عامل (ناظر العمال) بھی ہوتا ہے جس کا قیام زیادہ تر بمبئی میں رہتا ہے۔ اور داعی کی عدم موجودگی میں صدارت کرتا ہے۔ ناظر العمال کا ایک نائب بھی ہوتا ہے۔ ہندوستان کے ہر بڑے شہر میں دعوت کے عمال موجود ہیں۔ جہاں تھوڑی بھی آبادی مومنین کی ہو، ان کا کام پڑھانا۔ نکاح کرانا، کفن دفن کرانا۔ باہمی نزاع کا تصفیہ کرانا، اور اسی لئے داؤدی بوہروں کا مقدمہ جو آپس کا ہو کبھی برٹش گورنمنٹ کی عدالت میں نہیں جاتا۔ میثاق (بیعت) لینا بھی اسی کا کام ہے۔ ناظر العمال ہر جگہ کا دورہ کرکے عمال کی کارگذاری دیکھتا ہے، اور حسن کارگذاری پر اس کا تبادلہ بہتر صورت میں عمل پذیر ہوتا ہے۔ پس یہہ عمال مومنین کے تمام دینی، دنیاوی، اور معاشرتی امور کے نگراں ہیں۔ لیکن یہہ نگرانی داعی وقت کے احکام کے ماتحت ہوتی ہے۔ اسی سبب سے بغیر اجازت داعی کسی کو مجلس میں شرکت کی دعوت بھی نہیں دے سکتا۔

عمال ہی کے ذریعہ مساجد، جماعت خانے، مدارس، اوقاف کی نگرانی ہوتی ہے، اور ہر قسم کی آمدنی بھی انہیں کے توسط سے عمل میں آتی ہے۔ جن جن مقامات پر داعی وقت خود نہیں جا سکتا یا مجالس میں شریک نہیں ہو سکتا تو اس جگہ کا عامل ہی مع عہدہ دار اور سیٹھوں کے داعی کی جگہ مجلس میں بیٹھتا ہے اور مجلس کے تمام امور کو انجام دیتا ہے۔ جن قضایا کو عمال طے نہیں کر سکتے، تو اس کی اپیل داعی وقت کے سامنے ہوتی ہے اور آپ کا حکم فیصلہ کن ہوتا ہے جس کی تعمیل واجب ہے۔

آمدنی

دعوت فنڈ کی آمدنی مندرجہ ذیل طریقہ سے ہوتی ہے۔ زکوٰۃ، صدقات، اوقاف، گلہ (صندوق جو مقابر یا مساجد میں ہوں) کمپنیوں کے منافعے۔ مکانات کے کرائے۔ تحف اور ہدایا۔ لاوارث مردہ کا منقولہ اور غیر منقولہ مال۔ نذر (منّت) خمس۔ ایک کتاب میں راقم الحروف نے کل رقم کا مجموعہ گیارہ لاکھ لکھا دیکھا (غالباً یہہ آمد قدیم زمانہ کا ہوگا۔ ورنہ اب تو اس میں بہت اضافہ ہوگیا ہے) اور اس کو چار عنوان میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) زکوٰۃ، زکات الفطر چار آنہ فی کس۔ حق النفس زکوٰۃ الصلوٰۃ ۲/ فی کس، نذرانہ، نکاح، سلام، زکاۃ الدعوت، اور محصّل کا نام صاحب الدعوت رکھا جاتا ہے۔ (۲) خمس، لاوارث کا مال، دفینہ (۳) روزہ کا فدیہ، نذر، فطرہ۔ (۴) عدالتی آمد، بعض خاص چندہ، (۵) جرمانہ

اخراجات

اخراجات جو دعوت فنڈ سے کئے جاتے ہیں ان کی مجموعی رقم پانچ لاکھ ہوتی ہے (موجودہ سیدنا کے عہد میں یہہ رقم اب بہت زیادہ ہوگئی ہے) اس کی تفصیل صحیح طور پر بتانا راقم الحروف کے لئے بڑی مشکل ہے، مگر ۴۸ داعی نے دعوت فنڈ کا مصرف مندرجہ ذیل بتایا ہے۔

(۱) شریعت کے مطابق غریبوں اور حاجت مندوں کی مدد، تاکہ گداگری سے محفوظ رہیں۔

(۲) دعوت کے عمال کے اخراجات (۳) قومی و مذہبی ضروریات پورا کرنا، مثلاً مدارس، شفاخانے مساجد، قبرستان، قومی انجمن وغیرہ۔

عہد موجودہ کے داعی اجل سیدنا ابو محمد طاہر سیف الدین صاحب نے اپنے ایک بیان میں اس سے زیادہ تفصیل سے اس مسئلہ کو حل کیا ہے۔ آپ نے مندرجہ مصارف اس فنڈ کے ارشاد فرمائے ہیں۔ (۱) علماء کے وظائف

عمالوں کے مرکزی مقامات کی فہرست

۱	ملتان	۱۳	جیت پور (کاٹھیاواڑ)
۲	کراچی	۱۴	سورت
۳	جام نگر	۱۵	بھروچ
۴	جوناگڑھ	۱۶	نوساری
۵	پوربندر	۱۷	بمبئی
۶	امریلی (کاٹھیاوار)	۱۸	رتلام
۷	مہوہ (")	۱۹	اجین
۸	کھنبائت	۲۰	رام پورہ (مالوہ)
۹	احمدآباد	۲۱	حیدرآباد دکن
۱۰	کپڑونج	۲۲	مبارک پور (اعظم گڑھ اودھ)
۱۱	وڈھ وان صدر	۲۳	پونہ
۱۲	راج کوٹ	۲۴	سنتاکروز

۲۵	بھوپال	۴۴	اجمیر
۲۶	بڑودہ	۴۵	حیدرآباد (سندھ)
۲۷	بانس واڑہ گجرات	۴۶	احمد نگر دکن
۲۸	ساگ واڑہ گجرات	۴۷	اورنگ آباد
۲۹	گلیاکوٹ	۴۸	برہان پور
۳۰	اودے پور	۴۹	کلکتہ
۳۱	چھالراپٹن بھوپال	۵۰	مدراس
۳۲	دھولکا	۵۱	کولمبو (لنکا)
۳۳	پی ساواڑا	۵۲	رنگون
۳۴	ویرم گام	۵۳	ممباسہ (افریقہ)
۳۵	پالن پور	۵۴	مانڈوی (کچھ)
۳۶	لیمڑی (کاٹھیاواڑ)	۵۵	انجار (کچھ)
۳۷	گودھرا	۵۶	بھاؤنگر
۳۸	دوحد	۵۷	دھرنگ دھرا
۳۹	سدھ پور (سیت پور)	۵۸	موربی
۴۰	بالاسنور	۵۹	وانکانیر
۴۱	اندور	۶۰	عدن
۴۲	مئو (صدر اندور)	۶۱	یمن
۴۳	نیمچ	۶۲	مدار (پالن پور)

۶۳	دمنج (پٹن)
۶۴	کوکر (دھولکا)
۶۵	امریٹ
۶۶	لونا واڑا
۶۷	بنکوک (سیام)
۶۸	سنگھاپور
۶۹	ناتال (افریقہ)

(۲) ان کے بیواؤں کے وظائف (۳) مدارس کے اخراجات (۴) ماہ صیام میں غریبوں میں غریبوں کے واسطے عید کے کپڑے، اور اس عطیہ کو "تشریف" کہتے ہیں (۵) نذر پیش کرنے والوں کو حسبِ دستور زمانہ سلف خلعت عطا کرنا (۶) سالگرہ کے موقعہ پر شال اور کپڑے، اور غرباء کو نقد دیا جاتا ہے (۷) عہدہ داروں کی تنخواہ (۸) غربا اور حاجتمندوں کی امداد (بعض دفعہ اس مد سے لحاف، گرم کپڑے اور نقد بھی دیئے جاتے ہیں) (۹) درباری اخراجات جو حکام اور سرکار یہ ہوں (۱۰) زائرین یمن کی امداد (۱۱) اتفاقی حادثات میں امداد کرنا مثلاً آتشزدگی، طغیانی، ریلوے حادثات، قحط وغیرہ (۱۲) قرض برائے تجارت (۱۳) عطیہ برائے تجارت غریبوں کو (۱۴) نادار کو مکان تک کا خرچ (۱۵) غربا کے نکاح اور شادی کے اخراجات ادا کرنا (۱۶) ہر قسم کی تعمیرات و مرمت مثلاً مساجد، مقابر، سرائے مکانات برائے کرایہ، مدارس وغیرہ (۱۷) ہر عہد کے داعی اور اس کے اسٹاف کا خرچ، (۱۸) سابق داعیوں کا عرس (۱۹) حاجیوں کی امداد (۲۰) مکہ میں حاجیوں کی دعوت (۲۱) ملا، عمال اور غربا وغیرہ

کی رسم فاتحہ خوانی، سوم یا چہلم (۲۲) خلعت جو شادیوں میں لوگوں کو دعوت فنڈے دیئے جاتے ہیں (۲۳) مہمانوں کی میزبانی (۲۴) زائرین کی ضیافت (۲۵) متفرقات۔

میثاق میثاق یا بیعت سے بہت ہی اہم چیز، مگر کوئی جدید چیز نہیں ہے۔ دنیا میں جب سے سلطنتیں قائم ہوئی ہیں یا جس قدر مذاہب نکلے، سب نے اس کا استعمال کیا ہے۔ آج بھی گورنر یا جج یا ممبر کونسل جب اپنے عہدہ کا چارج لیتا ہے تو پہلے میثاق (حلف وفاداری) لیتا ہے۔ جب بنی اسرائیل کو خدا نے فضیلت دے کر دنیا میں ممتاز کرنا چاہا تو پہلے عہد لیا تھا۔ چنانچہ قرآن میں اس کا ذکر اس طرح ہے۔

واذاخذنا المیثاق من بنی اسرائیل ان لا تعبدوا الا اللہ
ولا یشرکوا بہ شیئاً۔

یاد کرو اس وقت کو کہ ہم نے بنی اسرائیل سے میثاق لیا۔ کہ خدا ہی کی عبادت کریں گے۔ اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں گے۔

آنحضرت صلعم سے پہلے بھی تمام انبیا سے میثاق لیا گیا، قرآن پاک سورۂ احزاب میں ہے۔

واذاخذنا من النبیین میثاقہم ومنک ومن نوح وابراھیم
وموسیٰ وعیسیٰ ابن مریم واخذنا منہم میثاقاً غلیظاً

یاد کرو اسوقت کو کہ ہم نے نبیوں سے میثاق لیا۔ اور تجھ سے، اور نوح سے، اور ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ سے غرضکہ ہم نے ان سب سے بڑا آپ کا میثاق لیا۔

حضرت محمد صلعم نے بھی فتح مکہ کے دن لوگوں سے بیعت لیا، اور قرآن نے اس کی تائید کی

چنانچہ سورہ فتح آئت (۱۰) دس میں ہے۔

ان اللذین یبایعون انما یبایعون اللہ، ید اللہ فوق ایدیھم۔ فمن نکث فانما ینکث علی نفسہ۔ ومن اوفیٰ بما عٰھد علیہ اللہ فسیوتیہ اجراً عظیما۔	جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے۔ پس جس نے اس عہد کو توڑ دیا اس نے اپنی ہی جان سے بے وفائی کی، اور جس نے وفا کیا تو خدا اس کو اجر عظیم دے گا۔

اسی طرح تمام خلفاء اور ائمہ نے بھی اپنے اپنے عہد میں لوگوں سے میثاق لیا۔ جیساکہ تمام کتب تواریخ میں درج ہے، آج بھی ہر جگہ مرشد (پیر) اپنے متبعین (مریدوں) سے میثاق یا بیعت لیتا ہے اور کوئی مذہب اس سے خالی نہیں۔ بات یہہ ہے کہ جہاں قوت اور طاقت کا مظاہرہ ہو سکتا ہے وہاں یہہ عہد و میثاق قائم اور استوار رہتا ہے۔

جیساکہ سلطنت اور خلافت کے عہد میں ہوتا رہا۔ اور جس جگہ طاقت کا استعمال نہیں ہو سکتا ہے، وہاں یہہ میثاق یا عہد و پیمان بودا ہوتا ہے۔ جیساکہ آج کل عام مرشدوں کا حال ہے، یعنی مرید اگر نقض عہد کرے تو مرشد نہ کچھ کہہ سکتا ہے نہ کر سکتا ہے۔ عام مسلمانوں کے مرشدوں کی سب سے بڑی غلطی یہی ہے، کہ انھوں نے کوئی طریقہ دباؤ کا ایسا نہیں رکھا کہ اگر کوئی مرید نقض عہد کرے تو اس کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے، اور اسی لئے عام مسلمانوں میں بجائے تنظیم کے انتشار ہے، اور کوئی تحریک سرسبز نہیں ہوئی۔ داؤدی بوہرے قابل ستائش ہیں، اور ان کا داعی قابل صد توصیف کہ انہوں نے اس کو خوب سمجھا، اور اس وقت تک اس پر عامل ہیں۔ اور ایسی اچھی بندش رکھی ہے کہ کوئی شخص علمی یا مادی حیثیت سے چاہے کتنا ہی بلند پایہ کیوں نہو مگر میثاق کی خلاف ورزی کرنے پر اس کو خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

محض نمونہ کے لئے ایک میثاق کی نقل جو ائمہ کے وقت کا ہے مندرجہ ذیل سطور میں دیتا ہوں۔

میں خدا کا عہد اور رسول اور فرشتوں کے ذمہ سے تجھ سے میثاق لیتا ہوں، جس طرح خدا نے رسولوں سے میثاق اور عہد لیا ہے، پس تیرے اوپر فرض ہے کہ جو کچھ تم نے مجھ سے یا امام سے سُن لیا ہے یا جان لیا ہے، یا سکھایا جائے گا اس کو پوشیدہ رکھ اور اہل بیت کے ساتھ اخلاص رکھ۔ تجھ پر لازم ہے کہ کم یا زیادہ کچھ بھی کسی پر ظاہر نہ کر، سوائے ان باتوں کے جس کا میں نے یا امام نے حکم کیا۔ اور میرے احکام کی تعمیل کر، اور اپنے نفس پر ظلم نہ کر، اور اقوال و اعمال سے گواہی دے کہ خدا پاک اور واحد ہے، اور محمد اس کا بندہ اور رسول ہے، بہشت اور دوزخ، موت اور بعث حق ہے، اور قیامت آنے والی ہے، وقت پر نماز پڑھ، اور ماہ رمضان کے روزے رکھ، زکوٰۃ دے، حج ادا کر، خدا اور رسول کے حکم کے مطابق جہاد کر۔ تجھے چاہیئے کہ تو اولیاء اللہ سے دوستی رکھ، اور دشمنان خدا سے دشمنی، فرائض خدا، اور سنّت رسول کو قائم رکھ اور جو کچھ تجھ سے عہد لیا جاتا ہے اس پر قائم رہ، اور اس کا پورا کرنا تیرے نفس پر واجب کیا جاتا ہے، اس لئے اس کا نقض نہ کر (ظاہر او رباطن میں) اور نہ سُستی اور کاہلی کو اس میں دخل دے، بلکہ مضبوطی سے اس کو پکڑ۔ اور جب تک تو زندہ ہے، کسی امر کو ظاہر نہ کر، چاہے تو غصہ میں ہو یا مسرت اور خوشی میں۔ اسی طرح کسی خوف دلانے یا طمع دلانے سے بھی دینی راز کو ظاہر نہ کر اور جس شخص کو تو جانتا ہے، کہ یہہ ہم میں سے ہے، تو کسی طرح کی مدد سے دریغ

نہ کر۔ اور اگر تم نے خلاف عہد کیا تو بری ہے تجھ سے وہ خدا جو خالق زمین اور آسمان ہے، اور جس نے تجھ کو پیدا کیا ہے، اور ایمان بخشا ہے، اور بری ہے تجھ سے رسول اور فرشتے مقربین اور کروبین اور روحانیین، کلمات تامات سبع مثانی، قرآن، توریت، انجیل، زبور، اور ہر وہ دین جو پسندیدہ خدا ہو، اور تو خارج ہے صاحبان خدا، اور گروہان اولیاء سے، اور عہد شکنی کرنے پر خدا تجھے ظاہر و باطن میں شرمندہ کرے، اور تیرا ٹھکانا اس جہنم میں ہو جس میں رحمت نہیں۔ اور کوئی مدد اور قوت خدا کی طرف تجھے نہ ملے، اور تجھ پر وہ لعنت ہو جو ابلیس پر ہوئی ہے، جس کے باعث جنت اس پر حرام کردی گئی ہے، اور جہنم ہمیشہ کے لئے اس کا قیام گاہ بنا۔ اور اگر تو نے نقض میثاق کیا، تو قیامت میں خدا تیرے اوپر غضبناک ہو، اور تو برہنہ پا تیس حج بھی کرے تو قبول نہ ہو، اور تیری تمام ملکیت فقرا کے لئے صدقہ ہو۔ اور تیرے تمام غلام اور لونڈی سب آزاد ہو۔ اور منکوحہ عورتیں تیرے نکاح سے باہر ہوں اور تمام حلال تیرے اوپر حرام ہو۔ اور میں امام اور حجت کی طرف سے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تجھ کو خوف کرنا لازم ہے۔ اور سوائے وفائے عہد کے اور کوئی دوسری بات تجھ سے قبول نہ کی جائے گی۔ پس تیرا فرض ہے کہ جو کچھ تو نے مجھ سے عہد کیا ہے اس پر قائم رہ۔ الخ

بہرحال، داعی یا اس کا عامل ہر بالغ سے میثاق لیتا ہے، جس میں امام زماں کے ساتھ داعی کی اطاعت کا اقرار لیا جاتا ہے۔ پہلے جو میثاق لیا جاتا تھا، اس میں فقط اطاعت امام کا اقرار ہوتا تھا، لیکن ائمہ مستورین کے وقت سے دعاۃ کا ذکر ضروری ہوگیا ہے، اور بغیر

ذکر داعی کوئی میثاق نہیں ہوتا۔ ائمہ کے میثاق اور موجودہ عہد میں ذرا فرق کردیا گیا ہے، اور ہونا بھی چاہیئے، کیونکہ ائمہ صاحب دعوت کے ساتھ صاحب حکومت بھی ہوتے تھے، اس لئے جس چیز کا عہد لیتے تھے، اس کو بہ جبر منوانے کی طاقت بھی رکھتے تھے۔ بخلاف عہد موجودہ کے۔ کہ اس وقت محکوم ہونے کے باعث قوانین ملکی کا بھی لحاظ رکھنا پڑتا ہے، اور ضرورت زمانہ کے مطابق مضامین رکھنے ہوتے ہیں۔ مثلاً عہد ماضی میں لوگ لونڈی غلام رکھتے تھے، اس لئے میثاق میں ہوتا تھا۔ کہ خلاف ورزی کرنے پر تمام باندی غلام آزاد ہو جائیں گے۔ اب اس کی حاجت نہیں۔ اصل میثاق تو عربی زبان میں ہے، مگر جو لوگ نہیں سمجھتے، وہ اپنی مادری زبان میں ادا کرتے ہیں۔ مختلف عہد کے مختلف میثاق ہیں۔ بعض ائمہ کے مرتب کردہ ہیں۔ اور بعض دعاۃ یمن کے۔ اور کچھ دعاۃ ہند کے۔ مضامین میثاق یہ ہیں۔ اطاعت امام زماں و داعی مطلق، اور امر شرعیہ پر عمل، نواہی شرعیہ سے پرہیز، برّیت، ولائت، اور بعض خاص مضامین۔

مردوں سے ۱۸ ذوالحجہ عید غدیر میں، اور عورتوں سے ۲۳ رمضان میں میثاق لیتے ہیں۔ عورتوں سے جو میثاق لیا جاتا ہے۔ اس میں ضمیروں کے علاوہ تھوڑا فرق ہوتا ہے۔ مثلاً یہ کہ اگر خلاف عہد میثاق کروں تو مرد میرے اوپر حرام ہے، یا مردوں کے میثاق میں ہوتا ہے کہ میثاق کے خلاف کرنے سے عورت مطلقہ اور میری تمام جائداد منقولہ اور غیر منقولہ "مال غنیمت" سمجھی جائے، داعی کی عدم موجودگی میں عامل میثاق لیتا ہے، اور اس وقت جو نذرانہ دیا جاتا ہے اس میں سے چوتھائی عامل کا حصہ ہوتا ہے، باقی دعوت فنڈ میں جاتا ہے۔

بغاوت یا نقض میثاق

دنیا کا کوئی حکمراں "بغاوت" کسی طرح پسند نہیں کرتا، اور اس کی سزا قتل ہے، اسی طرح کوئی مذہبی حاکم بھی نقض عہد کا روادار نہیں۔ پس جن مذہبی حکام کے پاس دنیاوی طاقت بھی رہی تو اس کو بہ جبر بھی

سزا دیتے رہے۔

ائمہ مصر ہمیشہ اسی پر عامل رہے۔ چنانچہ گیارہویں امام نے اسی اصول پر ابوعبداللہ شیعی اور اس کے بھائی ابوالعباس کو قتل کرایا۔ اسی طرح دیگر ائمہ نے بھی ایسا ہی کیا۔ پس جو شخص میثاق نے کر بد عہدی کرتا ہے تو بشرط حکومت یا طاقت اس کو قتل کر دیا جائے گا، اور اس کا تمام مال و اسباب لوٹ کر غربا پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اور اپنی حکومت نہیں ہے تو اعتقاداً اس کا نقد اور اس کی تمام ملکیت اس پر حرام ہوگی۔ اور وہ سب مثل خیرات شدہ مال کے ہوگا۔ اس کی بیوی مطلقہ ہوگی۔ مگر توبہ کرنے سے واپسی بغیر نکاح کے حلال ہوگی۔ اور اگر باوجود نقض میثاق کے اپنے املاک پر قابض رہے تو اس کی ٹھیک مثال یہ ہے، کہ کوئی مومن جانتا ہے کہ شراب حرام ہے اور پھر بھی پیتا ہے، جو شخص اس عہد میں نقض میثاق کرتا ہے تو اس سے "ترک تعلعات" کرلیا جاتا ہے، اور جس سے ترک تعلقات کرلیا جائے، تو پھر وہ جماعت میں نہ تو شادی کر سکتا ہے، نہ جماعت کے قبرستان میں دفن کیا جا سکتا ہے بلکہ غمی یا خوشی کی کسی مجلس میں شریک نہیں ہو سکتا۔[1]

طہارت جہاں تک میرا ذاتی تجربہ ہے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے میں کہہ سکتا ہوں کہ عام مسلمانوں سے زیادہ عام داؤدی بوہرے پاکی کا خیال رکھتے ہیں بہت ہی معمولی فرق کے ساتھ وضو اور غسل عام مسلمانوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ یعنی وضو میں پیر کا مسح کرتے ہیں۔ اور دعا کے طور پر کچھ پڑھتے ہیں[2] حتی الامکان نماز کے لئے الگ کپڑے

---

[1] صحیح بخاری میں ایک حدیث ہے کہ امام جب کسی سے ترک تعلقات کرے تو مومنین بھی اس سے ترک تعلقات کر لیتے ہیں اس سے بولنا، ملنا، وغیرہ سب ممنوع ہو جاتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلعم نے ایک صحابی کیا تھا۔ [2] مسلمانوں میں بھی وضو کے بعد دعا مسنونہ پڑھتے ہیں۔

رکھتے ہیں۔ جس کو صرف نماز ہی کے وقت استعمال کرتے ہیں۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ معمولی مستعمل کپڑے جو پاک ہوں ان کو استعمال میں نہیں لا سکتے۔ بلکہ ضرورت کے وقت انہیں مستعمل پاک کپڑوں سے نماز ادا بھی کر لیتے ہیں لیکن علیحدہ نماز کے کپڑوں کا رکھنا یہ ان کا کمال طہارت کا خیال ہے۔ اور فقط احتیاط مدنظر ہے۔ اور اسی لئے دھوبی جب کپڑے دھو کر لاتا ہے تو فقط احتیاط کے خیال سے ان کپڑوں کو ایک بار پاک پانی میں غوطہ دے کر خشک کر لیتے ہیں۔ اور یہ عمل صرف ان کپڑوں پر کرتے ہیں، جو نماز کے لئے ہوتے ہیں۔ عام مستعمل پوشاکوں کو ایسا نہیں کرتے، اور اکثر مسلمان ہی دھوبی کو کپڑا دیتے ہیں۔ ریشم کے کپڑے سے نماز درست نہیں۔

اذان و نماز اذان دینے میں تشہد کے بعد شہادت ولائت کرتے ہیں۔ یعنی اشہد ان مولانا علیاً ولی اللہ دو بار کہتے ہیں۔ اور حی علی الفلاح کے بعد حی علی خیر العمل، محمد و علی خیر البشر، و عترتہما خیر العتر دو بار کہتے ہیں۔ پھر ختم اذان کے بعد دعا پڑھتے ہیں۔ اقامت عام مسلمانوں ہی کے مثل پڑھتے ہیں۔ نماز کے لئے جب کھڑے ہوتے ہیں تو نیت کے بعد تکبیر تحریمہ کر کے ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں[1] اور ثنا کے بجائے اس طرح پڑھتے ہیں۔

وجہت وجہی الذی فطر السمٰوات والارض حنیفا مسلما وما انا من المشرکین۔ ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی لرب العالمین لاشریک لہ، وبذالک امرت وانا من المسلمین علی ملتہ ابراھیم ودین محمد وولایۃ علی وابرء الی اللہ اعدا الظالمین[2]

---

[1] سنیوں میں مالکی بھی ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے ہیں [2] عام مسلمانوں میں یہ آیت تحریمہ سے پہلے "من المشرکین" تک پڑھتے ہیں۔

پھر تسمیہ کے بعد سورۂ فاتحہ اور دیگر آیاتِ قرآنی پڑھتے ہیں۔ اور رکوع اور سجدے کی تسبیح تین تین بار ادا کرتے ہیں، دونوں سجدوں کے درمیان جو قعدہ ہوتا ہے۔ اس میں یہ پڑھتے ہیں۔ اللھم اغفرلی وارحمنی واجرنی وارفعنی۔

دوسرے سجدے سے فارغ ہو کر جب کھڑے ہوتے ہیں۔ تو کہتے ہیں، اللھم انی بحولک وقوتک اقوم واقعد۔ اس کے بعد مثل سابق دوسری رکعت بھی ادا کرتے ہیں۔ قعدہ اولیٰ میں تشہد اس طرح پڑھتے ہیں۔ اور اس کا نام چھوٹا تشہد رکھتے ہیں۔

بسم اللہ وباللہ والحمد للہ والاسماء الحسنیٰ کلہا للہ
اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ، واشہد ان
محمداً عبدہٗ ورسولہ[1] اللھم صلی علی محمدٍ نبیک وتقبل
شفاعتہ فی امتہ وصلی علیہ وعلی اہل بیتہ الطاہرین۔

قعدہ اخیرہ میں ایک دوسرا تشہد پڑھتے ہیں جس کو بڑا تشہد کہتے ہیں۔

التحیات الطیبات الصلوات الطاہرات الزاکیات
الناعمات السابغات الغادیات والرائحات للہ،
السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ الخ

نماز عام مسلمانوں کی طرح پانچ وقت کی پڑھتے ہیں۔ لیکن بوقت سفر یا عدیم الفرصت ہونے کی حالت میں (جیسا کہ عام تاجروں کی حالت ہوتی ہے) ظہر اور عصر ملا لیتے ہیں۔ اسی طرح مغرب اور عشاء ایک ساتھ پڑھتے ہیں۔ اور ہر نماز کے درمیان تھوڑا وقفہ ہوتا ہے۔ بعض لوگ

---

[1] مسلمانوں میں بھی اہلحدیث، شوافع، حنابلہ ثنا، تشہد، اور قنوت احناف کے طریقے سے نہیں پڑھتے۔

نمازِ مغرب کے بعد "بادیا" کی ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔

دعا وصلوٰۃ بادیا

یہ دو رکعت بطور نفل کے پڑھی جاتی ہے، رکعت اول میں فاتحہ اور سورۂ اخلاص اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ اور کافرون' پڑھتے ہیں۔ سلام کے بعد سید نامی دعا پڑھتے ہیں جو پچھلے اوراق میں تحریر کر آیا ہوں۔ اس کے بعد مقررہ قاعدہ کے بموجب پنجتن کی تسبیح پڑھتے ہیں۔ اور سجدہ کرتے جاتے ہیں۔ اور ائمہ کے نام لے کر ندا کرتے ہیں۔ سب سے آخر میں امام طیب کا نام لے کر کئی بار ندا کرتے ہیں۔ اور کچھ پڑھ کر سجدہ کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد پھر ایک دعا پڑھتے ہیں جو شخص خلوص کے ساتھ یہ نماز ادا کرتا ہے تو ایسا اعتقاد ہے کہ خدائے برتر، رحیم وکریم مومن کے تمام گناہ بخش دیتا ہے۔

اسی طرح "نماز وشیق" رمضان میں اس کے نصف آخر کی مخصوص راتوں میں پڑھتے ہیں۔ عید غدیر کے دن بعد زوال دو رکعت شکریہ کی نماز ادا کرتے ہیں۔ جس میں سورہ اخلاص دس دفعہ، سورہ قدر دس بار آیۃ الکرسی دس مرتبہ پڑھتے ہیں۔

نمازیوں کا امام

عام مسلمانوں میں نماز پڑھانے والے کو امام یا پیش امام کہتے ہیں۔ بوہروں میں ہر پڑھا لکھا نماز نہیں پڑھا سکتا۔ بلکہ اصلی امام تو خود امام زماں ہوتا ہے۔ اور اس کی عدم موجودگی میں داعی مطلق۔ اور پھر داعی جس کو امامت کی اجازت عطا فرمائے صرف وہی نماز پڑھا سکتا ہے۔ چنانچہ جسقدر عمال ہیں ان کو نماز باجماعت پڑھانے کی اجازت عام ہے، اور عامل کی غیر حاضری میں میاں صاحب یا عامل جس کو اجازت دے جائے نماز باجماعت ادا کرے گا۔ ورنہ سب تنہا ہی نماز پڑھ لیں گے۔ بغیر اجازت کے نماز باجماعت نہیں ہو سکتی اور کوئی پڑھا دے تو ناجائز ہوگی۔ امام اور مقتدی دونوں کو بغیر جماعت تنہا تنہا

اداکرنی چاہیئے ۔جیساکہ ملا جعفر پٹنی صاحب کے حالات میں آپ معلوم کرچکے ہیں ۔جمعہ کی نماز نہیں ہوتی، اس کے بجائے ظہرہی پڑھتے ہیں۔ لیکن سنا ہے کہ ابھی حال میں موجودہ داعی نے غرۃ المساجد بمبئی میں جمعہ کی نماز اور خطبہ شروع کردیا ہے ۔بغیر خطبہ کے عید کی دو رکعت پڑھتے ہیں ۔کیونکہ دراصل یہہ حق امام یا داعی کا ہے[1]

مردوں کے ساتھ عورتیں بھی الگ صف میں نماز پڑھ سکتی ہیں ۔ اکثر مسجدوں میں مردوں کے لئے نیچے اور عورتوں کے لئے اوپر چھت کی جگہ مقرر ہے ۔ صبح کی نماز کے بعد سورہ یٰسین پڑھ کر دعا، "ان اللہ" پڑھتے ہیں ۔ اور بعض لوگ دعا فاضلہ بھی پڑھتے ہیں[2] تراویح کی نماز نہیں پڑھتے، لیکن تہجد کا خصوصاً رمضان میں مومنین کی بڑی جماعت خیال رکھتی ہے ۔ ماہ رمضان میں ایک سال راقم الحروف کو بوہروں کے محلے میں مسجد سے متصل قیام کا اتفاق ہوا۔ میں نے دیکھا کہ مغرب کے وقت اکثر مرد اور عورتیں مسجد میں جمع ہوکر افطار کرتے ہیں ۔پھر نماز مغرب سب اداکرتے ہیں اور کچھ دیر کے بعد عشا کی نماز ہوتی ، غرض ایک ربع شب گزار کر سب لوگ گھر آتے ۔پھر نصف شب کے بعد تہجد کی نماز کے لئے جمع ہوتے ایک ربع شب رہتے ہوئے واپس ہوتے ۔ صبح صادق کے وقت پھر سب عورتیں اور مرد مسجد

---

[1] آج سے تیس چالیس سال قبل تک سلمانوں میں ایک جماعت موجود تھی جو ہندوستان میں جمعہ کی نماز ناجائز سمجھتی تھی کیونکہ حکومت ختم ہوجانے پر امام (خلیفہ) یا نائب امام مثلاً قاضی یا دیگر حکام کے بغیر جمعہ ناجائز تصور کرتی تھی ۔

[2] سلمانوں میں بھی بعد نماز فجر قرآن خوانی کے بعد دلائل الخیرات ، دُود تاج ، حزب البحر وغیرہ پڑھنے کا رواج ہے ۔

میں صبح کی نماز اداکرتے ۔قرآن خوانی اور دعاؤں کے بعد سوا نیزہ پر سورج طلوع ہوگیا کہ سب اپنے اپنے گھر واپس جاتے ہیں ۔

نماز خسوف وکسوف

نماز خسوف وکسوف ہر مومن پر اس وقت واجب ہے جبکہ چاند گرہن اور سورج گرہن وہ خود دیکھے، اور جگہ مخصوص نہیں ہے ۔مقیم اور مسافر دونوں یکساں ہیں ۔ اگر تنہا ہو تو میدان میں اداکرے، لیکن اگر باجماعت ہو تو پھر مسجد افضل جگہ ہے ، اگر گرہن فریضہ کے وقت ہو تو پہلے فریضہ اداکرے بعد کو یہہ نماز پڑھے ۔اگر فریضہ سے قبل یہہ شروع کردی تھی، اور اب فریضہ کا وقت تنگ ہورہا ہو تو اس کو چھوڑ کر پہلے فریضہ نماز اداکرنا چاہیئے، اور بعد اس کے جہاں سے یہہ چھوڑی تھی وہاں سے اس کو ختم تک پہنچایا جائے گا[1]

صلواۃ وسطیٰ

قرآن میں ہے، حافظوا علی الصلوٰۃ والصلوٰۃ الوسطیٰ عام سلمان مفسروں کا اس میں اختلاف ہے کہ اس وسطیٰ کی نماز سے کون نماز مراد ہے ۔ عام خیال یہہ ہے کہ اس سے عصر کی نماز مراد ہے ۔لیکن مومنین موقنین کے نزدیک ظہر کی نماز "صلواۃ وسطیٰ" ہے ۔کیونکہ دن کے وسط حصہ میں یہہ نماز اداکی جاتی ہے ، اس لئے موقنین اس نماز کا بڑا خیال رکھتے ہیں ۔ نماز تہجد بھی رمضان میں بکثرت پڑھتے ہیں ۔

صلواۃ ام داؤد

جب حج اکبر ہو تو تین روزے پہلے رکھتے ہیں ۔پھر نماز ام داؤد کی اداکرتے ہیں ۔اس نماز میں دس سورۃ پڑھتے ہیں ۔یہہ نماز اگرچہ

---

[1] دعائم الاسلام بحث خسوف وکسوف ، عام سلمان بھی بطور سنت اس نماز کو اداکرتے ہیں ۔

باجماعت بھی ادا کرتے ہیں لیکن تنہا تنہا پڑھنا افضل ہے اور موجب زیادتی ثواب کا سمجھا جاتا ہے [1] اسی طرح ایک نماز صلوٰۃ الزوال کی بھی ہوتی ہے، جس کو خدا توفیق دیتا ہے وہ ادا کرتا ہے، مسافرت کی نماز دو رکعت ہوتی ہے [2] اور حد مسافرت دس دن ہے اس کے بعد مسافر مقیم شمار کیا جاتا ہے۔

ادعیہ دعاؤں میں زیادہ تر مقبول عام وہ دعائیں ہیں جو سید نا زین العابدین کی طرف منسوب ہیں۔ ۱۳۱۹ھ میں ان کا ایک مجموعہ طبع ہوا تھا۔ اس میں دعاؤں اور مناجاتوں کے علاوہ آخر میں ایک قصیدہ لامیہ امام موصوف کے تعریف میں موجود ہے۔

یہہ دعائیں مختلف قسم کی ہیں۔ ان میں سے بعض تو محض حمد و ثنا خالق ارض و سما میں ہیں۔ اور بعض درود رسول صلعم کے متعلق ہیں۔ میں چند عنوانات منتخب کرکے ذیل میں درج کرتا ہوں۔ جس سے صحیح اندازہ ناظرین کو ہوگا۔

(۱) الدعاء لنفسہ (۲) صبح و شام کی دعاء (۳) دعاء استغاذہ (۴) اشتیاق مغفرۃ کی دعاء (۵) خاتمہ خیر کی دعا (۶) طلب ضروریات کی دعاء (۷) تکلیف کے وقت مصیبت کی دعا (۸) استسقاء کی دعا (۹) پڑوسیوں اور دوستوں کے لئے دعاء۔ (۱۰) ادائیگی قرض کی دعا (۱) خوف خدا کے لئے مناجات (۲) شکر خدا کی مناجات (۳) اطاعت خدا کی مناجات (۴) محبت خدا کی مناجات (۵) معرفت خدا کی مناجات (۶) بیزاری دنیا کی مناجات۔

---

[1] دیکھو مسائل میاں شموں [2] سلمانوں میں بھی سوائے مغرب کے مسافرت کی نماز دو ہی رکعت ہے۔

ان میں اکثر دعائیں اور مناجاتیں اس قدر مؤثر ہیں کہ سمجھ کر پڑھنے والے پر ایک عجیب اثر طاری ہو جاتا ہے، اور اگر دل میں سچی محبت خدا اور رسول کی ہو تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کے دل میں ایسی تڑپ ہو جائے جو اسے بے چین کردے،

مساجد مسجدیں نہ تو بغیر اجازت داعی بنائی جاسکتیں ہیں اور نہ اس میں عبادت کی جاسکتی ہے۔ اور مساجد دیگر تمام املاک موقوفہ میں شامل ہیں۔ ان کا اصلی مالک تو امام ہے مگر نائب ہونے کی حیثیت سے داعی مطلق ان پر قابض ہوتا ہے۔ ان مساجد کا کوئی متولی نہیں ہوتا بلکہ داعی وقت جس کے سپرد کردے وہی اس کا تمام انتظام کرتا ہے۔ اور غیر مناسب انتظام ہونے پر داعی کسی دوسرے کے سپرد کر سکتا ہے۔ جس جگہ مسجد کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو باجازت داعی مسجد بنائی جاسکتی ہے۔ اور بعد تیاری بڑی شان سے اس کا افتتاح کیا جاتا ہے، پھر وہ وقف کی جاتی ہے اور داعی بحیثیت داعی اس پر قابض ہو جاتا ہے، جو عموماً زیر نگرانی عامل ہوتی ہے۔ اور کبھی ایک جماعت اس کا انتظام کرتی ہے۔ مگر یہہ جماعت بھی عامل کے ماتحت ہوتی ہے۔ داعی کو اس کا کامل اختیار حاصل ہے کہ کسی جدید مسجد کی تعمیر رد کردے۔ یا جدید تیار شدہ مسجد میں نماز ممنوع قرار دے [1] جیسا کہ سنجولی ضلع پنچ محال میں واقع ہوا۔ بوقت ضرورت داعی کی اجازت سے مسجد منہدم کی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ ۴۳ داعی کے وقت میں بمقام سورت ایک مسجد کو منہدم کرکے متصل کی زمین میں جدید مسجد تعمیر کی گئی۔ یا جس طرح بمبئی کی نور مسجد کے ساتھ معاملہ پیش آیا۔ ان مساجد میں عورتوں کے لئے ایک الگ جگہ ہوتی ہے۔ جہاں مومنات نماز

---

[1] آنحضرت صلعم کے وقت میں بھی مسجد ضرار میں نماز کی ممانعت تھی اور قرآن اس پر شاہد ہے۔

ادا کرتی ہیں۔ کبھی کبھی ان مساجد کے ساتھ عامل کے رہنے کا مکان بھی ہوتا ہے۔ اور مکاتیب کے لئے بھی اسی سے متصل ایک کمرہ بنایا جاتا ہے۔ کل مساجد کی تعداد (۶۴۰) ہے۔ دس بارہ مسجدیں تو فقط بمبئی ہی میں ہیں۔ جن میں سے عزۃ المساجد اپنی شاندار بلندی اور خوشنمائی میں لاجواب ہے۔ مومنین کی جامع مسجد بھینڈی بازار اسٹریٹ بمبئی میں واقع ہے۔

اس کے علاوہ ہر مقام پر جہاں مومنین کی آبادی ہے مسجدیں موجود ہیں۔ اسی سال کراچی میں ایک عظیم الشان مسجد بڑے اہتمام کے ساتھ تیار کرائی گئی ہے۔ جس کا افتتاح حال میں اعلحضرت شمس الدعاۃ سیدنا و مولانا محمد طاہر سیف الدین داعی الزماں نے فرمایا ہے۔

زکوٰۃ و صدقات

زکوٰۃ نکالنا بھی فرض ہے، جیسا کہ سیدنا قطب الدین شہید نے اپنی تقریر میں فرمایا ہے، جس کو اوپر تحریر کر آیا ہوں، اسی طرح سیدنا اسماعیل بدر الدین (ق س) کے حالات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ خمس یعنی آمدنی کا پانچواں حصہ بھی ہوتا ہے۔ لوگ رمضان کے بعد صدقۂ عید الفطر بھی نکالتے ہیں۔ ہر چھوٹے بڑے کے طرف سے خرما ایک صاع، مویز ایک صاع، گندم ایک صاع جو ایک صاع، دیا جاتا ہے۔

اگر کسی سبب سے یہہ چیزیں میسر نہ آسکیں تو عید کے دن قبل افطار نقد دیدنے[1]۔ روزہ کا کفارہ نصف صاع دیا جاتا ہے۔ ایک صاع مومنین کے نزدیک تین سیر پینتیس تولہ (۳-۳۵ تولہ) بنگالی (۸۰ تولہ کا سیر) کا ہوتا ہے۔ جس کا نصف ½ ۱۳۷ تولہ ہوا۔ عام طور پر بھی مومنین حتی المقدور خیرات کرتے رہتے ہیں۔ اور بڑی بڑی جائدادیں بھی وقف کرتے ہیں۔ عام غلوں (صندوق)

---

[1] مجالس سیفیہ مجلس ۷

میں جو مقابر اور مساجد میں ہوتے ہیں بڑی فیاضی سے خیرات کرتے ہیں۔ جن کی سالانہ آمدنی کی مجموعی مقدار کبھی کبھی (۳۳) ہزار تک پہنچ جاتی ہے۔ اسی سے ناظرین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہہ قوم کس قدر مخیر ہے۔ لیکن یہہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ مومنین کی ذکات، صدقات خیرات، اوقاف سب چیز منظم ہے، اور تنظیم سے قوم کے فوائد میں بتوسط داعی زماں خرچ ہوتے ہیں، اور اسی سبب سے مومنین میں کوئی سائل نظر نہیں آتا۔

حج

حج بھی فرائض میں سے ایک ہے۔ اور حسب توفیق لوگ جاتے ہیں۔ اور مراسم حج ادا کرتے ہیں لیکن چونکہ عام مسلمانوں کی تاریخ سے اکثر اختلاف ہو جاتا ہے، اس سے حج بھی ایک دو دن قبل کر لیتے ہیں۔ اور یہہ اس طریقہ سے ہوتا ہے، کہ عرفات میں مومنین عام مسلمانوں سے قبل چلے جاتے ہیں۔ اور وہاں غیر ہندی مومنین بھی آملتے ہیں۔ وہاں امیر الحاج مخصوص مراسم ادا کر دیتا ہے، پھر وہاں سے مزدلفہ جا کر شب باش ہوتے ہیں۔ اور مراسم خاصہ ادا کر کے واپس عرفات ہو جاتے ہیں۔ اور پھر عام مسلمانوں کے ساتھ مل کر بقیہ تمام حج میں شریک رہتے ہیں[1]۔ جب جمعہ کے دن حج ہو تو اس کو حج اکبر کہتے ہیں[2] ایسے موقعہ پر تین روزہ رکھ کر صلوٰۃ ام داؤد پڑھتے ہیں، جیسا کہ اوپر گذرا۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں بھی جہاں جہاں مخصوص زیارت گاہیں ان کی ہیں، مومنین ہر جگہ خاموشی اور امن و سکون کے ساتھ جا کر زیارت کر لیتے ہیں۔ اور ہر جگہ ادعیہ ماثورہ پڑھتے ہیں۔ داعی زماں کی برکات میں سے ایک یہہ ہے کہ مومنین کے لئے ایک بڑا عالیشان مسافر خانہ تعمیر ہوا ہے، جو مکہ معظمہ میں ایک ممتاز مقام پر ہے۔ جو عام داؤدی بوہروں کے لئے وقف ہے، اور ان کی عدم موجودگی

---

[1] سلک الجواہر صفحہ ۸۳ [2] عام مسلمانوں میں بھی حج اکبر کا بڑا خیال رکھا جاتا ہے۔

میں اسماعیلیوں پھر ہاشمیوں پھر عام مسلمانوں کے لئے وقف ہے۔

روزہ رمضان

روزہ بھی فرائض میں داخل ہے، نماز کی طرح ہر مومن ادا کرتا ہے، رمضان کا مہینہ ہمیشہ (۳۰) دن کا ہوتا ہے۔ کیونکہ سال میں چھ ماہ کامل اور چھ ناقص ہوتے ہیں۔ محرم کامل، صفر ناقص، ربیع الاول کامل، ربیع الثانی ناقص، جمادی الاول کامل، جمادی الثانی ناقص، رجب کامل، شعبان ناقص رمضان کامل، شوال ناقص، ذوالقعدہ کامل، ذوالحجہ ناقص،

مومنین میں ایک حدیث مشہور ہے کہ شعبان کبھی کامل نہیں ہوتا، اور رمضان کبھی ناقص نہیں ہوتا[1] اور آئت قرآنی "ولتکملوا العدۃ" شاہد ہے۔ کامل سے مراد پورے تیس (۳۰) دن ہیں۔ اور ناقص سے انتیس (۲۹)۔ اس سبب سے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ عام مسلمانوں سے ایک یا دو دن قبل مومنین کے روزے شروع ہوجاتے ہیں، اور اسی طرح عید بھی ایک یا دو دن قبل ہوجاتی ہے۔ عام مسلمانوں کی طرح طلوع فجر سے غروب تک روزہ رکھتے ہیں۔ اور اول وقت روزہ افطار کرتے ہیں۔ فرض کے علاوہ مسنون روزے بھی رکھتے ہیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل دنوں کے روزے مسنون ہیں۔

ماہ شعبان کے روزے، ہر ماہ کے اول اور آخر پنجشنبہ کو۔ اور ہر ماہ کے وسط چہارشنبہ میں روزہ رکھتے ہیں[2] ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ رجب کے مہینہ روزہ رکھتے ہیں۔ رمضان المبارک کی مقدس راتیں یہ ہیں۔ ۱۷۔ ۱۹۔ ۲۱۔ ۲۳۔

تیئس (۲۳) کی رات لیلۃ القدر ہے، جو ہزار مہینوں کی رات سے افضل ہے،

---

[1] ناقص اور کامل سلمان بھی مانتے ہیں مگر علی الترتیب نہیں [2] مجالس سیفیہ مجلس ۱۳

اس رات عام مسلمانوں کی طرح شب بیداری کرتے ہیں اور عبادت الٰہی میں معروف رہتے ہیں۔ عید غدیر کے بھی روزے رکھتے ہیں۔ حج اکبر میں تین روزے رکھے جاتے ہیں[1]

عیدین

مولد النبی ۱۲ ربیع الاول۔ شب برأت ۱۵ شعبان۔ عید الفطر یکم شوال۔ مولد داعی عہد۔ مولد امام طیبؑ، ۴ ربیع الآخر۔ عید غدیر۔ مولد حضرت سیدنا علیؓ نصف ماہ رجب۔ معراج حضرت سرور عالم صلعم ۲۷ رجب، عید النحر متبرک راتیں ماہ رجب کی پہلی رات، نصف ماہ رجب کی شب، ۲۷ رجب کی شب، یکم شعبان کی پہلی شب نصف ماہ شعبان کی رات، ماہ صیام کی راتیں۔ خصوصاً لیلۃ القدر۔

ماتمی ایام

۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱ رمضان شہادت سیدنا حضرت علیؓ۔ ۲۸ صفر وفات سیدنا حسنؓ۔ یکم تا دہم محرم واقعہ کربلا۔ وفات سیدتی فاطمہؓ[2] ولادت حضرت علیؓ کے سبب ماہ رجب کی خاص وقعت ہے، اور شہادت کے باعث ۱۹ رمضان کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔

کعبہ

حضرت سیدنا امام جعفر صادق سے کعبہ کے متعلق جو روائت ہے اس کا تعلق زیادہ تر ابجد کے اعداد سے ہے۔

ا	ب	ج	د	ھ	و	ز	ح	ط	ی	ک	ل	م	ن	س	ع	ف
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۲۰	۳۰	۴۰	۵۰	۶۰	۷۰	۸۰

ص	ق	ر	ش	ت	ث	خ	ذ	ض	ظ	غ
۹۰	۱۰۰	۲۰۰	۳۰۰	۴۰۰	۵۰۰	۶۰۰	۷۰۰	۸۰۰	۹۰۰	۱۰۰۰

مندرجہ ذیل سات حروف کو قرن کبیر کہتے ہیں

---

[1] صحیفۃ الصلوٰۃ [2] ریاض الجناں صفحہ ۳۱۴ حیدری بمبئی میں تفصیل سے اس کا بیان ہے۔

ز - ھ - ج - ا - و - د - ب =
۷ ۵ ۳ ۱ ۶ ۴ ۲

مندرجہ ذیل حروف قرن صغیر کہلاتے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک حرف ایک ایک برس سمجھا جاتا ہے۔ یہہ کل تیس ہیں۔

ھَ بْ - زَدَ اْ - دَ جَ زْ - ھَ بْ - زَ دَ اْ - وَ جَ زْ - ھَ بْ
وْ دَ اْ - دَ جَ زْ - ھَ بْ وْ دَ اْ وَ =

مندرجہ ذیل حروف بارہ ماہ کے مشہور ہیں۔ ایک ایک حرف سے ایک ایک ماہ مراد لیتے ہیں۔

محرم - صفر - ربیع الاول - ربیع الثانی - جمادی الاول - جمادی الثانی - رجب
ز۷ ب۲ ج۳ ھ۵ و۶ ا۱ ب۲

شعبان - رمضان - شوال - ذوالقعدہ - ذوالحجہ -
د۴ ھ۵ ز۷ ا۱ ج۳

کبیسہ کا قاعدہ اب دیکھو کہ قرن صغیر کے کون کون حرف پر سکون ہے، جن پر سکون دیکھو اس حرف کا سال کبیسہ کا سال ہوگا۔ اس سال کا ذوالحجہ کا مہینہ کامل یعنی تیس دن کا ہوگا۔ اور اسی طرح ہر تیس (۳۰) برس میں گیارہ برس کبیسہ کا سال ہوگا۔ مندرجہ ذیل اشعار سے اس کی توضیح ہو جاتی ہے۔

ثلثون السنون الدہر تلقی   لھجرۃ احمد الزاکی المغارس
فثانیتہٗ وخامستہ جمیعًا   وثامنتہٗ وعاشرۃ الکبائس
کذالک ثلث عشر ثم ست   وتع فی القیاس لکل قائس
وحادیتہٗ ورابعتہٗ و سبع   وتسع بعد عشرین الکبائس

یعنی سنہ ہجری کے ہر تیس (۳۰) برس میں مندرجہ ذیل سال کبیسہ کے ہوں گے۔ دوسرا۲ - پانچواں۵ - آٹھواں۸ - دسواں۱۰ - تیرہواں۱۳ - سولہواں۱۶ - انیسواں۱۹ - اکیسواں۲۱ - چھبیسواں۲۴ - ستائیسواں۲۷ - انتیسواں۲۹ - یہہ کل گیارہ ہوئے۔[1]

پس اگر کوئی شخص سنہ ۱۲۹ھ کے محرم کی پہلی معلوم کرنا چاہے تو قرن کبیر کا حرف جو "ز" ہے اس کے عدد سات ہیں اور قرن صغیر کا حرف "د" ہے جس کے عدد چھ ہیں۔ اور محرم کا حرف "ز" ہے جس کے عدد سات ہیں، ان کا مجموعہ (۲۰) ہوا۔ ان میں سے سات اور پھر سات نکال لئے جائیں۔ تو صرف "چھ" رہ جاتے ہیں۔ ان کو اسی طور سے گنو تو بارہ سو نوے سنہ ۱۲۹۰ سال کے محرم کی پہلی تاریخ جمعہ آتا ہے۔ اسی طرح جس ماہ کی پہلی تاریخ نکالنا ہو اس ماہ کے حروف لے کر جمع کریں اور پھر سات سات نکالیں اور جو باقی رہے اس کو اسی طور سے گنیں، جب تک گن پہنچے، وہی دن مہینہ کی پہلی تاریخ ہوگی۔

اصل بات یہہ ہے کہ اسلامی قمری مہینوں کے حساب سے (۳۵۴ + ۱/۵ + ۱/۴) تین سو چون دن پانچ دقیقہ، چھ ثانیہ ہوتا ہے۔ تو یہہ کسر ہر سال بڑھتے بڑھتے دنوں اور مہینوں تک پہنچ جاتی ہے، ہندوؤں نے اس کی ترکیب یہہ کی ہے کہ جب ایک ماہ ہو جاتا ہے تو جس سال کے جس ماہ میں یہہ زیادتی ہو، تو اس ماہ کو ڈبل کر دیتے ہیں۔ مثلاً سمبت ۱۹۲۴ کے ماہ پوس میں ہوا تو اس سال دو پوس ہو جائیں گے۔ اسی طرح کسی سال دو ماگھ، اور کبھی دو چیت، اور کبھی دو بیساکھ آئیں گے۔ مگر اسماعیلیوں نے اس کی

---

[1] صحیفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ بمبئی

۔دوسری ترکیب نکالی ہے۔ یعنی اس کسر کے ماہ تک آنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ کیونکہ بجوں "چوُن دن" ہوئے کہ اس ماہ کو کامل یعنی پورے تیس دن کے کردے۔ اسی طریقہ سے جس سال کبیسہ ہوگا اس سال کے دن (۳۵۵) ہوجائیں گے۔ اس طرح جمع ہوتے ہوتے تیس سال میں گیارہ دن بڑھ جاتے ہیں تو اس تیس سال میں ۱۹ برس بغیر کبیسہ اور گیارہ برس میں کبیسہ پڑے گا۔ اور یہہ گیارہ برس وہی ہیں جو اشعار مندرجہ بالا میں ظاہر کئے گئے ہیں۔ چنانچہ مقریزی نے لکھا ہے کہ مومنین نے ذوالحجہ کے ماہ کو کامل یعنی تیس دن کا کردیا۔ حالانکہ اگر کبیسہ نہو تو یہہ ماہ ہمیشہ ناقص ہوتا ہے[1]

وفات کسی مومن کے وفات پاجانے پر تھوڑے تغیر کے ساتھ عام مسلمانوں کی طرح غسل اور کفن و دفن کرتے ہیں۔ کفن پر کلمہ وغیرہ لکھتے ہیں۔ مردے کو دفن کرتے ہیں تو قبر میں تختے نہیں ڈالتے، تھوڑی سی مٹی ہاتھوں سے صاف کرکے باریک نکال کر میت پہ ڈلتے ہیں۔ اور اسے ہاتھوں سے دباتے ہیں۔ بعد اس کے پھر دوسرے لوگ مٹی دیتے ہیں، اور مٹی صرف اسی قبر کی اس میں دیتے ہیں۔ جس قبر میں وہ میت ہے۔ دوسری قبر کی یا باہر کی مٹی نہیں ڈالتے ہیں[2] قبر کو مٹی سے پُر کرکے سطح کے برابر کردیتے ہیں۔ اور پانی ڈال کر پھول رکھتے ہیں پھر لوگ اس قبر کو بوسہ دیتے ہیں۔ اور اس کا نام زیارت ہے۔ اس کے بعد میت کے وارث سے بغلگیر ہوکر رخصت ہوجاتے ہیں۔ عامل جنازہ کے ساتھ قبرستان نہیں جاتا بلکہ قبل ہی سواری سے پہنچ جاتا ہے[3] ایک دفعہ راقم الحروف

---

[1] الخطط والآثار مطبوعہ مصر بحث کبیسہ [2] عام مسلمان بھی ایسا خیال رکھتے ہیں۔
[3] ایک روائت مسلم شریف میں ہے کہ قبرستان سواری پر جانا درست ہے۔

کو احمدآباد کے سرس پور بوہرہ قبرستان میں صبح سے عصر تک رہ کر دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ چاروں طرف گھوم کر خوب اچھی طرح غور سے دیکھا، قبروں کے کتبات بھی پڑھے یہہ قبریں پختہ بالکل اسی طرح تھیں جیسی عام سلمانوں کی ہوتی ہیں بظاہر کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا تھا۔

کوئی میت بغیر اجازت داعی یا عامل دفن نہیں کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اسوقت کہ کسی اتفاقی حادثہ کا شکار ہوا ہے۔ اور کوئی ذریعہ فوری اجازت کا نہو۔ نماز جنازہ داعی یا عامل پڑھاتا ہے، اور دفن کے بعد مختصر "صدق اللہ" پڑھتے ہیں۔ اور تیسرے دن صدق اللہ طویل پڑھا جاتا ہے، اور پورے طور پر اس کی پابندی کی جاتی ہے۔ مختصر صدق اللہ اس طرح ہے کہ سورہ اخلاص تین بار، سورہ فلق ایک بار سورہ ناس ایک بار سورہ فاتحہ ایک بار، اور سورہ بقرہ کی پہلی چند آیتیں، یعنی اُولٰئک ھم المفلحون تک، ایک بار پڑھتے ہیں۔ پھر ایک طویل صدق اللہ پڑھتے ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہے۔

صدق اللہ الذی لا تدرکہ العیون
ولا تمثلہ الظنون ولا یخشی ریب
المنون وتاہ فی بیداء عظمتہ الواصفون
وامن من عقوبتہ الخائفون، وتلذذ
بالخدمتہ بین یدیہ الواقفون جعل
الدنیا داراً فیھا تسکنون، وعنھا تر
حلون ثم الی ربکم مرجعکم، فیلبکم بما
کنتم تعملون فما بالکم تبنون مالا

تسکنون و تدخرون مالا تاکلون،
وتجمعون مالا تنتفعون اتظنون انکم
مخلدون، هیهات هیهات ما توعدون
این العلماء والجاهلون واین الفقراء
والمتذکرون واین الآباء والاجداد
والامهات والبنات، والبنون دارت
والله علیهم رحی المنون ۔ وتوالت علیهم
الاشهر والسنون تبدلت حرکاتهم بالسکون
فاذا جاء اجلهم لا یستاخرون عنه ۔
ساعةً ولا یستقدمون، وبشراتهم
الناعمة خالدون فیما یرتعون، و
علیها یقتتلون وصدید عینهم یجری
کالعیون والسنتهم بما لا ینطقون،
ولو نادوا على المقال تعالوا وانتم
تسمعون، هذا ما وعد الرحمن وصدق
المرسلون وصدق نبینا محمد صلى الله
علیه وآله ما ذکره الذاکرون وما غفل
عن ذکره الغافلون ۔ افحسبتم انما
خلقناکم عبثا وانکم الینا لا ترجعون،

جعلنا الله وایاکم من الآمنین الفائزین
اللذین لا خوف علیهم ولا هم یحزنون،
اللهم انفعنا بالقرآن العظیم واهدنا
بالآیات والذکر الحکیم، وتقبل منا قرأتنا
ودعاءنا یا ربنا یا مولانا انک انت السمیع
العلیم، ولا تضرب بهما وجوهنا
یا اله العالمین ویا خیر الناصرین،
اللهم اجعل القرآن ربیع قلوبنا و
شفاء صدورنا، وجلاء احزاننا وذهاب
همومنا وغمومنا تمحیصاً لذنوبنا وتکفیراً
لخطایانا سعةً وبرکةً فی ارزاقنا سائقنا
وقائدنا، دالنا ودلیلنا، الیک والی
جناتک جنات النعیم ودارک دار السلام
مع اللذین انعمت علیهم من النبیین
والصدیقین والشهداء والصالحین و
حسن اولئک رفیقا ۔ ذالک الفضل من الله
وکفى بالله علیماء واللهم ان هذا عبدک
وابن عبدیک اللذی غذوته بذر الایمان
والبسته ریاش البر والاحسان ثم

نقلته الیک وخترت له مالدیک برد
اللّھم مضجعه' آنس وحشته' نور
ظلمته، ارحم غربته، ثبت عندک کرامته'
لقّنه حجته۔ صعّد روحه۔ اجزه منک
بالاحسان احسانا وبالسیّات غفرانا۔
قوسین میں جہاں مذکر کی ضمیر ہے۔ عورت
ہونے کی حالت میں مونث کی ضمیر (ھا) لائیں
گے۔ اور بچوں کے لئے مختصر سی دعا الگ ہے
جس کے الفاظ وہی ہیں جو عام مسلمان نماز جنازہ
میں پڑھتے ہیں۔

اللّھم واذا ما اتاک بھا من حسنة
نتقبلھا منه، واذا ما اتاک بھا من
سیئة فتجاوزلھا عنه، انک ولی الحسنات
وغافر السیّات ومجیب الدعوات وراحم
العبرات وکاشف الکربات وناخذ الکظم
والتفصیات اجره یارب من السلاسل
والدرکات وارزقه الجنته والدرجات
بحق محمد واله السادات اللّھم اجعله
منک فی سدرٍ مخضودٍ وطلحٍ منضودٍ وظل

ممدودٍ وماءٍ مسکوبٍ وفاکھته کثیرةٍ
لا مقطوعةٍ ولا ممنوعته وفرش مرفوعه)
اللّھم وانّ اھل ھٰذہ القبور من اھل
ملتنا واتباع امّتنا ادخل علیھم الضیاءَ
والنور والفسحته والسرور والکرامته والجود
فانک ملکٌ غفور۔ اللّھم احینا حیاة العلماءَ
وامتنا موت الشھداء واحشرنا یوم القیامته
فی زمرة الاولیاء وادخلنا الجنته مع
الانبیاء' اللّھم زیّنا بزینته الایمان
وشرّفنا بشرف القرآن، واکرمنا بکرامته
محمد علیه وعلی آله صلواتک والرضوان
اللّھم اغفر لحینا ومیّتنا وشاھدنا وغائبنا
وصغیرنا وکبیرنا وذکرنا وانثانا، حُرنا
وعبدنا اشف مرضانا وارحم موتانا
الھی ولا تسلط علینا من لا یرحمنا بذنوبنا
وتب علینا قبل الموت وارحمنا عند الموت
ولا تعذبنا بعد الفوت، ھوّن علینا
وعلی جمیع المومنین والمومنات سکرات
الموت یا خالق الحیوة والموت ویا سامع

كل صوتٍ الٰهي وسيدي ومولائي تفضّل
علينا من سعته فضلك وتعمّدنا بمغفرتك
ومتعنا بجودك وكرمك يا اكرم الاكرمين
وارحمنا جميعا برحمتك يا ارحم الراحمين[1]۔

سبحان اللہ کتنی اچھی دعا ہے اور کس کس طرح میت کے لئے مغفرت طلب کی گئی ہے۔ خدا سے اس کے بخشش کی سفارش کی گئی ہے۔ اے خدا ہمیں بھی صلحا اور شہدا کے زمرہ میں اٹھانا۔

آمین ثم آمین ثم آمین !

[1] مجموعہ ادعیہ سیدنا ابو محمد طاہر سیف الدین مطبوعہ محمدی بمبئی ۔ سلمان صدق اللہ کے بجائے فاتحہ پڑھتے ہیں، لیکن گجرات (احمد آباد) کے جعفریہ بوہرے سلمان فاتحہ کے بعد صدق اللہ پڑھتے ہیں ۔ اور شمالی ہند کے سلمان ختم قرآن کے بعد ایک مختصر دعا، صدق اللہ پڑھتے ہیں ۔

رقعہ

مردہ کو قبر میں رکھتے وقت دو قسم کے رقعے رکھے جاتے ہیں۔ ایک طویل دوسرا مختصر۔ طویل میں دعائیں اور کلام مجید کی آیتیں ہوتی ہیں۔ اسکو کفن کے اندر مردہ کے سینہ پر رکھدیتے ہیں[1]۔ اور جو مختصر ہوتا ہے اُس مخصوص باتوں کے علاوہ عقائد میت کی تصدیق ہوتی ہے۔ داعی وقت، ماذون، اور مکاسر کے نام بھی تحریر کئے جاتے ہیں۔ یہ رقعہ میت کے ساتھ میں دیا جاتا ہے[2]۔ ایک رقعہ کی نقل مندرجہ ذیل ہے جس پر داعی یا عامل بسم اللہ لکھدیتا ہے۔ اور اس کی کوئی فیس نہیں لی جاتی ہے ۔ لیکن قبرستان فنڈ میں بطور چندہ یا خیرات کچھ دینا پڑتا ہے۔ جس سے قبرستان کی مرمت وغیرہ ہوتی ہے ۔

اعوذ باللّٰہ العظیم وبوجهه الکریم من الشیطان الرجیم، اللهم هذا عبدك الضعيف الفقير المحتاج الى رحمتك، جاءته الوفات التي ختمت ها عليه اللهم فلقه بالروح والريحان، والتجاوز عن سيأته بالاحسان اليه وارفع روحه مع الارواح النبين ۔ والصدقين والشهداء والصالحين، وحسن اولئك رفيقا ۔ ذالك الفضل من الله وكفى بالله

بزرگ اللہ کے ساتھ اور اس کی کریم ذات کے ساتھ مردود شیطان سے پناہ مانگتا ہوں اے میرے خدا یہ تیرا ضعیف بندہ تیری رحمت کا محتاج اس کی موت آگئی تو اس سے خوش خرمی کے ساتھ ملاقات کر، اور اس کے گناہوں کو احسان کے ساتھ معاف کردے اور اس کی روح کو نبیوں، صدیقوں، شہدا، اور صلحا کی روحوں کے ساتھ اٹھا۔ اور ان کا بہتر رفیق بنا۔ یہ مہربانی اللہ کی طرف سے ہے

[1] البیان مطبوعہ نادری جبلپور

[2] المیزان مطبوعہ مذکور

علیها۔ اللهم ارحم جسمه الابث فی التراب
وا سرالیه من سواری لطفک ما یکون
ضمیناً له بالتخلص من العذاب وقاضیاله
بکریم الرجعی وحسن المآب بحق ملائکتک
المقربین وحجبک الروحانیین وملائکتک
النورانیین وانبیائک المرسلین الخیرة
والصفوة من خلقک اجمعین۔ وبحق
نبیک المصطفی وامینک المجتبیٰ محمد
خیر من مشی علی الغبراء واظله ما الخضرا
وبحق وصیه علی ابن ابی طالب و
بالائمة النجباء والحامل عن نبیک
ثقل الاعباء۔ وبحق مولاتنا فاطمه
الزهراء الانسیته الحوراء، وبحق الائمة
من سلها والصفوة من نجلها الحسن
والحسین، سبطی نبیک وبعلی ابن حسین
ومحمد ابن علی وجعفر ابن محمد واسماعیل
ابن جعفر ومحمد ابن اسماعیل وعبداللہ
المستور واحمد المستور والحسین المستور
ومولانا المهدی ومولانا القائم ومولانا

اور علم کے لحاظ سے خدا کافی ہے۔ اے خدا
مٹی میں رہنے والے جسم پر اس کے رحم کو اور
اس پہ اس طرح مہربانی کر جو اس کے عذاب
سے نجات پانے کا ضامن ہو۔ اور اچھے
ٹھکانے کا حکم کرنے والا ہو۔ بذریعہ تیرے مقرب
فرشتوں کے، اور روحانی حجتوں کے، اور نورانی
فرشتوں کے، اور مخلوق میں تیرے بہتر پسندیدہ
بھیجے ہوئے نبیوں کے ذریعہ۔ اور بذریعہ
تیرے نبی مصطفے اور تیرے امین مجتبیٰ مخلوقات
میں بہتر محمدؐ کے۔ اور تیرے وصی علی ابن ابی
طالب اور ائمہ کے ذریعہ۔ اور حضرت سیدہ فاطمہ
زہراء اور سیدنا حسن وحسین اور علی بن حسین
اور محمد بن علی اور جعفر بن محمد اور اسماعیل بن
جعفر اور محمد بن اسماعیل، اور عبداللہ المستور
اور احمد المستور اور حسین المستور، مولانا المہدی
مولانا القائم، مولانا

المنصور ومولانا المعز ومولانا العزیز
ومولانا الحاکم ومولانا الظاهر ومولانا
المستنصر ومولانا المستعلی، ومولانا
الآمر ومولانا الامام الطیب۔
ابوالقاسم امیرالمومنین وبحق ابوابهم
وحججهم ودعاتهم وبحق قائم آخرالزمان
وحجته وائمته دوره صلوات اللہ
علیهم اجمعین وبحق داعی الوقت
والاوان سیدنا ومولانا ابومحمد طاهر
سیف الدین اعلی اللہ مقامه ومأذونه
سیدی ومولائی محمد بھائی صاحب
برهان الدین ومکاسره سیدی
ومولائی اسحاق بھائی صاحب
جمال الدین وحدود الفضلاء اللذین
یقضون بالحق وبه یعدلون،
حسبنا اللہ ونعم الوکیل ونعم المولیٰ و
نعم النصیر ولا حول ولا قوة الا باللہ
العلی العظیم۔[1]

منصور، مولانا معز، مولانا عزیز، مولانا
حاکم، مولانا ظاہر، مولانا مستنصر،
مولانا مستعلی، مولانا آمر اور مولانا امام
طیب، ان کے ابواب، اور حجت اور
داعیوں کے ذریعہ، اور قائم آخرالزمان
اور ان کے حجت اور ان کے زمانہ کے ائمہ
کے ذریعہ اور داعی وقت مولانا ابومحمد طاہر
سیف الدین اور ان کے ماذون اور مکاسر
اور منصف حدود کے ذریعہ اللہ ہم کو
کافی ہے، اور بہتر وکیل، بہتر مولیٰ
اور بہتر مددگار ہے۔ نہیں ہے
طاقت اور قوت لیکن خداء بزرگ اور
برتر کے ساتھ۔

[1] سلک الجواہر ص ۸۹ طبع ثانی۔ یہ رقعہ اور اس کے قبل کی طویل دعا مجھے نقل کرنے کی مطلق ضرورت نہ تھی مگر محض اس خیال سے تحریر کیا کہ عام مسلمانوں میں اس کے متعلق جو روایت مشہور ہے اس کی تردید ہو اور غلط فہمی دور...

دولت مند لوگ عموماً اور دیگر معززین مسجد کے متصل دفن ہونا زیادہ پسند کرتے ہیں[1] ہر جگہ جہاں مومنین کی آبادی ہو تو ایک قبرستان عام مسلمانوں سے الگ ہوتا ہے جہاں صرف مومنین (داؤدی بوہرے) دفن کئے جاتے ہیں۔ لیکن کھنبائت میں عام مسلمانوں کے قبرستان میں بھی ان کی قبریں ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ابتدا میں تقیہ کے سبب سے عام مسلمانوں سے مل کر رہتے تھے اور دفن بھی انہیں کے قبرستان میں ہوتے تھے۔ جب ایک قبرستان بھر جاتا ہے تو دوسرا قبرستان باجازت داعی بنایا جاتا ہے، جیسا کہ مجگاؤں (بمبئی) کا قبرستان ۴۹ داعی کے عہد میں تیار ہوا۔ کل قبرستان وقف ہوتے ہیں۔ جو داعی کے قبضہ اور زیر انتظام رہتے ہیں۔ جب کوئی زائر قبرستان جاتا ہے تو اس کو مندرجہ دعا پڑھنی چاہیے۔

السلام علیکم یا اهل لا اله الا الله
و من قال لا اله الا الله ۔ اللهم
رب العروق المنقطعة والجلود
المتمزقة ۔ والعظام النخرة والارواح
التی خرجت من الدنیا وهی مومنة
بک ، وامارت الیک ادخل یا رب
علیهم روحا وریحانا ، ومغفرة و

[1] مسلمان بھی مسجد کے متصل دفن کئے جانے کو پسند کرتے ہیں۔ اور اسی لئے قدیم مسجدوں میں قبریں موجود ہیں، اور آج محکمہ بلدیہ کے قانون کے سبب ممنوع ہے۔

رضوانا ، وعلینا اذا امرنا ، الی ما
صاروا الیه ، برحمتک یا ارحم الراحمین۔

دعوت اور عرس

وفات کے بعد دسویں اور چالیسویں دن فاتحہ خوانی کرتے ہیں۔ مگر مرثیہ نہیں پڑھتے۔ اس دن دعوت بھی ہوتی ہے، اور اچھا کھانا سب کو کھلاتے ہیں۔ ہر داؤدی بوہرے میت کا سالانہ فاتحہ ہوتا ہے، فاتحہ خوانی مقررہ دعائیں جو صحیفہ میں موجود ہیں پڑھتے ہیں۔ لوگ اس کو "صدق اللہ" کہتے ہیں۔ فاتحہ خوانی کے دن پہلے، صدق اللہ طویل پڑھتے ہیں پھر فاتحہ خوانی ہوتی ہے۔ اور کھانا اس کے بعد ہوتا ہے[1] کھانا اور پینا بسم اللہ سے کرتے ہیں۔ اور کھانے کے بعد بعض مختصر دعائیں بھی پڑھتے ہیں۔ بعض قبروں پر عرس بھی ہوتا ہے[2] اس میں ضیافت بھی کی جاتی ہے۔ سیدنا حاتم یمنی (قس) کا عرس بڑے دھوم سے ہوتا ہے۔ اور سیدی فخر الدین کے عرس میں ساری قوم کو دعوت دیجاتی ہے اور دعوت دینے کا طریقہ یہ ہے کہ بوہروں کے محلے میں ایک منادی ندا کرتا ہے، یا تھوڑے لوگوں کی آبادی ہو تو گھر گھر جاکر اطلاع دیتا ہے۔ اور کبھی خطوط کے ذریعہ اطلاع دیجاتی ہے، اس کو دعوتی رقعہ کہتے ہیں (غالباً مخصوص اور ممتاز لوگوں کو ارسال کئے جاتے

[1] مسلمان بھی فاتحہ خوانی کے بعد کھانا کھلاتے ہیں۔ اور کھانے کے بعد دعا پڑھتے ہیں۔

[2] مسلمانوں میں تو عرس کا بڑا رواج ہے، اور آجکل تو مجاوروں نے کھانے کمانے کے لئے عرس کو بڑا رواج دیا ہے۔ فاتحہ کے بعد دعوت ہوتی ہے اور اس کھانے کو تبرک کہتے ہیں۔

ہوں گے) اور یہ طریقہ عرس، شادی، نکاح اور عام دعوتِ طعام، غرض ہر ایسے موقعوں پر استعمال میں لاتے ہیں جہاں اجتماعِ قوم کی حاجت ہو۔[1] ایسے کام کے لئے جماعت خانے بنائے گئے ہیں، جہاں مردوں اور عورتوں کا علیحدہ انتظام ہوتا ہے۔ یہ جماعت خانہ عموماً مسجد سے متصل ہوتا ہے، اور کبھی کبھی الگ۔ پہلے عورتیں کھانے سے فارغ ہو کر چلی جاتی ہیں۔ پھر مرد کھاتے ہیں۔ بوہروں میں یہ رسم ہے کہ بعض قبروں سے منت[2] مانتے ہیں۔ جو قبرستان کے اندر ہو۔ خود سیدنا سے بھی بعض لوگ منتیں مانتے ہیں، اور کچھ لوگ اس کے معاوضہ میں روپیہ بھی دیتے ہیں جو دعوت فنڈ میں جاتا ہے۔ عرس یا غیر عرس میں جو مجلس کی جاتی ہے اس سے پہلے فاتحہ خوانی ضروری شے ہے، سالانہ عرس بکثرت ہوتے ہیں۔ تقریباً تمام موالی اور دعاۃ کے عرس ہوتے ہیں۔ دعاۃ میں سے سیدنا نجم الدین (۴۷ داعی کا) عرس بمقام بمبئی خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ جس میں مخصوص آدمی (چالیس تک) شریک ہوتے ہیں اور داعی وقت بھی شریک ہوتا ہے۔ سیدنا شہید کا عرس احمد آباد میں بڑے دھوم سے ہوتا ہے کبھی کبھی سیدنا خصوصیت سے اس میں شرکت کرتے ہیں۔

غیر دعاۃ میں چاندہ بھائی کا عرس بمبئی میں بہت مشہور ہے۔ یہ عرس سالانہ ہوتا ہے، اور ایسے موقعہ پر لوگوں کی ضیافت کی جاتی ہے، اسی طرح اجین، مانڈوی، برہان پور، گلیاکوٹ، وغیرہ دیگر مقامات میں بھی عرس ہوتے ہیں۔

---

[1] شہروں میں ہر محلہ کے مؤذن اس خدمت کو مسلمانوں میں ادا کرتے ہیں۔

[2] بجز اہلحدیث کے تقریباً تمام مسلم فرقے قبروں سے منتیں مانتے ہیں۔

غلہ اور اس کا مصرف

بعض مزارات پر خیرات کی صندوقچی رکھتے ہیں جس کو عام طور پر لوگ غلہ (یا گلہ) کہتے ہیں۔ اس غلہ کی آمدنی بحکم داعی عہد کوئی خاص آدمی یا عامل کسی مخصوص مصرف میں لاتا ہے۔ اور یہ آمد دعوت فنڈ کا جزء ہے۔ یعنی داعی کے ماتحت ہے۔ یہ آمدنی مقامی مصرف کے بجائے براہ راست خزانہ عامرہ میں آتی ہے، جیسا کہ رنگون کے غلہ کا روپیہ سورت کے مرکزی خزانہ میں جمع ہوتا ہے اور اسی جگہ سے یمن جاتا ہے۔ کیونکہ اس کا مصرف یمن کے کسی داعی کا مقبرہ ہے، ان غلوں کا حساب کبھی سالانہ، کبھی متعدد سالوں کا ایک دفعہ شائع کیا جاتا ہے۔ کل غلوں کی تعداد (۶۹) ہے۔ جو سارے ہندوستان کے مختلف مقامات پر رکھے ہوئے ہیں۔

اسی طرح بعض مقامات پر سبیلیں ہیں۔ جیسے کراچی، زنجبار وغیرہ، ان غلوں میں سے آٹھ غلے ائمہ اور دعاۃ کے نام ہیں۔ ائمہ کے نام کا غلہ عموماً مسجدوں میں ہوتا ہے، دوسروں کا غلہ مسجد میں نہیں ہوتا۔ البتہ سیدنا حاتم یمنی قس کا غلہ ہندوستان کے مختلف مقامات پر ہے، جن میں سے بعض مسجد میں بھی ہیں۔ دوسروں کا غلہ مسجد میں نہیں ہوتا۔ اور صرف یہی ایک داعی ہیں جن کا غلہ مسجد میں بھی ہے۔ اجین میں امام زماں کے نام کا غلہ ہے۔ بعض مقامات میں سیدنا امام حسینؑ کا غلہ بھی رکھا گیا ہے۔

سیٹھ چاندا بھائی (بمبئی) کے قبر پر (۴۷) داعی سیدنا نجم الدین (قس) کے عہد میں غلہ رکھا گیا، جس کی ۱۸۹۱ء میں مبلغ (۹۳) روپے سالانہ آمدنی تھی لیکن آہستہ آہستہ اس میں مومنین کی توجہ سے ترقی ہوتی گئی۔ چنانچہ ۱۹۱۶ء میں (۳۳،۷۵۴) تینتیس ہزار سات سو چون روپے سالانہ تک آمدنی ہوگئی۔ ائمہ یا دعاۃ کے نام نذرانے بھی ہوتے ہیں۔ عموماً غلہ کا مصرف یہ ہے کہ عرس کی ضیافت، روشنی، اور مسجد یا مقبرہ

کی مرمت جہاں وہ غلہ ہے، اس کے علاوہ دوسرے مقبروں کی تعمیر، اور اس کے اخراجات کا انتظام بھی غلوں کے مد سے ہوتا ہے، جیساکہ حاتمی غلہ کا حال ہے۔ یارنگون کے غلہ کا مصرف ہے۔ بعض دفعہ لوگ منت مانتے ہیں کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو فلاں داعی یا ولی کے مقبرہ پر ایک چلہ یا کم و بیش مجاور بن کر رہیں گے، ایسے لوگوں کے طعام و قیام کا بندوبست بھی اسی فنڈ سے ہوتا ہے۔ یہ تمام مذکورہ بالا رقوم سیدنا داعی وقت کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتی ہیں۔ بلکہ دعوت فنڈ کا جزء ہے۔ لیکن مومنین اور دعوت حقہ کے مفاد کے خاطر سیدنا جس قدر اور جس طرح چاہیں مصرف میں لاسکتے ہیں۔ اور کسی کو مداخلت کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ ان غلوں کی آمدنی کی صورت یہہ ہوتی ہے، کہ بعض لوگ جو زیارت کو آتے ہیں تو بہ نظر ثواب بطور خیرات برائے کار نیک غلہ میں کچھ رقم ڈالتے ہیں۔ اور ایسے لوگ بھی ہیں جو اس قبر سے منت مانتے ہیں کہ میرا کام ہوگیا تو اس قدر روپے، یا پیر کے کپڑے یا چاندی کی آنکھیں یا پنجہ بطور نذر کے چڑھاؤں گا۔ چنانچہ تکمیل مقاصد کے بعد یہہ نذریں پوری کی جاتی ہیں۔ بعض اشخاص بچوں کو سیدنا قطب الدین شہید کی بیڑی یا چھلہ پہناتے ہیں، جو تا تکمیل پیروں میں پہنے رہتے ہیں۔ منتوں کی کثرت کی وجہ یہہ ہے کہ عام مومنین کا اعتقاد یہہ ہے کہ کوئی دعا یا منت بغیر وسیلہ داعی عہد، امام اور خدا تک نہیں پہنچتی ہے اور چونکہ وہ خود براہ راست خدا تک نہیں پہنچ سکتا، لہٰذا داعی کا وسیلہ لازمی ہے۔ اسی طرح اگر کسی ولی سے بھی منت مانی جائے یا دعا کی جائے تو وہ اپنے داعی وقت کے بوسیلہ سے امام اور پھر خدا تک پہنچائے گا۔ اس کو توسل یا وسیلہ کہتے ہیں۔

عام طور پر مریضوں کے لئے شفاخانے نہیں قائم کئے جاتے، کیونکہ اکثر انگریزی دوائیں الکحل سے مرکب ہوتی ہیں۔ اور الکحل شراب کی ایک قسم ہونے کے سبب حرام

ہے۔ لیکن زچگی کے لئے ایک شفاخانہ حاتم بھائی نے بمبئی میں قائم کیا ہے۔ اور ابھی حال میں (۱۹۴۲ء) ایک شفاخانہ احمدآباد لال دروازہ کے پاس کھولا گیا ہے۔ ان دونوں میں ابھی زیادہ بستر نہیں ہیں، صرف چند معدودے بستر ہیں۔

مراثی و نجات مراثی سیدنا امام حسن اور امام حسینؑ کے ہوتے ہیں۔ بعض دعاۃ اور ماذون کے لئے بھی ہوتے ہیں۔ مگر ذی علم اشخاص کے لئے بہت کم مرثیے ہوتے ہیں۔ جس مجلس میں یہہ مرثیہ خوانی ہوتی ہے تو مرثیہ خواں داعی یا عامل کے سامنے بیٹھتا ہے۔ مرثیہ خواں کے لئے ضروری ہے کہ ایک دو دن قبل داعی وقت یا عامل سے اس کی اجازت لے لے۔ بغیر اجازت نہیں پڑھ سکتے۔ داعی یا عامل کی نظر سے جب یہہ مرثیہ گزر جاتا ہے اور وہ پسند کرتے ہیں تو پڑھنے کی اجازت مل جاتی ہے۔ مجلس میں پڑھتے وقت بھی اشارہ سے اجازت لینی پڑتی ہے۔ ائمہ، اولیاء اور دعاۃ کے وفات کے دن جو مجلس ہوتی ہے، اس میں مرثیہ ضرور پڑھا جاتا ہے، عشرۂ محرم کی روزانہ مجلسوں میں بھی مرثیہ خوانی کی جاتی ہے۔ ان مجلسوں میں غیر مومنین کو شامل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ اور خود عامل بھی بغیر اجازت داعی شامل کرنے کا حق نہیں رکھتا۔

وفات کے بعد بحسب اعمال نجات کے سات مدارج ہیں۔ جن میں سے بعض کے نام یہہ ہیں:۔

حجاب، اطلاق، بحر المحیط، عالم بسیط، اہل الیقین، عین الیقین۔

ایک کتاب میں میری نظر سے مندرجہ ذیل مراتب نجات کے گزرے۔

مادی دنیا۔ الخلا۔ المعلّیٰ۔ ہیولیٰ۔ اساس اول، نفس کل، ناطق، عقل کل۔ خدائے دنیا۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ یہہ اصطلاحیں ہیں۔ بہت ممکن ہے

کہ یہہ نام کسی اور کے ہوں اور میرے سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہو۔ اگر ایسا ہو تو مجھے معذور رکھیں۔

تعلیم

تعلیم کے متعلق عام لوگوں میں سخت غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے، اور یہہ خیال کہ سیدنا اپنی قوم کو عام تعلیم سے روکتے ہیں۔ یہہ نہ صرف قابلِ مضحکہ بات ہے، بلکہ واقعات خود اس کی تردید کرتے ہیں۔ مومنین اپنی کل آبادی کے لحاظ سے دنیوی تعلیم میں کسی مسلم جماعت سے پیچھے نہیں ہیں۔ بہ مشکل فیصدی ایک یا دو ایسے نکلیں گے جو اپنی مادری زبان میں لکھنا پڑھنا نہ جانتے ہوں، تقریباً جبری ابتدائی تعلیم موجود ہے[1] دنیاوی تعلیم میں شاذ ہی کوئی شعبہ ہو جس میں مومنین نہوں۔ ڈاکٹر، وکیل، بیرسٹر (بارایٹ)، کالج کے پروفیسر، اسکول کے ہیڈ ماسٹر، ریلوے کے ٹریفک منیجر، یونیورسٹی کے فیلو، شاعر، اڈیٹر، آکسفورڈ اور کیمبرج کے ریسرچ ورکر وغیرہ سب ہی موجود ہیں۔ مڈل، میٹرک، ایف اے، بی اے، ایم اے، ایل۔ ایل۔ بی۔ ادب کے ڈاکٹر اور دیگر خاص مضامین کے ڈاکٹری پاس شدہ لوگ ہیں۔ جہاں جہاں عامل رہتا ہے، مومنین کے بچوں کے لئے ابتدائی مدارس قائم ہیں۔ بعض مقام پر ہائی اسکول بھی قائم کیا گیا ہے، چنانچہ برہان پور میں ایک ہائی اسکول ہے جس کے ہیڈ ماسٹر شیخ داؤد ایم اے ہیں۔ اسی طرح مدرسہ طاہریہ جام نگر میں ہے جس کو سیٹھ داؤد بھائی شمس الدین بھارمل نے زر کثیر صرف کرکے شمس الدعاۃ سیدنا ابو محمد طاہر سیف الدین زادِ فضلہٗ کے عہدِ میمنت مہد میں تیار کراکر وقف کردیا ہے۔ یہہ مدرسہ اپنے اوصاف کے بنا پر خاص شہرت رکھتا ہے۔ اس کے ہیڈ ماسٹر جناب ملا فضل حسین داؤد بھائی ہیں۔ اس میں لڑکوں کی تعداد تین سو اور لڑکیوں کی دو سو ہے۔ قرآن خوانی کے علاوہ گجراتی اور انگریزی کی بھی تعلیم ہوتی ہے —

[1] حالانکہ مسلمانوں کی تعداد بحیثیت تعلیم صرف تین فیصدی ہے۔

لڑکیوں کو سوزن کاری اس قدر اعلیٰ پیمانہ پر سکھایا جاتا ہے، کہ ریاست کی طرف سے دو مرتبہ اعلیٰ درجہ کا سرٹیفکٹ (سند) اور انعام مل چکا ہے۔ اس کے علاوہ بمبئی میں بھی آدم جی پیر بھائی نے ایک اعلیٰ پیمانہ پر مدرسہ قائم کیا تھا۔ جس سے کثیر التعداد طلباء نے فائدہ اٹھایا۔ کل مدارس کی تعداد جن کو دعوت فنڈ سے امداد ملتی ہے "پچاس" ہے۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں جن کا تمام تر بار دعوت فنڈ پر ہے۔ اور بعض مقامی امداد سے چل رہے ہیں۔ غرض مومنین کی آبادی کے لحاظ سے نہ مدرسوں کی کمی ہے، نہ طالب علموں کی۔ البتہ یہہ بات ایک حد تک صحیح ہے، کہ کئی سو برس سے باپ دادے تجارت کرتے آئے ہیں۔ اس لئے ان کا مذاق تجارتی ہوگیا ہے۔ پس اس تجارت نے ان کو اعلیٰ تعلیم سے روک رکھا ہے۔ یعنی قوم میں کمتر ایسے لوگ ہیں جو تجارت کی لائن کو چھوڑ کر اعلیٰ تعلیم کے طرف متوجہ ہوں۔ دنیاوی حیثیت سے جو نفع تجارت سے حاصل ہوتا ہے، وہ اعلیٰ تعلیم میں نہیں پاتے اور اس سبب سے لوگ اس طرف کم متوجہ ہوتے ہیں۔

دینی تعلیم

دینی تعلیم کا بھی معقول بندوبست ہے، ابتدائی تعلیم تو ابتدائی دینی مدارس میں داخل ہوکر کرلیتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ کے لئے خاص خاص مدارس قائم کئے گئے ہیں۔ بعض ابتدائی مدارس کا نصاب مندرجہ ذیل ہے:۔

قرآن مجید، صحیفۃ الصلوٰۃ، حفظ سورہ (یعنی پاؤ یا نصف پارہ زبانی) فقہ، دیوان امیر المومنین، میزان اجناس، ضریری، حدیث بنی اسرائیل۔ اردو، گجراتی، حساب = ابتدا سے دعاۃ ہند نے مدارس کی طرف توجہ رکھی۔ چنانچہ احمد آباد، جام نگر، مانڈوی، اجین، سورت، بمبئی۔ وغیرہ مقامات میں دعاۃ نے مدارس دینی قائم کئے۔ اور ان کو ترقی دینے میں ہمیشہ ساعی رہے۔ اکثر اوقات داعی وقت نے طلباء کے

کپڑے اور کتابوں کے لئے اپنے جیب خاص سے اخراجات برداشت کئے۔ اس وقت سورت کا مدرسہ سیفیہ (درسِ سیفی) تعلیم اور انتظام کے لحاظ سے بہترین مدرسہ ہے، یہہ مدرسہ ۱۲۲۰ھ میں بعہد سیدنا عبد علی سیف الدین قس (۴۳ داعی) قائم کیا گیا۔ اور حسن اتفاق سے ہر داعی نے اس کو ترقی دی، اور اس سبب سے بکثرت طلباء یہاں آتے ہیں۔ اور فیضیاب ہوکر واپس جاتے ہیں۔ ہزاروں طالب علم، فاضل ہوکر نکلے، اس مدرسہ پر دعوت فنڈ کا پچاس ہزار روپیہ صرف ہوتا ہے۔ پانچسو طلباء تعلیم پاتے ہیں۔ اور داعی وقت کی نگرانی میں چلتا ہے، داعی وقت کی طرف سے اس کے لئے مدرسین بہم پہنچانا، کپڑے اور خوراک کا مہیا کرنا ہوتا ہے، طلبہ کے آمد و رفت کا خرچ بھی اسی فنڈ سے دیا جاتا ہے، اس میں ہر قسم کے طلبہ تعلیم پاتے ہیں۔ چھوٹے بڑے امیر و غریب کی تمیز نہیں۔ ان مدارس میں زیادہ تر وہ لوگ تعلیم پاتے ہیں جو کسی عہدہ پر فائز ہونا چاہتے ہیں۔ یعنی میاں صاحب، ملا صاحب، عامل وغیرہ کی ڈگری (سند) حاصل کرلیتے ہیں۔ تاکہ فتوٰی دینے، یا نماز پڑھانے کا استحقاق حاصل ہوجائے۔ لیکن بغیر اجازت داعیٔ عہد کوئی کسی عہدہ پر ممتاز نہیں ہوتا۔ اور جب تک ممتاز نہ کیا جائے، کسی دینی کام کو بطور مذہبی مقتدا کے انجام نہیں دے سکتا۔ اکثر دعاۃ کی تعلیم ان مدارس میں نہیں ہوتی، بلکہ خاص طور پر ان کو اپنے گھر میں تعلیم دیجاتی ہے، پھر بھی بعض دعاۃ ایسے گزرے ہیں جن کو ان مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا ہے۔ مثلاً سیدنا بدرالدین، سیدنا طیب زین الدین، سیدنا محمد عزالدین۔ درسِ سیفی میں دس سال کا نصاب ہے، پانچ سال میں کتب ظواہر سے فارغ ہو جاتا ہے اور مندرجہ ذیل کتب کی تعلیم دیجاتی ہے۔ صرف و نحو کی چند معمولی کتابیں، ادب کی

چند معمولی کتابیں، اس کے بعد قصائد۔ مراثی، اور دیوان سیدنا علیؓ۔ علم فقہ میں مختصر اور دعائم۔ پھر حجت کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، تاریخ اور جغرافیہ بھی پڑھاتے ہیں۔ علوم کی دو قسمیں ہیں فلسفہ اور غیر فلسفہ۔ فلسفہ کے ماتحت منطق، حکمت، ریاضی (ہندسہ، حساب، ہیئت، طب) وغیرہ ہیں غیر فلسفہ کے ماتحت مندرجہ ذیل فنون ہیں:۔

لغت، صرف، نحو، معانی، بیان، بدیع، کلام، حدیث، اصول، فقہ، فرائض، تفسیر، (تاویل، حقائق، دلائل، رد المعارضین (مناظرہ) وجوہ النظائر، غرائب القرآن، شانِ نزول، مکانِ نزول، ناسخ منسوخ) تاریخ، امثال، مواعظ، نظم الالفاظ، تمیز متشابہات، تجوید، الکمیۃ سور و آیات حروف، رسم الخط، خواص القرآن۔ تفسیر کے بعد فنون جو قوسین میں ہیں سب تفسیر ہی میں داخل ہیں۔ لیکن تفصیل کے خیال سے ان کو تحریر کردیا۔ راقم الحروف نے ۱۹۲۳ء میں جب درسِ سیفی کو دیکھا تو اس وقت وہاں کا ایک نصاب دستیاب ہوا جو کسی زمانہ میں رائج تھا اور تھوڑے سے تغیر کے ساتھ غالباً اب بھی رائج ہوگا۔ نمونہ کے خیال سے درج ذیل کرتا ہوں:۔

حصۂ نظم:۔ دیوانِ علیؓ۔ دیوان شلیم۔ دیوانِ حسینؓ۔ دیوانِ مؤید دیوانِ عبداللہ۔ دیوان الخطاب۔ دیوان ابنِ ولید۔ دیوان سیدنا عبدالقادر نجم الدین۔ دیوان متنبی۔ دیوان محمدؐ بن ہانی۔ سبعہ معلقہ۔ کلیلہ دمنہ، قصیدہ بردہ قصیدہ قرنیہ، سبعہ علویات لابن حدید۔

حصۂ نثر:۔ حدیث بنی اسرائیل۔ کتاب التوراۃ۔ کتاب الزبور۔ نہج البلاغۃ

اکالیم امیرالمومنین ۔ شہاب البنوی ۔ خطبہ رسول اللہ صلعم ۔ کتاب الذخیرۃ ۔ بوذ
اسف دبلوہر، تاریخ مبین الاکبر (سات جلد) اظہر، مصنفہ حسن بن نوح (سات جلد)
روضۃ الاخبار ۔ نہج الاخبار ۔ سراج الاخبار ۔ افتتاح الدعوت ۔ کشف الکلام فی
استتار الامام ۔ سیرۃ قید القعود ۔ سیرۃ ظفر الجب ۔ جوزر مصنفہ نجیب الدولہ ۔ سیرۃ المویدیہ
استتار الامام مصنفہ احمد بنکوریہ ۔ مجالس حاتمی ۔ طرق محمد ابن اسحاق، المقریزی،
ممتاز الاخبار ۔ بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہہ سب کتابیں ادب اور تاریخ
کی ہیں ۔ اس لئے اغلب یہہ ہے کہ یہ نصاب اوپر کی جماعتوں (ہائی کلاسز) کے
لئے صرف فن ادب اور تاریخ کے متعلق ہوں گے،

باقی پانچ سال میں غیر ظواہر کی تعلیم دیجاتی ہے اور اس کے پڑھنے والے
کم تر لوگ ہوتے ہیں ۔ دینی علوم کی تین قسمیں ہیں :۔

(۱) علم ظاہر (۲) علم تاویل (۳) علم حقیقت

(۱) علم ظاہر وہ علم ہے جس میں معمولی نوشت و خواند کے بعد فقہ، حجت، تاریخ
اور جغرافیہ کی تعلیم دیجاتی ہے، اس علم کے حاصل کرنے والوں کی تعداد کثیر
ہوتی ہے، اور بہت زیادہ جانچ پڑتال بھی نہیں ہوتی ۔ ملا، شیخ، میاں
صاحب، اس علم سے کماحقہ واقفیت رکھتے ہیں ۔ مندرجہ ذیل کتب کی
تعلیم اُسی عنوان کے ماتحت دیجاتی ہے ۔

دعائم الاسلام کامل ۔ مختصر الآثار ہر دو جلد ۔ کتاب الینبوع فی الفقہ،
کتاب الاخبار ۔ کتاب منہج الفرائض ۔ راحۃ المصلی ۔ رسالہ زینت البرہان
تقویم الاحکام، کتاب الحواشی، مغنی النعمۃ ۔ مجمع الفقہ سیدنا یوسف،

نفس المقتول سیدنا ادریس، تنبیہ الغافلین سیدنا ابراہیم، تنبیہ الہادی
سیدنا حمید کرمانی، مجموعہ مسائل سیدنا حاتم، مجموع الترتیب سیدنا
محمد بن طاہری ۔

(۲) علم تاویل ۔ وہ مخفی علم ہے جس کی تعلیم صرف مخصوص لوگوں کو دیجاتی
ہے ۔ موجودہ زمانہ میں اس قوم کے صرف تین سو آدمی ہیں، جو اس علم
سے واقف ہیں ۔ مندرجہ ذیل کتب کی اس عنوان کے ماتحت تعلیم ہوتی
ہے ۔ تاویل الدعائم، عشرین مسائل فی التاویل، تاویل منسوخ الحج
لعبد علی امام الدین ۔

(۳) علم حقیقت ۔ یہ اعلیٰ ترین مخفی علم ہے جو مخصوص ترین اشخاص کو پڑھاتے
ہیں ۔ مومنین میں سے آج کل (سنہ ۱۳۵۰ھ) صرف ایک سو آدمی اس فن سے
آگاہ ہیں ۔ اس عنوان کے ماتحت چار قسم کی کتابیں ہیں ۔

اول اتصال بین المذہب والفلسفہ جیسے اخوان الصفا ۔ دوم سیدنا
قاضی نعمان کی مخفی کتابیں ۔ سیدنا ظافر علی منصور کی کتب، سیدنا علی
یعقوب سجستانی کی کتب، سیدنا علی حاتم رازی کی کتب ۔ سوم سیدنا
موئد شیرازی علی برکات بدرجانی کی کتب، چہارم سیدنا حمید الدین
کرمانی کی کتب ۔ اس کے بعد پھر اعلیٰ مذہبی صداقتیں ہیں ۔ جو اس سے
بھی کم لوگ جانتے ہیں ۔ اور ہر داعی اپنے منصوص کو مخصوص طور پر تعلیم دیتا
ہے ۔ علم حقیقت حاصل کرنیکے لئے یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ وہ داعی زبان
سے ہی حاصل کیا جائے بلکہ قوم کے عالم سے بھی حاصل کر سکتے ہیں ۔ البتہ

اس علم کے حاصل کرتے وقت داعی وقت کی اجازت ضروری ہے۔ بغیر اجازت پڑھنا اور پڑھانا دونوں ناجائز ہیں۔ علم حقیقت کی تعلیم بہت کم لوگ پاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی تعلیم مخصوص اوقات میں ہوتی ہے۔ خصوصاً جبکہ اعداء کا خوف ہو تو نصف شب کے بعد اس کی تعلیم دیتے تھے۔ جیسا کہ سیدنا شیخ آدم قس کے واقعہ سے ظاہر ہے۔ علم حقیقت کے مسائل کی تشریح اور بیان ایک مشکل امر ہے۔ اور اس کتاب کے ناظرین کے لئے غیر نافع، اس لئے فقط ایک دو تمثیل کے ذریعہ چند امور تحریر کرتا ہوں۔

مثلاً جب کوئی مومن (داؤدی بوہرہ) داعی کے احکام کی تعمیل نہ کرے تو بظاہر وہ خارج از جماعت ہو جاتا ہے۔ لیکن حقیقی طور پر بھی کس طرح اس کا تعلق تمام مومن رشتہ دار، بیوی، بچوں سے منقطع ہو جاتا ہے۔ اور کن دلائل سے اس کی بیوی مطلقہ ہو جاتی ہے[1]۔ اسی طرح جب کوئی مومن کسی ولی سے منت مانتا ہے تو وہ ولی کس طرح اپنے وقت کے داعی کے ذریعہ امام الزماں سے اور وہ خدا سے سفارش کرتے ہیں۔ اور اس پر کیا حجت اور دلیل ہے۔ قرآن کی آیت "حبل اللہ المتین سے مراد" امام اور دعاۃ ہیں۔ اور آیت " واعتصمو بحبل اللہ جمیعا " سے بھی یہی مطلب ہے۔ قرآن میں ہے کہ خدا تھکتا نہیں۔ پھر زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جبکہ کُن فیکون سے ہو سکتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کے اصلی معانی دوسرے ہیں۔

---

[1] بخاری میں بھی ایک حدیث موجود ہے کہ امام جب کسی سے ترک تعلقات کرے تو وہ کس طرح جماعت کے ہر فوائد سے محروم ہو جاتا ہے، اور بیوی، بچے، ماں باپ سب بیگانہ ہو جاتے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ شب جمعہ کو جو مرتا ہے وہ عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے اور آگ سے دور رہتا ہے۔ مگر اس رات کو تو کافر، مشرک، منافق سبھی مرتے ہیں۔ اس لئے سمجھنا چاہیئے کہ حدیث کا صحیح مطلب کوئی دوسرا ہے۔ حضرت خضر رسول خدا تھے۔ چشمۂ آبِ حیات سے دو گھونٹ پی لئے۔ اب انھیں موت کبھی نہ آئے گی۔ یہ بات تو عقل کے خلاف ہے۔ اور پھر ان کا کام ہدایت مخلوق ہے تو کیوں حضرت محمدؐ اور علیؓ یا سیدنا حسنؓ اور حسینؓ کو آبِ حیات دے کر ہمیشہ کے لئے ہدایت مخلوق کے واسطے زندہ نہیں رکھا۔

خضر کسی گاؤں میں جا کر در بدر بھیک مانگیں اور کوئی ایک لقمہ کھانے کو نہ دے یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی۔ اسی طرح ایک شکستہ دیوار کو اسی گاؤں میں درست کر دیتے ہیں۔ اور کوئی اس بستی میں منع کرنے والا نہیں ہے۔ کہ تم اجنبی ہو کر کیوں کسی کے مکان کی دیوار بغیر اجازت بناتے ہو۔ اس لئے یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ فقط تمثیل ہے۔ اسی طور پر جب موسیٰؑ کو معلوم تھا کہ انسان بالمواجہ خدا کو نہیں دیکھ سکتا ہے۔ تو پھر خدا کو دیکھنے کی استدعا کیوں کی۔ غرض کہ آبِ حیات کیا ہے۔ اس کے چشمہ کا منبع کون ہے۔ خضر کون تھے۔ دیوار اور کھانے سے کیا مراد ہے۔ یہ سب باتیں علم تاویل اور حقیقت سے حل ہو سکتی ہیں۔

دینی کتب کی ترتیب یہ ہے کہ قرآن پھر احادیث حضرت محمد صلعم بروائت ائمہ۔ پھر ملفوظات سیدنا حضرت علیؓ۔ اس کے بعد تفاسیر اور فقہ علمائے اسماعیلیہ داؤدیہ ہے۔ عموماً مذہبی کتابوں میں جہاں بھی قاضی کا لفظ آتا ہے تو اس سے مراد امام ہوتا ہے کیونکہ دراصل قاضی (یعنی اپنے احکام کو جاری کرنے والا) وہی ہوتا ہے باقی اس کے

نائب ہے۔ مندرجہ ذیل کتب مختلف علوم و فنون کی بوہرے عالموں میں رائج ہیں۔

نمبر	نام کتاب	نام مصنف	فن	کیفیت
۱	رسائل اخوان الصفا[۵۳]	امام احمد بن عبداللہ	مختلف	
۲	راحۃ العقل	سیدنا احمد حمید الدین کرمانی	فلسفہ و متعلق حجت مناظرہ	
۳	کتاب الایضاع	سیدنا قاضی النعمان بن محمد قیروانی متوفی ۳۶۲ھ بعہد ۱۴ امام	فقہ۔	فرائض سبعہ۔ ولائت طہارۃ، صلوۃ، زکوات صوم، حج، جہاد۔ ہمعصر المعز لدین اللہ
۴	دعائم الاسلام دو جلد	〃	فقہ	
۵	مختصر الآثار	〃	فقہ	
۶	کتاب الطہارۃ	〃	فقہ	
۷	ارجوزۃ المختارہ	〃	〃	
۸	ارجوزۃ المنتجبہ	〃	〃	
۹	شرح الاخبار	〃	سیر	
۱۰	کتاب المناقب المثالب	〃	تاریخ	
۱۱	کتاب الاقتصار	〃	فقہ	
۱۲	تقویم الاحکام	〃	•	

نمبر	نام کتاب	مصنف	فن	کیفیت
۱۳	کتاب الینبوع	سیدنا قاضی النعمان بن محمد قیروانی	فقہ	
۱۴	اساس التاویل	〃	اصول تفسیر و تاویل	
۱۵	اختلاف الاصول المذہب	〃	مناظرہ	
۱۶	کتاب المجالس والمسائرات	〃	ادب	
۱۷	کتاب التوحید	〃	علم توحید (تصوف)	
۱۸	سرائر النطقاء	جعفر بن منصور یمنی	حقیقت	ہمعصر المعز لدین اللہ
۱۹	اسرار النطقاء			
۲۰	کتاب الکشف			
۲۱	الرضاع فی الباطن		تاویل	
۲۲	تنبیہ الہادی والمستہدی	احمد [illegible] ابن کرمانی	تصوف	ہمعصر حاکم بامر اللہ (امام) (بعہد امام ۱۶ تصنیف ہوئی)
۲۳	کتاب الوضیہ	〃	فقہ	
۲۴	اقوال الذہبیہ			

نمبر	نام کتاب	مصنف	فن	کیفیت
۲۵	کتاب المصابیح	احمد حمید الدین کرمانی	حجت	
۲۶	معاصم الہدیٰ	〃		
۲۷	ثلٰثۃ عشر رسائل	〃	متفرق علوم	
۲۸	کتاب الریاض	〃	تصوف علم توحید	
۲۹	کتاب الافتخار	سیدی ابو یعقوب سجستانی	اصول فقہ	
۳۰	کتاب الینابیع	〃	فقہ	
۳۱	کتاب الاصلاح	〃	〃	
۳۲	المجالس المؤیدیہ (۸۰۰ مجالس)	سیدنا ہبۃ اللہ المؤید فی الدین شیرازی	مختلف علوم	
۳۳	کتاب الابتداء والانتہاء	〃	〃	
۳۴	سیرت المؤیدیہ	〃	تاریخ سوانح	
۳۵	کتاب المواعظ	〃	وعظ	
۳۶	حجج قاطعہ	〃	حجت	

نمبر	نام کتاب	مصنف	فن	کیفیت
۳۷	مجالس الحکمۃ تنبیہ الغافلین	مولانا بدر الجمالی		ہمعصر امام مستنصر باللہ
۳۸	مجالس الحاتمیہ	سیدنا حاتم الحامدی متوفی ۵۵۶ھ	سیر	
۳۹	کتاب الزینیہ	〃	مثل تفسیر	
۴۰	دامغ الباطل رد علی الغزالی	سیدنا علی بن محمد بن ولید متوفی ۶۱۲ھ	مناظرہ حجت	
۴۱	تاج العقائد	〃	عقائد	
۴۲	مختصر الاصول	〃	〃	
۴۳	عیون الاخبار (۷ جلدیں)	سیدنا ادریس عماد الدین بن حسن یمنی متوفی ۸۷۲ھ	تاریخ	
۴۴	کتاب الازہار (۷ جلدیں)	حسن بن نوح بھروچی متوفی ۹۹۳ھ	〃	دو جلدوں میں تاریخ تیسری میں حجت یعنی مناظرہ۔ چوتھی میں عقائد بقیہ جلدوں میں متفرق علوم وفنون

نمبر	نام کتاب	مصنف	فن	کیفیت
۴۵	کتاب محفر			
۴۶	کوکب فلک	مترجمہ میاں صاحب یوسف علی بن مومن جی کپڑونجی	سیر	ترجمہ ستہ رسائل کا بعہد سیدنا ابوطیب محمد برہان الدین ہوا۔
۴۷	ملخصہ			
۴۸	افتتاح الدعوت	سیدنا قاضی النعمان بن محمد	تاریخ	
۴۹	نہج البلاغۃ	سیدنا علی رضؓ	ادب مواعظ	
۵۰	ضوء نور الحق المبین	سیدنا طاہر سیف الدین	مناظرہ	
۵۱	تحفۃ القلوب	سیدنا حاتم بن ابراہیم حامدی متوفی ۵۹۶ھ	حقیقت	
۵۲	لب اللباب	سیدی عبد علی عماد الدین	حقیقت	
۵۳	سیف برہانی	....		
۵۴	الوجیہ	علامہ لقمان جی		ہمعصر داعی (۴۰) سیدنا ہبۃ اللہ المؤید فی الدین
۵۵	نزہۃ الافکار	سیدنا عماد الدین ادریس یمنی		

نمبر	نام کتاب	مصنف	فن	کیفیت
۵۶	موسم بہار	شیخ محمد علی بن ملا جیوا بھائی	تاریخ گجراتی	بعہد داعی سیدنا عبدالقادر نجم الدین
۵۷	ستہ رسائل	خوج بن ملک	سیر	
۵۸	منتزع الاخبار	"	سیر	بعہد داعی ۴۴ سیدنا محمد عز الدین
۵۹	رسالہ مزنیہ		تاریخ	
۶۰	الرسالۃ الموشاۃ فی سیرت سیدنا داؤد بن قطب شاہ		سیر	
۶۱	المسائل السبعون		مختلف فنون	
۶۲	تاویل الدعائم	سیدنا قاضی النعمان بن محمد	تفسیر تاویل	
۶۳	تاریخ یمن	نجم الدین ابو محمد عمارہ یمنی شافعی متوفی ۵۶۹ھ	تاریخ	
۶۴	مجالس سیفیہ		مختلف فنون	بعہد داعی سیدنا عبد علی سیف الدین تصنیف ہوئی

نمبر	نام کتاب	مصنف	فن	کیفیت
۶۵	فوائد المجموعہ		تاریخ	
۶۶	عمدة الاخبار		〃	
۶۷	نور صبح صادق			
۶۸	سمط الحقائق	سیدنا علی بن حنظلہ الوداعی	حقیقت	
۶۹	کتاب الایضاح والبیان	سیدنا حسین بن علی بن محمد بن ولید		
۷۰	رسالۃ الوحیدہ	〃		
۷۱	رسالۃ العقیدہ	〃		
۷۲	رسالۃ البیان	سیدنا عماد الدین ادریس		روزہ نماز کی معانی رجب، شعبان، رمضان کی فضیلت کے بیان میں ہے۔
۷۳	زبدۃ السرائر	〃	حقیقت	
۷۴	زہر المعانی	〃		

نمبر	نام کتاب	مصنف	فن	کیفیت
۷۵	کتاب الجل	سیدنا عماد الدین ادریس	مناظرہ	ردِّ زنادقہ میں ہے
۷۶	ایضاح الاعلام	〃	فقہ	کامل تیس روزے کے بیان میں ہے۔
۷۷	مدحضۃ البہتان	〃		
۷۸	یوذاسف وبلوہر جامع الحقائق			اس کا ترجمہ گجراتی زبان میں بعہد سیدنا بدرالدین بن عبد علی سیف الدین عربی زبان سے کیا گیا۔ اس قصہ کا ہیرو جینہ (گنیش رائے) سندھ کا مشہور راجہ ہے۔ اس میں فیروز شاہ تغلق کا قصہ صحیح نہیں، کیونکہ گجرات تو اس کا مقبوضہ موروثی ملک تھا جو اس سے قبل علاءالدین خلجی کے عہد میں فتح ہوچکا تھا۔ اس سے میں قیاس کرتا ہوں کہ یہ حصہ اس کتاب میں الحاقی ہے۔

نوٹ:۔ سیدنا عبد علی سیف الدین نے ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ اصول علوم دعوت مندرجہ ذیل کتابیں ہیں۔

(۱) اخوان الصفا (۲) راحۃ العقل (۳) تاویل الدعائم (۴) المجالس المؤیدیہ

تعلیم کے متعلق ایک بات اور ذہن نشین کر لینی چاہیئے۔ یعنی زمانہ قدیم سے اس باب میں اختلاف چلا آرہا ہے کہ تعلیم کس کو دینی چاہیئے۔ اور کیونکر دینی چاہیئے۔ چنانچہ افلاطون کا خیال ہے کہ تعلیم ہر کس و ناکس کو نہ دینی چاہیئے بلکہ خاص خاص ذہین اور صاحب ذوق اشخاص کو صرف دیجائے۔ تاکہ استاد کی محنت رائگاں نہ جائے۔ اور فتنہ و فساد اور علمی کساد بازاری نہ ہوجائے۔ افلاطون کہتا ہے بیج ہمیشہ ایسی زمین میں ڈالو۔ جہاں سے سرسبز و شاداب درخت نکل کر اپنے پھل پھول سے مخلوق کو فائدہ پہونچائے۔ زمین شور (بنجر) میں دانہ ڈالنے سے، محنت اور غلہ ضائع جانے کے سوا کیا نتیجہ برآمد ہوسکتا ہے۔ ہند کے برہمن اور مصر کے پجاری اسی اصول کے پابند تھے۔ دوسرے گروہ کا سرخیل ارسطو ہے۔ اس کا نظریہ یہ ہے کہ تعلیم عام ہونی چاہیئے پھر ان میں جو لائق ہوں گے وہ خود ہی چمکیں گے چنانچہ سورج کی کرن اور بارش ہر قسم کے زمین پر یکساں پڑتی ہے۔ پس جس زمین میں روئیدگی کی قابلیت ہوتی ہے۔ وہ سرسبز و شاداب ہوجاتی ہے۔ ورنہ بنجر رہتی ہے یہی حال تعلیم کا ہے۔ کہ معلم کا کام یہ ہے کہ بارش کے طرح ہر طالب پر یکساں فیض رساں ہو۔ پس جس طالب میں لیاقت ہوگی وہ کامیاب ہوگا۔ ورنہ غبی اور کم فہم معمولی لیاقت کے ہوکر رہ جائیں گے۔ جب عرب مسلمانوں میں حکومت آئی۔ اور علمی تمدن پھیلا تو مسلمانوں میں سے حکماء اسلام دو فریق ہوگئے۔ کچھ لوگ تو افلاطون کے طرفدار ہوگئے۔ جن کے سرگروہ شہاب الدین سہروردی ہیں۔ اور عمر خیام بھی اسی خیال کا ہے باقی ارسطو کے پیرو ہوئے۔ جس میں بوعلی سینا، فارابی، ابن رشد، ابن ماجہ، ابن طفیل زیادہ مشہور ہیں۔ پھر فرقہ اثناعشریہ تو ارسطو کا مقلد ہے۔ اور ان کا ممتاز شخص محقق طوسی ہے۔ اور اسماعیلیہ نے افلاطونی طریقہ اختیار کیا[1] چونکہ موجودہ محکمہ

[1] امام محمد غزالی بھی اسی خیال کے ہیں چنانچہ اپنی ایک کتاب (المضنون) میں لکھتے ہیں کہ جس شخص

دعوت کا نظام بالکل ائمہ مصر کے ڈھانچے پر قائم ہے۔ اس لئے قدرتی طور پر دعاۃ افلاطونی نظام کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے رہے۔ سلطنت کے قوۃ و ضعف اور دعاۃ کے مشکلات اور آسانی کے اعتبار سے اس نظام پر کم و بیش عمل ہوتا رہا۔ دعاۃ ہند نے ۱۲۳۶ھ تک گو اس نظام پر عمل درآمد کیا۔ مگر کچھ زیادہ سختی سے اس کی پابندی نہیں کی۔ سیدنا طیب زین الدین پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس کو محسوس کیا۔ اور اس کے لئے مختلف قوانین تیار کئے۔ جن کا مختصر ذکر میں اوپر کرچکا ہوں۔ اور اس وقت سے آج تک اس پر عمل درآمد ہوتا چلا آرہا ہے۔ پس آج کل دینی تعلیم کا طریقہ یہ ہے کہ مثلاً پچاس طلبہ کتب ظواہر کے تعلیم میں مشغول ہوئے۔ صرف و نحو، ادب کے بعد جو طلبہ بدمذاق ہوئے، آئندہ کی تعلیم ان کی بند کردیجاتی ہے۔ (گویا یہ فیل ہوگئے) اور مان لو کہ یہ دس طالب علم تھے۔ باقی چالیس کو فقہ، حجت، تاریخ، جغرافیہ کی تعلیم دی گئی۔ یہ تعلیم بھی اس طرح ہوتی ہے کہ ہر طالب علم کے نسبت سیدنا کے پاس رپورٹ بھیجی جاتی ہے۔ کہ یہ طالب علم محنت اسقدر کرتا ہے۔ ذوق اس قسم کا ہے۔ اخلاق کے لحاظ سے اس کی حالت اس سال ایسی رہی۔ اس رپورٹ کے بعد سیدنا کے طرف سے احکامات ہر طالب کے رپورٹ کے موافق جاری کئے جاتے ہیں۔ کہ فلاں طالب علم کو فلاں کتاب کی تعلیم دو۔ اور پھر اس کتاب کے اختتام پر بحکم سیدنا دوسری کتاب شروع کرائی جاتی ہے۔ اس طرح

میں میری تحریر کردہ شرطیں نہ پائی جائیں تو اس پر میری یہ کتاب پڑھنا حرام ہے۔ گویا اعلیٰ مذہبی فلسفہ پڑھنے کے لئے چند شرطوں کا پورا ہونا ضروری ہے۔ اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ عوام کو نہ پڑھانا چاہیئے۔

یکے بادیگرے باجازت کتب ظواہر کی تعلیم سے طلبہ فارغ ہوتے ہیں۔ اور "ملا" کی ڈگری حاصل ہوجاتی ہے۔ اور جن طلبہ کی نسبت رپورٹ میں اساتذہ کی سفارش نہوئی، یا بدذوقی کا اظہار کیا۔ یا اپنے اخلاق کی درستی میں کافی توجہ نہیں برتی۔ تو ان کی تعلیم اسی وقت سے موقوف کردی جاتی ہے۔ پس پچاس طلبہ میں سے جو ابتدائی جماعت میں داخل ہوئے تھے۔ پانچ سال کی مدت میں مُلاّ کی ڈگری لیتے وقت ان کی تعداد تقریباً ۲۵۔۳۰ رہ جاتی ہے۔ پھر ان میں سے جو ذہین اور صاحبِ فہم ہوتے ہیں۔ اور اساتذہ ان کی سفارش کریں اور اخلاقی اعتبار سے بھی اچھا نمونہ پیش کیا ہو تو ان کو کتب علم تاویل کے تعلیم کی اجازت ملتی ہے۔ اور پھر ۵ سال تک باجازت و ہدائت سیدنا یکے بادیگرے ایک ایک کتاب پڑھائی جاتی ہے۔ اور ایام تعلیم میں کسی بدذوقی، یا غیر معمولی بات کا اظہار کیا تو اس کی تعلیم بند کردی جاتی ہے۔ اس طرح ملا جماعت پاس شدہ ۲۵۔۳۰ طالب میں سے پانچ سات اس درجہ (تاویل) میں داخل ہوئے۔ جن میں سے تین چار فارغ ہوکر نکلے۔ اور ان تین چار میں سے سب سے جو بہتر نمونہ اخلاق، عبادت، زہد، اتقا، ذہانت، حافظہ وغیرہ کا ہو۔ تو اس کو باجازت و ہدائت سیدنا علم حقیقت کی تعلیم دیجاتی ہے۔ جس کو عام طور سے تو قوم کے بہترین علما تعلیم دیتے ہیں۔ مگر کبھی کبھی خود داعی وقت بھی تعلیم دیتا ہے۔ خصوصاً منصوص کو داعی زماں نہ صرف یہ کہ خود تعلیم دیتا ہے۔ بلکہ ہر قسم کے تجربہ کے خیال سے اور علمی ترقی کے لئے مختلف عہدوں پر ممتاز کرتا ہے۔ مثلاً عامل، علاقہ دار، ناظر العمال، نائب وزیر، وزیر وغیرہ۔ جیسا کہ ناظرین دعاۃ ہند کے سیر میں پڑھ چکے ہیں۔

(لباس)

ابتداءِ اسلام میں عام مسلمانوں کا کوئی خاص لباس نہ تھا، بلکہ وہی ملکی لباس استعمال میں لاتے تھے جو ملک عرب کے عام باشندے استعمال کرتے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد کچھ معمولی سی ترمیم کی گئی۔ عہد معاویہ تک یہی حال رہا عہدِ بنی اُمیّہ میں گو عام مسلمانوں کا لباس تو وہی رہا۔ مگر سادات نے اپنا لباس سبز قرار دیا۔ ابتدائے بنی عباس تک اس میں کوئی ترمیم نہ ہوئی۔ خلیفہ مامون کے وقت عباسیوں کو اس کا خیال ہوا۔ اور انہوں نے اپنے لئے سیاہ رنگ پسند کیا۔ اور آخر یہی درباری لباس ہوگیا۔ جب اسماعیلیوں کی سلطنت مصر میں قائم ہوئی۔ تو جہاں عام مسلمانوں سے ہر رائے میں اختلاف کیا، لباس میں بھی اپنے کو نمایاں کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ اسماعیلیوں نے اپنا لباس سفید رنگ اختیار کیا۔ اور یہی سرکاری بن گیا۔ اور اسی سبب سے عام لوگ ان کو "مُبیضہ" یعنی سفید پوش کہتے ہیں۔ چنانچہ داؤدی بوہروں میں اب تک یہ رنگ مرغوب ہے اور داعی کے دربار (یا سلام) میں حاضری کے وقت یہی رنگ مستعمل ہے۔ عام طور پر گجراتی بندھی ہوئی پگڑی سادی استعمال کرتے ہیں۔ لیکن جب عزت کے موقعہ پر جانا ہوا تو اسی قسم کی سنہری پگڑی مستعمل ہوتی ہے۔ عام بوہروں (سنی و شیعہ) میں یہ پگڑیاں تقریباً ایک ہی قسم کی استعمال میں آتی ہیں۔ لیکن خصوصیت سے داؤدی بوہرے پگڑی کے نیچے ایک خاص قسم کی گول ٹوپی رکھتے ہیں۔ یہ ٹوپی ہاتھ کی بنی اور سنہری تاروں سے کسب کی ہوئی ہوتی ہے۔ اور اسی قوم کی عورتیں اس کو

بناتی ہیں - حال میں بمقام کراچی سیدنا نے اس کے استعمال پر بڑا زور دیا ہے تاکہ غریب عورتوں کی روزی کا سامان اس سے ہوتا رہے - کرتہ بھی تقریباً دونوں بوہروں میں یکساں رائج ہے - البتہ داؤدی انگلش کوٹ کبھی استعمال نہیں کرتے - بلکہ شیروانی یا اسی طرز کی اچکن زیب بدن کرتے ہیں - عموماً ان کے کپڑے صاف ستھرے رہتے ہیں - لڑکیوں کو تا بلوغ ٹوپی سر پر رکھتے ہوئے دیکھا - اور ان کا لباس پاجامہ (بڑی مہری کا) اور لمبا کرتہ ہوتا ہے - عورتیں بوقت ضرورت برقعہ کا بھی استعمال کرتی ہیں - مگر عموماً چہرہ کھلا رہتا ہے - عورتیں عموماً لہنگا پہنتی ہیں - چولی بھی استعمال کرتی ہیں - اور دوپٹہ کا بھی رواج ہے -

متفرقات

رسول اللہ اپنے آپ کو خدا کی نسبت سے "عبدہٗ و رسولہٗ" کہتے ہیں اسی طرح داعی ہمیشہ اپنے آپ کو "مملوک آل محمد" کہتا ہے - اور عام بوہرہ داعی کی نسبت سے اپنے کو عبد سیدنا (یا عبید سیدنا) لکھتے ہیں -

—— داؤدی بوہروں کا نکاح داعی یا عامل ہی کر سکتا ہے - اور اس کے لئے اجازت کی ضرورت ہے، لیکن اگر کوئی بوہرہ غیر بوہرہ (مثلاً سنی) سے عقد کرے تو نکاح سنی قاضی پڑھاتا ہے - سنہ ۱۹۱۰ء سے سنہ ۱۹۲۰ء تک اس قسم کے نکاح صرف پندرہ ہوئے ہیں - شادی میں (نکاح کے وقت) غیر بوہرہ بغیر اجازت داعی یا عامل شریک نہیں کیا جا سکتا -

—— ڈاڑھی رکھنا ضروری ہے - اور اس کا کتروانا یا منڈوانا گناہ ہے -

—— مچھلی مردہ کھانا حرام ہے - اور غیر چھلکہ والی مچھلی بھی حرام ہے، مچھلی زندہ دریا سے نکال کر ہاتھ سے چھو کر بسم اللہ پڑھتے ہیں اس کے بعد اس کو حلال سمجھتے ہیں - اسی واسطے ان کو مچھلی کھانے کے لئے اس کا خاص انتظام کرنا پڑتا ہے -

—— بہ شرائط چند سود لے اور دے سکتے ہیں - یعنی روپیہ قرض لیتے وقت غیر جنس کی کوئی چیز (مثلاً گھڑی یا تانبا وغیرہ) ملا کر دیتے ہیں - اس معاملہ میں امام جعفر صادقؓ سے مرویات ہیں اور اس طرح کے سود لینے کے طریقہ کو "اناج" کہتے ہیں - چنانچہ "ملخصہ" میں اس کی پوری تشریح موجود ہے، دعاۃ ہند بھی اس پر کبھی کبھی بوقت ضرورت عمل کرتے ہیں[1] -

—— حرام جانور کی کھال دباغت کے بعد بھی حرام و نجس ہے - اور حلال جانور کا بشرط ذبح حلال اور پاک، اسی لئے بعد وضو کھڑاؤں استعمال کرتے ہیں - کیونکہ یقینی طور پر نہیں معلوم کہ جوتا مردہ سے بنا ہے یا مذبوحہ سے - حلال جانور کا ہے یا حرام کا - دعائم الاسلام میں ہے کہ ذبیحہ صرف مٹی پر ہونا چاہیئے - اینٹ، چونے وغیرہ پر جائز نہیں ہے -

—— دیوالی میں اپنے تمام کاروبار کی ابتدا کرتے ہیں - کچھ تو اس سبب سے کہ

---

[1] مسلمانوں میں بھی اس طرح سے جائز ہے - اور اس کا نام حیلہ شرعی رکھتے ہیں -

تمام گجرات میں بھی دستور ہے، اور ہندو، مسلمان، پارسی سب ایسا ہی کرتے ہیں۔ اور کچھ اس سبب سے کہ بوہروں کے سال کی ابتدا بھی اسی ماہ سے ہوئی۔

—— عہد اکبری میں بوہروں کے ۲۸ محلے صرف احمدآباد میں تھے۔ ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) سارنگپور (۲) داؤدجی محلہ (۳) راجپور (۴) چھوٹا راجپور (۵) میٹھاپور (۶) سیرپور (۷) شیخ داؤد کا محلہ (۸) کالوپور (۹) سکندرپور (۱۰) احمدپور (۱۱) جاکن محلہ (۱۲) حریرپور (۱۳) گداپور (۱۴) کندپور (۱۵) محلہ شیخ برہان (۱۶) محلہ ملاشیخ (۱۷) شمس سیدی کا محلہ (۱۸) محلہ شیخ تاج الدین (۱۹) محلہ شیخ حسن (۲۰) شیخا محلہ (۲۱) خواجہ کالاکا محلہ (۲۲) ڈاکوت واڑا (۲۳) دیکوت واڑا (۲۴) تاجپوریہ (۲۵) جلالپور ۲۶-۲۷-۲۸ یہ تینوں چھوٹے چھوٹے محلے تھے۔ ان محلوں میں سے بعض میں غیر بوہرے بھی رہتے تھے۔ مگر زیادہ آبادی بوہروں کی تھی۔

خاص احمدآباد میں بعہد سیدنا داؤد بن قطب بوہروں کی آبادی دس ہزار تھی [۱] اور ۲۲ مسجدیں نمازیوں سے ہمیشہ آباد رہتی تھیں۔ ان میں سے بعض بڑی عالیشان تعمیر ہوئی تھیں۔ کل (۱۴۰) گاؤں میں بوہرے آباد تھے، صرف احمدآباد بہ عہد سیدنا داؤد بن قطب ۴، مرد اور پانچ

---

[۱] یہ روایت کوکب فلک کی ہے۔ لیکن بوہروں کی ایک کتاب میں ۲۷ ہزار تعداد نظر سے گزری ہے شاید یہ تعداد اندرون شہر پناہ کی ہو۔

عورتیں ملاشائخ تھیں۔

—— اسی عہد میں شیخا بن عیسیٰ ایک بڑے تاجر تھے۔ جن کو ملک التجار کا خطاب تھا۔ دعوت کے کاموں میں بڑا حصہ لیتے تھے۔

—— کپڑونج میں ۲۰۰ دوسو گھر تھے، جس میں نوسو سے زیادہ بوہرے لوگوں کی آبادی تھی۔ اور [illegible] میں ایک ہزار گھر مومنین کے تھے۔

—— مندرجہ ذیل مقامات میں بوہروں کی آبادی تھی جہاں ملا اور شائخ دینی امور کے انجام کے لئے مقرر کئے گئے تھے۔

احمدآباد، کھنبائت، گھوگھا۔ تاجہ۔ کھدرادد، مہوا، دیوبندر نڑیاد۔ [illegible] تھنبہ۔ پٹلاد۔ فیناد۔ اسادلی۔ ڈیسہ۔ سون گڑھ بھرپ۔ سورت۔ گنڈیوی۔ نوساری۔ چیکلی۔ دھولکا۔ پیس واڑا کوکہ۔ دیردی۔ سودرہ۔ بودنج۔ دھن دوکا۔ بروڈھ۔ بہادرپور۔ سلطان پورہ۔ لاٹھے امریٹھ۔ پالیتانہ۔ دھاری۔ جوناگڑھ۔ وانسواڑا علیاپورہ۔ ارتیجہ۔ مغل پورہ۔ درانذرہ۔ اسیرگڑھ۔ برہان پور۔ راکس بوم۔ دھن گام۔ امرید۔ دودری۔ جالناپور۔ دیوگام۔ رادھن گڑھ۔ احمدنگر کھاڑاپاٹن۔ جیال بندر۔ دابھول بندر۔ غنید گاؤں۔ کپڑونج۔ بودہ امریٹھ۔ ٹھاسرہ۔ مرنال۔ ایڈر (احمدنگر) بیتاری۔ بیلود۔ موڈاسہ گودھرا۔ ساگواڑہ۔ ڈنگرپور۔ کھاشیل۔ نیاگام۔ گلیاکوٹ پرتاب پور۔ ساپور۔ اجین (مع توابعات) ہالار (مع توابعات) سدھپور دھنج۔ پٹن۔ رادھن پور۔ میسانہ۔ گرٹی۔ گگول۔ پالاسنور۔ چاپانیر وغیرہ

۳۸۴ + ۴ = ۳۸۸

سندھ کے علاقہ میں ، ٹھٹھہ ، [illegible]ی بندر ، اس کے علاوہ یمن کے مختلف مقاموں میں بہ تعداد کثیر مومنین آباد [illegible] ہیں[1]

تمام شد

(جاوید پریس میکلوڈ روڈ۔ کراچی)

[1] کوکب فلک آخری باب